www.iqbalkalmati.blogspot.com

صدیوں کا کرب

جاوید بخاری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیرسٹر مرزا محمد حسن مراد اپنے دفتر میں موجود تھا۔ وہ کوئی نامی گرامی وکیل تو نہیں تھا لیکن اسے ابھی تک کسی کیس میں ناکامی کا سامنا بھی نہیں ہوا تھا حالانکہ اسے وکالت کی پریکٹس شروع کیے ہوئے تیسرا سال بیت رہا تھا، وہ روزانہ اپنے اس دفتر میں شام تین بجے سے آٹھ بجے شب تک اپنے مؤکلوں سے مغز ماری کیا کرتا۔ موسلا دھار بارش نے اسے آج کچھ فرصت فراہم کر دی تھی وہ اکیلا ہی دفتر میں بیٹھا تھا۔ بارش سہ پہر سے شروع ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پانچ بجا دیئے اب بھی بارش تھم جانے کا کوئی امکان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ حسن مراد نے اپنی میز پر پھیلی ہوئی فائل کو سامنے سے ہٹاتے ہوئے کرسی کھسکائی اور جسم کو جھلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، اس نے ایک زوردار جمائی لیتے ہوئے بازوؤں کو پیچھے کی جانب جھٹکا۔ ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا۔

''اگر کوئی مؤکل یہاں نہ آئے تو دفتر میں کیسی بے رونقی چھا جاتی ہے، یہ دفتر کم .....ویران کھنڈر زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے زندگی بے کیف سی ہوگئی ہو۔ واہ میرے خدا کیسا مینہ برسایا ہے کہ طبیعت میں کسلمندی عود کر آئی ہے۔''

یہ اس کے مؤکلوں کا قصور نہیں تھا۔ حسن مراد نے اپنے دفتر کے لئے جگہ ہی ایسی منتخب کی تھی جہاں دن کے وقت بھی کرفیو کا سماں محسوس ہوتا تھا۔ کئی لوگ رات کے وقت اس طرف نکلنے پر بھی کتراتے کہ کہیں کسی چوراچکے سے پالا نہ پڑ جائے۔ حسن مراد کو شروع ہی سے خاموشی اور ویرانی سے خاصا لگاؤ تھا۔ اسی لئے اسے یہ جگہ بے حد پسند آئی حالانکہ کئی مؤکلوں نے یہ جگہ چھوڑنے کے بارے میں اپنی قیمتی رائے دینا چاہی مگر اس نے فوراً باتوں کا رُخ کسی دوسری جانب موڑ دیا اور انہیں آنے کے مقصد یعنی مقدمے کے لوازمات میں محو کر دیا وہ اپنے دفتر کے محل وقوع کے بارے کسی کا اختلاف برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگ اسے سنکی قرار دینے پر اکتفا کرتے۔ دراصل اس قدر گنجان شہر میں اتنا بڑا اور کشادہ دفتر اسے کہیں اور مل بھی نہیں سکتا تھا۔ دفتر کیا تھا، پورا ہال کمرہ لگتا تھا۔ تین کمروں پر مشتمل یہ فلور اسے بے حد کم کرائے پر ملا۔ اگر یہ دفتر ہائی کورٹ کے کہیں آس پاس ہوتا تو یہاں ایک وکیل کے آفس کے بجائے کم از کم نصف درجن وکلاء کے دفاتر بنے ہوتے اور کرایہ بھی اسی حساب سے لیا جاتا۔ وہ ہولے ہولے چلتا ہوا دائیں جانب موجود آدھ کھلی کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ یہاں سے باہر کا منظر بے حد سہانا دکھائی دے رہا تھا۔ بارش ایک مخصوص ترنگ میں جاری وساری تھی۔ کھڑکی کے سامنے موجود ایک چھوٹے سے باغیچے میں درخت اللہ کی رحمت سے جھوم جھوم کر محظوظ ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ موسم گرما کی یہ پہلی بارش تھی۔ بڑی سڑک بچوں اور بڑوں کے لئے بے حد خوشی کا مقام تھا۔ وہ موسم گرما کی پہلی بارش میں نہ صرف نہا رہے تھے بلکہ خوشی سے گنگنا بھی رہے تھے۔ ننھے منے بچے نیکریں اور پاجامے چڑھائے بارش سے کھڑے ہونے والے پانی میں جب چھلانگیں لگاتے تو ان کی قلقاریاں پوری سڑک پر گونج اُٹھتیں۔

حسن مراد نے اس دلفریب منظر کو لمحہ بھر کے لئے اپنے ذہن کے دریچوں سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر دھیمی سی خوش کن مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ اس کی نگاہیں ایک بار پھر درختوں کی جانب اُٹھ گئیں جن کے زمردی پتوں پر نیا نکھار آ گیا تھا۔ وقت کی کثافت بارش میں دھل سی گئی۔ شہر میں اگرچہ ہر سو جل تھل تھا مگر کئی نشیبی علاقے کیچڑ اور دلدل سے دشوار گذار بن گئے تھے۔ وہاں مقیم لوگ حسب عادت حکومت اور بلدیہ والوں کو برا بھلا کہہ کر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے میں مصروف تھے۔

جب بارش خوب برس چکی تو حسن مراد کے دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں نے چھٹنا شروع کر دیا۔ بارش کی تیزی وتندی ماند پڑنے لگی اور پھر چند ہی منٹوں میں بارش رک گئی۔ بادلوں کا انبوہ اپنا کام تمام کرنے کے بعد تیزی سے چوپایوں کی مانند مشرق کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ حسن مراد موسم کی اس تبدیلی میں ایسا مگن ہوا کہ اسے احساس ہی نہ ہو پایا کہ کب بارش بند ہوئی اور کب مطلع صاف ہو گیا۔

موسم گرما کی پہلی بارش ہر کس وناکس کے لئے نعمت سے کم نہیں ہوتی۔ موسم میں یہ

معمولی سا تغیر وتبدل بے حد مختصر مگر انتہائی دلکش ہوتا ہے۔ حسن مراد نے کھڑکی کے پٹ کو تھوڑا سا مزید کھول دیا تاکہ باہر چلنے والی لطیف ہوا، دفتر کے درجہ حرارت کو بھی معتدل کر دے۔ یہ کھڑکیاں اس نے بارش سے قبل آنے والی تیز آندھی کے باعث بند کی تھیں۔ کھڑکیوں میں نصب شیشہ بارش کی وجہ سے دھندلا سا گیا تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی کرسی سنبھال لی اور سامنے پڑی فائل میں مگن ہو گیا۔ اسے اب کچھ امید بندھی کہ کوئی نہ کوئی مؤکل کچھ ہی دیر میں آتا ہوگا۔ اس کی میز پر ایک کھلی فائل کے پاس چند اور بکھرے ہوئے کاغذ بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے جس کیس کی فائل میں مستغرق تھا، وہ شہر کے ایک بڑے شہرت یافتہ قتل کیس کے بارے میں تھی۔ اس مقدمے کا چرچا آج کل اخباروں کی شہ سرخیوں کی زینت تھا۔ ایک بڑے تاجر اور سیاسی حیثیت کے حامل شخص عبدالرحمٰن چغتائی کے قتل کا معاملہ تھا جو کہ الیکشن میں ایم این اے کی سیٹ کے لئے امیدوار تھا۔ اسے کسی نے رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر قتل کر دیا۔ اس قتل کے سلسلے میں اس کا مؤکل محض شبے پر گرفتار کیا گیا مگر بعد میں پولیس نے شواہد و واقعات کی ایسی کڑی سے کڑی ملا دی کہ وہ کسی بھی طریقے سے الزام قتل سے مبرا..... نہیں دکھائی دیتا۔

استغاثہ کی جانب سے ملزم پر جو الزامات عائد کئے گئے۔ وہ نہ صرف سنگین اور ہولناک تھے بلکہ مستقبل قریب میں چند بڑے اور معزز لوگوں کی گرفتاری کا بھی امکان پیدا کر رہے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس کیس کی پیروی کے لئے اسے بھاری فیس ادا کی گئی تھی۔ جس پر وہ خاصا مطمئن تھا کیونکہ اتنی بڑی فیس ابھی تک اسے کسی کیس میں نہیں مل سکی تھی۔ دوسرا یہ مقدمہ کامیابی کی صورت میں اس کا مستقبل سنوار سکتا تھا۔ پورے ہائی کورٹ میں اس کی شہرت کے جھنڈے گڑ جاتے۔ اس کے دوست وکلاء نے مقدمے کی نوعیت پر اسے خاصا مایوس کیا کہ یہ کیس وہ کسی بھی صورت میں نہیں جیت سکتا کیونکہ اس کی ناکامی کے واضح ثبوت اور محرکات موجود ہیں اور قتل کا محرک بھی صاف دکھائی دے رہا ہے۔ استغاثہ کی طرف سے ملزم کو حقیقی قاتل ثابت کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں پولیس نے بڑے ٹھوس ثبوت اور چند مضبوط گواہ بھی عدالت میں لا کھڑے کئے تھے۔ جن کو دیکھتے ہوئے ہر کوئی اس امر پر متفق تھا کہ ملزم کسی بھی صورت میں پھانسی کی سزا سے نہیں بچ سکے گا..... لیکن مرزا حسن مراد ان لوگوں سے قطعی متفق

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکالے گا۔ شاید اسی لئے اس نے یہ مقدمہ ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنے مؤکل کو یہ یقین دلایا کہ وہ ایک بے گناہ شخص کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کے لئے پوری قابلیت صرف کرے گا۔ وہ اس سے پہلے بھی اس سنسنی خیز قتل کے سلسلے میں بار بار غور کر چکا تھا اور اس نے چند ایسی دلیلیں بھی ایک کاغذ پر نوٹ کر کے محفوظ کر لیں جن سے ملزم کی بے گناہی کو ثابت کرنے کا کام لیا جا سکتا تھا۔ وہ اس وقت بھی ایسے ہی کسی مزید نکتے کی تلاش میں مصروف تھا جو مقدمے کا پورا رُخ بدل سکتا ہو۔ جس سے وہ یہ بات ثابت کر دے کہ اس کا مؤکل قاتل نہیں ہے بلکہ اسے قتل کے مقدمے میں جان بوجھ کر پھنسایا گیا ہے مگر محض یہ خیال اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ضرورت تھی تو ایک مکمل اور ٹھوس ثبوت کی..... جو کہ ابھی تک اس کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔

وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ اس مؤکل کی گرفتاری کے بعد اب اصلی قاتل کی تلاش کا سلسلہ ترک کیا جا چکا ہے۔ پولیس اپنے تئیں اس مقدمے کو سمیٹ کر مطمئن ہو چکی ہے۔ غیر شعوری طور پر حسن مراد کے ہاتھ بالوں کو سہلانے لگے۔ باہر بادلوں کے ہجوم میں کمی کے باعث اندھیرا سا چھانے لگا۔ واقعی رات ہو گئی تھی یا پھر یہ سب موسم کی تبدیلی کا اثر تھا۔ حسن مراد نے اپنی رسٹ واچ پر نظر دوڑائی جو سات بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ متحیر سا ہو کر دہلیز کی جانب دیکھنے لگا۔

''حیرت ہے، ابھی تک کوئی بھی نہیں آیا۔''

اس کی زبان سے مجہول سا فقرہ برآمد ہوا۔ اس نے اُٹھ کر کھڑکیوں کے دونوں پٹ بند کئے اور دوبارہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ بارش سے موسم میں خاصی خوشگوار تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اس نے قلم نکال کر سیاہی کا جائزہ لیا اور پھر ایک کونے میں پڑی سیاہی کی دوات اٹھا کر اپنے پین میں سیاہی بھرنے لگا۔

اسی لمحے خفیف سی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔ اس کی جگہ اس وقت کوئی اور ہوتا تو شاید اس کی حرکت قلب بند ہو چکی ہوتی۔ کمرے میں ایک مسحور کن خوشبو پھیلتی چلی گئی۔ حسن مراد نے نامعلوم سی خوشبو محسوس کرنے پر اپنا سر اُٹھایا اور نووارد پر نگاہ مرتکز کر دی۔ وہ آنے والی ہستی کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ کوئی بھی جملہ اس کی زبان پر آنے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے تھوڑے ہی

فاصلے پر ایک مجسم حسن و جمال اور بلا کی پُرکشش لڑکی موجود تھی۔ جو اپنے غیر معمولی خدوخال سے لڑکی کم اور حور پری زیادہ لگتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھ کر حسن مراد دم بخود سا رہ گیا۔ سیاہ اور رسیلی آنکھوں میں کرب کی مستیاں جھوم رہی تھیں، کھلے اور لمبے بال شب فراق کی تاریکیوں کی مانند سیاہ تھے۔ حسن و معصومیت کی دولت سے مالا مال اُس دوشیزہ کی آمد کو حسن مراد کوئی معنی نہیں دے پایا۔ سب سے زیادہ حیرت اسے اس لباس پر ہوئی جو کہ عام لباس سے کسی بھی طرح میل نہیں کھاتا تھا۔

حسن مراد نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی کئی لڑکیاں اس کی راہوں میں اپنے دل بچھائے بیٹھی تھیں مگر اس کا ارادہ ابھی شادی کرنے کا نہیں تھا۔ وہ اپنے کیریئر کے بارے میں بے حد سنجیدہ تھا مگر اس لڑکی کی آمد نے اس کے دل کے سارے تار جھنجھنا دیئے۔ وہ کیف و مستی سے سرشار بس اسی کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ اجنبی لڑکی اُس کے چہرے پر بکھرنے والے تاثرات سے بے خبر خود خوف و ہراس کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ خوف اور معصومیت کے ملاپ نے اس کے حسن میں دلکشی کے رنگ بکھیر دیئے تھے۔ حیرت و استعجاب نے کچھ دیر کے لئے نوجوان بیرسٹر کے لبوں پر مہر خاموشی ثبت کر دی۔

اس لڑکی نے تیزی سے پلکیں جھپکائیں اور قدرے بوکھلائے انداز میں اپنے دائیں بائیں دیکھا جس پر حسن مراد چونک پڑا اور اس کے حواس پر پر چھائی ہوئی کیف کی مستی دور ہوتی چلی گئی۔

''محترمہ! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

وہ نہایت شگفتگی و شائستگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوا مگر وہ دوشیزہ اس کی بات کو ان سنی کرتی ہوئی باہر کی جانب خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس کے حواس پر چھائی بدحواسی سے حسن مراد کو کم از کم یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ اس وقت کسی مشکل سے دوچار ہے اور ضرور کوئی غنڈہ اوباش اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ میز کے پہلو میں موجود دراز پر پہنچ گیا۔ جہاں اس نے اپنی حفاظت کے لئے ایک ریوالور رکھا ہوا تھا۔ باہر کسی کے تیز قدموں کی چاپ اب صاف سنائی دینے لگی۔ اس نوخیز دوشیزہ کی ملتجیانہ نگاہیں جب حسن مراد کی نگاہوں سے ٹکرائیں تو حسن مراد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو یوں لگا کہ جیسے اس کا دل سینے سے اچھل کر باہر آ گرے گا۔ اس نے اپنے کلیجے پر بھاری پتھر رکھتے ہوئے اپنی کیفیت کو چھپا لیا اور اس جانب دیکھنے لگا جہاں کسی کے آمد متوقع تھی۔ لڑکی شاید زیادہ ہی خوفزدہ تھی اسی لئے تیزی سے ایک الماری کی طرف لپکی اور اس کی آڑ میں چھپ سی گئی۔ حسن مراد کسی ناگہانی صورت حال کے لئے خود کو تیار کرنے لگا۔

اچانک ایک چہرہ دروازے کی اوٹ میں نمودار ہوا۔ حسن مراد اُسے دیکھتے ہی بری طرح اچھل پڑا۔ حیرت و استعجاب کے کھنچاؤ سے اس کا چہرہ خاصا بگڑ گیا۔ نووارد اس شہر کا شریف بدمعاش قسم کا شخص تھا۔ اسے لوگ سیف اللہ خان وڑائچ کے نام سے جانتے تھے۔ وہ خاصی مشہور و معروف شخصیت تھی۔ کہنے کو ابھی اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی مگر اس کے کارناموں کے سامنے یہ عمر بے حقیقت تھی۔ بڑے بڑے سیاست دان اور تاجر اسے اپنی غرض کے لئے استعمال کرتے پولیس بھی اس پر براہ راست ہاتھ ڈالنے سے کتراتی تھی چھوٹے موٹے جرم سے لے کر اغوا برائے تاوان اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ گذشتہ دو سال سے فوجی حکومت کے اقتدار سنبھالنے پر ملک سے مفرور تھا مگر جونہی مارشل لاء کا طوق اترا اور عوامی نمائندوں کے اقتدار سنبھالنے کی تیاری ہونے لگی تو وطن لوٹ آیا۔ گذشتہ دنوں وہ ایک حلقے سے الیکشن بھی لڑ رہا تھا کہ نامعلوم وجہ پر اچانک دوسرے امیدوار کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اس نے کاٹن کی ڈھیلی ڈھالی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ بارش کی بوندیں اس کے بالوں میں شبنم کے قطروں کی مانند چمک رہی تھیں۔ بال قدرے بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں عجب سی بدحواسی دکھائی دے رہی تھی۔

''وڑائچ صاحب! اندر تشریف لے آیئے، آج ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟'' حسن مراد نے اپنے چہرے پر چھائے ہوئے استعجاب کی شکنیں دور کرتے ہوئے کاروباری مسکراہٹ سجالی۔ وہ سیف اللہ خان کی شخصیت سے بخوبی واقف تھا۔ اسی لئے اس نے فوراً پینترا بدلا۔ اس کی جگہ شاید کوئی اور شخص ہوتا تو حسن مراد اس کا استقبال دراز میں پڑے ریوالور سے کرتا۔

''السلام علیکم وکیل صاحب!'' سیف اللہ خان آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا۔ گو کہ اس کا لہجہ اس کے چہرے سے میل نہیں کھا رہا تھا مگر پھر بھی رسمی خوش اخلاقی کی جھلک نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ کنکھیوں سے کمرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ جنہیں دیکھ کر حسن مراد

اس کی آمد کا مقصد بخوبی سمجھ گیا۔ حسن مراد نے اس سے مصافحہ کیا اور وہ خود ہی کرسی آگے کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ اس کی متلاشی نگاہیں پورے کمرے میں گھوم رہی تھیں۔

''وکیل صاحب! آپ خاصے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، میں دراصل ایک تصویر کی تلاش میں ادھر آ نکلا ہوں۔ وہ ابھی ابھی یہیں پہنچی ہے۔ براہ کرم! مجھے واپس لوٹا دیجئے۔'' اس کا لہجہ قدرے دھمکی آمیز تھا۔

''وڑائچ صاحب! کیسی تصویر؟''

حسن مراد نے حیرت سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لئے پریشانی کے بادل چھا گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا خطرناک شخص اتنی خوبصورت دوشیزہ کو تصویر کت نام سے موسوم کر سکتا ہے۔ بے شک وہ نازنین حقیقت میں تصویر کہلانے کے قابل ہی تھی۔

''ایک خوب صورت مصری تصویر!..... جس کی قدر و قیمت کا اندازہ شاید آپ کبھی نہ لگا سکیں۔ خیر ان باتوں کو چھوڑیں اور مہربانی فرمائیں۔'' سیف اللہ خان کی آنکھیں حسن مراد کے چہرے میں گڑی جا رہی تھیں۔ حسن مراد نے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو دل میں گندی سی گالی دی۔ ''بے غیرت! اب دیگر جرائم کے ساتھ بردہ فروشی بھی کرنے لگا ہے۔''

''دیکھئے محترم! میں آپ کی کسی تصویر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا پھر میں آپ کی بات کا مطلب صحیح طرح سے سمجھ نہیں سکا۔'' حسن مراد انجان بنتے ہوئے ڈھٹائی سے بولا۔

حسن مراد جانتا تھا کہ اس کے سامنے جو شخص بیٹھا ہے وہ بڑا زمانہ شناس ہے اسے بے وقوف بنانا اس کے بس کا روگ نہیں۔ وہ لڑکی الماری کے پیچھے چھپی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ ایک آدھ بار اس کا سہما ہوا چہرہ الماری سے باہر بھی نمودار ہوا۔ اتفاق سے الماری سیف اللہ خان کے بالکل عقب میں تھی اس لئے وہ لڑکی کے وجود سے آگاہ نہیں ہو سکا۔ حسن مراد کی نگاہ ایک بار اس جانب اُٹھی بھی تھی مگر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔

''برادرم!'' سیف اللہ کے لہجے میں درشتی عود کر آئی۔ ''شاید تم مجھ سے اچھی طرح واقف نہیں ہو اور میں خود بھی یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے دفتر میں کوئی تماشہ کروں، میری تصویر اسی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کمرے میں داخل ہوئی ہے اور میں نے خود اسے یہاں آتے دیکھا ہے۔''

''وڑائچ صاحب!'' حسن مراد کا لہجہ سخت ہوگیا۔ ''میں آپ سے بخوبی واقف ہوں، آپ دوسرے لوگوں پر اپنی دھونس جما سکتے ہیں مگر مجھے ان کی فہرست میں شامل کرنے سے گریز کیجئے۔ یہ آپ کے اور میرے دونوں کے حق میں اچھا ہوگا۔ آپ کی تصویر کوئی چلتی پھرتی چیز نہیں ہے کہ یہاں آگئی ہے۔ اگر یہ سوال کسی انسان کے بارے میں کیا گیا ہوتا تو شاید میں کوئی جواب دے پاتا مجھے لمحہ بھر کے لئے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے آپ مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں یا پھر آپ کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

سیف اللہ خان کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو اتنی بات کرنے پر وہ یقیناً دروازے سے باہر پڑا ہوتا۔ حسن مراد میں اتنی قوت تو تھی کہ کسی صحت مند شخص کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا لیکن اس نے صبر و تحمل سے کام لیا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس قسم کے خطرناک لوگوں سے الجھنا اور ان سے جھگڑا مول لینا اس کے حق میں ٹھیک نہیں ہے، ورنہ کسی بھی شاہراہ پر ایک نامعلوم گولی اس کے سینے میں چھید کر سکتی تھی۔

''اوہو! وکیل صاحب''۔ سیف اللہ خان تیزی سے سنبھل کر بولا۔ ''آپ تو برا مان گئے۔ میں نے تو آپ کے بھلے کی بات کی ہے۔ ظاہر ہے میری امانت آپ کے پاس فرار ہو کر پہنچ جائے تو کیا اسے واپس لینے کا مجھے حق بھی نہیں ہے۔''

''دیکھئے وڑائچ صاحب!'' حسن مراد نے گہری سانس لی اور کرسی کی پشت کے ساتھ پیچھے کی جانب جھکتے ہوئے کہا۔ ''میرا دفتر آپ کے سامنے کھلا پڑا ہے، آپ یہاں اپنی تصویر تلاش کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

وہ اب اس عجیب سی صورتحال سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چند لمحے اس اجنبی دوشیزہ کے وارد ہونے پر اس نے جو سرکش ارادہ کیا تھا اب اسے تکلیف دہ محسوس ہونے لگا تھا۔ اب اس کی خواہش صرف یہی تھی کہ یہ منحوس شخص یہاں سے جلد از جلد روانہ ہو جائے۔ اس لڑکی کے بارے میں اس کی ہمدردی دم توڑ چکی تھی۔ اس کا ذہن اندیشوں میں مبتلا تھا کیونکہ وہ دوشیزہ حسن شکل و صورت سے مقامی بھی نہیں لگتی تھی۔

''وکیل صاحب!'' سیف اللہ خان بے زاری سے بولا۔ ''ہر بندہ اپنی جگہ کے خفیہ

گوشوں سے واقف ہوتا ہے آپ خود ہی مہربانی کریں اور میری امانت مجھے لوٹا دیں۔'' حسن مراد نے کچھ کہنا چاہا کہ الماری کے پیچھے ایک کھٹکا سا ہوا۔ جس پر دونوں کی نگاہیں غیر ارادی طور پر اس طرف اُٹھتی چلی گئیں۔ سیف اللہ خان آہٹ پر چونک پڑا اور گردن موڑ کر اس جانب دیکھنے لگا جہاں وہ اجنبی لڑکی کچھ لمحے قبل چھپی تھی۔

''اوہ وکیل صاحب..... تو وہاں چھپایا ہے میری تصویر کو۔''

اس کے چہرے پر جوش و خروش ظاہر ہوا۔ وہ تیزی سے اُٹھا اور الماری کی جانب بڑھنے لگا۔ حسن مراد بھی غیر ارادی طور پر اُٹھ کھڑا ہوا اور سیف اللہ خان کے پیچھے لپکا۔ ایک لمحے کے لئے دونوں کو اجنبی لڑکی کا خوفزدہ چہرہ دکھائی دیا جو کہ الماری کے پیچھے سے جھانک کر ان دونوں کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ سیف اللہ خان کے ہاتھ میں ایک سیاہ بڑا رومال دیکھ کر وہ مزید خوفزدہ ہوگئی۔ اسے دیکھتے ہی سیف اللہ خان بے تاب سا ہوگیا اور تیزی سے الماری پر جھپٹا لیکن شاید لڑکی نے الماری کے کسی حصے کو پہلے ہی سے تھام رکھا تھا۔ جونہی سیف اللہ خان الماری کے نزدیک پہنچا تو اس اجنبی لڑکی نے الماری کو پورے زور سے دھکا دیا اور دوسرے ہی لمحے الماری سیف اللہ خان پر آگری۔ الماری میں سجائی گئی موٹی موٹی قانون کی کتابیں اس کے جسم پر گرتی چلی گئیں۔ وہ الماری اور کتابوں کے ڈھیر کے نیچے دب گیا اس کے حلق سے کراہ آمیز چیخ نکلی۔

حسن مراد کی توجہ اجنبی لڑکی سے ہٹ کر سیف اللہ خان اور اپنی بکھرنے والی کتب پر مبذول ہوگئی۔ حسن مراد نے ایک تیز نگاہ اس لڑکی پر ڈالی۔ جس کے چہرے پر اب خوف کی کرنوں کے بجائے شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔ حسن مراد تیزی سے آگے بڑھا اور الماری کو اٹھا کر سیف اللہ خان کو باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ سیف اللہ الماری گرنے کے باعث درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ اس نے تکلیف زدہ نگاہوں سے اس لڑکی کی جانب دیکھا تو جیسے اس کے جسم میں شرارہ سا بھر گیا۔ وہ اپنی تکلیف بھول کر تیزی سے اُٹھا اور ایک بار پھر اس پر جھپٹا مگر وہ اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو پایا اور سامنے ٹھوس دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کا سر دیوار میں لگنے سے پھٹ گیا۔ خون کی باریک باریک لکیریں اس کے ماتھے پر پھیلتی چلی گئیں۔ حسن مراد ہکا بکا کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ وہ اجنبی لڑکی اسے چکمہ دے کر تیزی سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دروازے کے قریب جا پہنچی۔ سیف اللہ خان اب اُس کی جانب بے چارگی سے دیکھ رہا تھا۔ سر سے نکلنے والے خون نے اس کی رہی سہی ہمت کو بھی پست کر دیا۔ اسے اپنے سر میں درد کی شدید ٹیسیں اُٹھتی محسوس رہی تھیں۔

وہ لڑکی شاید اس کی ہمت کی پستی کا اندازہ لگا چکی تھی اسی لئے اس کی جانب استہزائیہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی ایک جانب پڑی کرسی پر آ بیٹھی۔ حسن مراد نے سیف اللہ خان کو سہارا دے کر سامنے والی کرسی پر بیٹھا دیا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھا گہری سانسیں لینے لگا۔ اُس کی مفرور تصویر اس کے سامنے بیٹھی تھی مگر وہ اسے پکڑنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ حسن مراد اپنی کرسی کی جانب بڑھا اور آگے جھکتے ہوئے بیٹھ گیا۔ وہ اس عجیب سی کشمکش کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ سامنے زمین پر قانون کی موٹی موٹی کتابیں بکھری پڑی تھیں اور الماری منہ کے بل زمین بوس تھی۔ انہیں سمیٹنے کے بجائے حسن مراد ان دونوں سے حالات کی اصلیت جاننے کا خواہشمند دکھائی دیا۔ اس نے ایک بار بھرپور نگاہوں سے لڑکی کے سراپے کا جائزہ لیا۔ وہ غیر معمولی طور پر خوبصورت تھی۔ اس کے نین نقش واقعی مقامی نہیں تھے اور لباس بھی غالباً عربوں یا مصریوں جیسا دکھائی دیا۔ وہ ان دونوں کی جانب متجسسانہ انداز میں دیکھنے لگا جو اس کے وجود سے بے خبر ایک دوسرے کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھنے میں مگن تھے۔

''تم میری تصویر ہو!..... پھر کیوں مجھ سے یوں بھاگ رہی ہو۔'' سیف اللہ خان کے لہجے میں یاس و بے چارگی چھا گئی۔ اس کی آنکھیں بوجھل بوجھل سی اور چہرہ ستا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنے رومال کی مدد سے سر سے نکلنے والے خون کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

اچانک ایک نقرئی کھنکتی ہنسی نے کمرے کی فضا میں پُراسراریت بڑھا دی۔ حسن مراد کو یوں لگا کہ جیسے کمرے میں مندر کی ننھی ننھی گھنٹیوں کے ساز چھڑ گئے ہوں۔ وہ چونک کر اس ماہ جبیں کی جانب دیکھنے لگا جس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کے لب ہلے تو یوں لگا جیسے کمرے کے در و دیوار میں پانی کا جھرنا بہنے لگا ہو۔ سیف اللہ کی حالت آہستہ آہستہ بگڑ رہی تھی اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں تمہاری ملکیت نہیں ہوں اور میں اب جا رہی ہوں۔ تم مجھے کبھی نہیں پا سکو گے!''

اس حسین و جمیل دوشیزہ کے لب پہلی بار ہلے۔ اس کی آواز میں جانے کیسا جادو تھا کہ حسن مراد بھی ایک لمحے کے لئے کھا سا گیا۔ سیف اللہ خان کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آہ نکلی اس نے اُٹھنا چاہا مگر سر میں اُٹھنے والے ایک شدید چکر نے اسے واپس بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لڑکی بڑی متانت سے اُٹھی اور بیرونی دروازے کی جانب بڑھی۔

حسن مراد ہکا بکا کھڑا ان دونوں کی گفتگو کو کوئی معنی پہنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا اس کی آنکھوں کے سامنے ایک نیا اسرار کھلنے لگا۔ منکشف ہونے والی نئی حقیقت نے اسے خوف و حیرت سے دوچار کر دیا۔

اجنبی لڑکی کا جسم دروازے کے پاس پہنچ کر ہوا میں تحلیل ہونے لگا۔ وہ ہوا کا ایک جزو بنتی جا رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان دونوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ٹھیک اسی لمحے ایک نسوانی قہقہہ کمرے میں گونجا۔ جو ان دونوں کی رُوح میں خوف کی سرد لہر دوڑاتا چلا گیا۔

حسن مراد اس پُراسراری صورتحال میں شدید اضطراب محسوس کرنے لگا جبکہ سیف اللہ خان کرسی سے ٹیک لگائے غم سے نڈھال پڑا تھا جیسے اس کی دنیا ہی لٹ گئی ہو۔ حسن مراد ابھی تک اپنے آپ کو عالم خواب میں محسوس کر رہا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنا سر جھٹکا اور سیف اللہ خان کی جانب متوجہ ہوا۔ اس کے سر سے نکلنے والا خون تو بند ہو گیا تھا مگر اس کے چہرے پر چھائی ہوئی نقاہت اب بڑھنے لگی۔

''یہ..... یہ سب کیا تھا وڑائچ صاحب؟'' حسن مراد کو اپنی آواز کانپتی محسوس ہوئی۔

''یہ وہی ہے جو تم نے دیکھا! وہ میری تصویر تھی ..... مصری تصویر!!!'' سیف اللہ خان بے بسی کے عالم میں بولا۔ ''میں اسے کھو چکا ہوں ..... میں جانتا ہوں کہ اب اسے کبھی نہیں پا سکوں گا۔ مگر میں ہمت نہیں ہاروں گا۔ میں اسے پھر تلاش کروں گا۔ وہ صرف میری ملکیت ہے..... وہ میری ملکیت ہے۔''

وہ بہکے سے انداز میں بولے جا رہا تھا۔ حسن مراد تذبذب میں مبتلا اسے دیکھنے لگا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ سیف اللہ خان اس وقت شدید صدمے کی زد میں ہے لہٰذا اس نے کوئی اور بات کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے سہارا دے کر تیزی سے دفتر سے باہر لے آیا کیونکہ اسے اس وقت طبی مدد کی سخت ضرورت دکھائی دینے لگی۔ اسی لمحے حسن مراد کو اپنا ایک موکل آتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دکھائی دیا تو حسن مراد نے اسے ٹھہرنے کے بجائے فوری طور پر سیف اللہ خان کو کسی نزدیکی کلینک پر پہنچانے کی درخواست کی۔ وہ مؤکل اس کی بگڑتی ہوئی حالت کے پیش نظر وقت ضائع کئے بغیر اسے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

سیف اللہ خان کے وہاں سے رخصت ہوتے ہی حسن مراد کے ذہن پر چھانے والی بے کلی اور بڑھ گئی۔ دفتر میں وہ واقعہ رونما ہوا تھا جس کی توقع کسی بھی ذی ہوش شخص کو نہیں ہو سکتی تھی۔ سیاہ آنکھوں والی ایک غیر معمولی حسین لڑکی کا سراپا ایک بار پھر اس کی نگاہوں کے سامنے لہرانے لگا۔

وہ کیا تھی.....؟ اس عجیب و غریب صورت حال کو حسن مراد کوئی نام نہیں دے پایا۔ سیف اللہ خان کا یہ روپ اسے بے حد انوکھا لگا، وہ شخص جس کے خوف و دبدبے سے سارا شہر پناہ مانگتا تھا۔ بڑے بڑے سیاستدان اس سے اپنے مطلب کی برآوری کے لئے ہر تحفظ دینے پر تیار رہتے، وہ ایک پراسرار لڑکی کو تصویر کا نام دے کر اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ حسن مراد کا ذہن اسی کشمکش میں ایسا بھٹکا کہ وہ اپنے تمام کام بھول گیا۔ بالآخر اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ سوچوں کے نہ رکنے والے دھارے یوں پھوٹ رہے تھے جیسے کسی نے ان کے بند میں شگاف ڈال دیا ہو۔ وہ پراسرار چہرہ ابھی تک اس کی نگاہوں میں مچل رہا تھا۔ اس نے بہتیرا اس خیال کو جھٹکنا چاہا مگر اسے اپنی ہر کوشش بے سود دکھائی دینے لگی۔

اس ہوشربا واقعہ کو گذرے پورا ایک مہینہ ہو چکا تھا لیکن حسن مراد اسے فراموش نہیں پایا تھا۔ گذرنے والے دنوں کے دوران اس نے کئی بار اس گتھی کو سلجھانے کی ناکام کوشش کی نتیجہ بے سود۔ اس نے اس واقعے کے ہر پہلو پر کڑی نگاہ سے غور کیا لیکن وہ اس سے جڑے اسرار نہیں سمجھ سکا کہ وہ لڑکی آخر کیا تھی؟..... اور کس سیارے کی مخلوق تھی؟ انسانی جسم کا ہوا تحلیل ہو جانا ہر لحاظ سے ناممکن امر تھا مگر وہ کسی سے کیا کہتا وہ سب کچھ آناً فاناً اس نگاہوں کے سامنے رونما ہوا تھا۔ تماشہ بننے کے خوف سے یہ بات وہ کسی دوسرے شخص سے بھی نہیں سکتا تھا لوگوں نے پہلے ہی اسے سنکی قرار دے رکھا تھا اب شاید پاگل سمجھنے لگتے۔

اتوار کا دن تھا۔ تمام عدالتیں بند تھیں۔ حسن مراد ایک اہم کیس کے سلسلے میں دفتر میں موجود تھا۔ صبح اس کی زندگی کے ایک نہایت اہم کیس کی تاریخ تھی۔ جس میں فیصلہ کن بحث اُسے کرنا تھی۔ وہ اس مقدمے کی فائل اپنے سامنے پھیلائے اپنے مؤکل کے حق میں دلائل تیار کرنے میں مصروف تھا۔ گرمی کچھ دنوں سے پورے جوبن پر تھی دن کا ایک بجا تھا اور باہر جھلسا دینے والی دھوپ سے ہر عام و خاص پریشان و بے بس دکھائی دیتا تھا۔ سیلنگ فین کی تیز ہوا بھی پسینہ خشک کرنے میں ناکام دکھائی دے رہی تھی۔ حسن مراد اس گرمی سے بے خبر اپنے کام میں مصروف تھا۔ اچانک دروازے پر ہلکی سی آہٹ پر وہ چونک اُٹھا۔ اس نے میکانکی انداز میں گردن اُٹھائی اور دروازے کی جانب دیکھنے لگا دروازے پر دکھائی دینے والا چہرہ لمحہ بھر کے لئے اس کے اعصاب کو مضمحل کرتا چلا گیا۔ وہ چہرہ سیف اللہ خان کا تھا۔ جو اس وقت وحشت اور پژمردگی کی تصویر دکھائی دیا۔ آبنوسی لکڑی کا ایک میلا کچیلا سا فریم اس کے گلے میں ہار کی مانند پڑا تھا۔ اس کے کپڑوں کا برا حال تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ کئی دنوں سے نہایا ہی نہیں اور اسے اپنے کپڑے میلے اور بوسیدہ ہونے کا ہوش ہی نہ رہا ہو۔ حسن مراد نے اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی تو ایک لمحے کے لئے وہ اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔ یہ وہی سیف اللہ خان تھا جس کے نام کے ڈنکے ہر سو تھے اور سیاست دان اور کالے دھندے کے بڑے تاجر اسے اپنا دایاں بازو قرار دیتے تھے۔ اب اس کی حالت زار اس تڑپتے پرندے کی سی تھی جو زخمی ہو جانے پر اکثر قدموں میں روندا جاتا ہے۔

''وڑائچ صاحب!'' حسن مراد نے حیرت سے کہا۔ ''آیئے..... تشریف لے آیئے یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' حسن مراد کرسی سے اُٹھ گیا۔

''ہمدردی کا بہت شکریہ!'' سیف اللہ خان کے پژمردہ چہرے پر بوجھل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اپنی آواز کو خوش الحان بناتا ہوا بولا۔ ''آپ اگر زیادہ مصروف نہیں تو میں کچھ وقت لینا چاہوں گا شاید آپ کو بھی اعتراض نہ ہوگا۔''

وقت کے ہاتھوں گو کہ رسی جل گئی مگر اس میں بل ابھی بھی باقی تھا۔

''آیئے بیٹھئے!'' وہ اپنے چہرے پر رسمی خوش مزاجی سجاتے ہوئے بولا۔ ''میں چاہے کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہوتا مگر آپ سے ایک بار مل کر اپنی تشنگی مٹانے کا خواہش مند ضرور تھا۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ ایک کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔ اس نے گردن اُٹھائی اور چھت کے پنکھے پر ایک یاس بھری نگاہ ڈالی جیسے اسے اس کی ناکافی ہوا پر ترس سا آ گیا ہو۔

''اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپ کی تشنگی کی تسکین کا بندوبست کر دیا ورنہ دو دن کے بعد آپ شاید ہمیشہ تشنہ ہی رہ جاتے۔'' سیف اللہ خان زبردستی ہنستا ہوا بولا اس کا چہرہ گہری اداسی کی چغلی کھانے لگا۔

''کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھا نہیں!'' حسن مراد کا چہرہ اس کی بات پر حیرت زدہ ہوگیا۔

''وکیل صاحب!'' سیف اللہ لفظ کھینچتا ہوا بولا۔ ''ہر بندے نے یہ فانی دنیا چھوڑ کر اپنے اللہ کی جانب واپس لوٹنا ہے کچھ لوگ مطمئن ہو کر مرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی دنیا و آخرت اسی دنیا میں ہی پالی۔ کچھ لوگوں کے سینے پر گناہوں اور دکھوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ وہ بڑی تکلیف و حسرت سے موت کا سامنا کرتے ہیں۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ٹھیک دو دن بعد میں اس دنیا میں نہیں رہوں گا۔ میں ساری دنیا کو نگنی کا ناچ نچا سکتا ہوں مگر اپنی زندگی کو بچانے کے لئے ناقابل تسخیر موت کے سامنے بے بس ہوں۔''

حسن مراد کا رنگ فق ہوگیا گو کہ وہ بڑے مضبوط اعصاب کا مالک تھا اور توہمات کا بھی قائل نہیں تھا مگر اُس شب جو کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا، اس کے بعد وہ کسی بھی بات کو جو کہ خصوصاً سیف اللہ خان سے منسوب ہوتی۔ اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کو تیار دکھائی دے رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں سیف اللہ خان بھی اس پراسرار دوشیزہ کی طرح آج ہوا میں تحلیل نہ ہو جائے۔

''یہ آپ کیسی مایوسی والی باتیں کر رہے ہیں۔'' حسن مراد بمشکل بولا۔

''یہ مایوسی نہیں، اٹل حقیقت ہے جس سے میں فرار نہیں پا سکتا۔'' سیف اللہ خان کی آواز میں عجیب سا درد ابھر آیا جس پر حسن مراد بے چین ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ سیف اللہ خان کے چہرے پر دھوپ کی تمازت کے اثرات دھیرے دھیرے کم ہونے لگے۔ ستا ہوا سرخ چہرہ اب قدرے اعتدال پر آ چکا تھا۔ اسی لمحے دفتر کا ملازم اندر آیا اور شربت کے دو ٹھنڈے گلاس میز پر رکھ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ گلاس کی بیرونی سطح پر موجود پانی کے ننھے منے قطرے کسی بھی پیاسے شخص کی پیاس کو بھڑکا دیتے مگر سیف اللہ کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہ ابھرا۔ حسن

مراد نے اسے شربت لینے کے لئے کہا۔ اس نے خاموشی سے شربت کا گلاس اُٹھایا اور چسکیاں لینے لگا۔ حسن مراد اس کی جانب الجھی نگاہوں سے مسلسل دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے کل کے انتہائی اہم مقدمے کو بھی فراموش کر بیٹھا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔ حسن مراد کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید سیف اللہ خان یہاں صرف اس مقصد سے آیا ہے کہ وہ کوئی خاص بات وصیت کرنا چاہتا ہے اور اپنی پُراسرار زندگی کے بارے میں اپنا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے۔

''غالباً آپ کچھ کہہ رہے تھے؟''..... حسن مراد نے خاموشی کو توڑا۔

''وکیل صاحب!'' سیف اللہ گہری سانس لے کر بولا۔ ''میری بات شاید کچھ لمبی ہو جائے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

''نن..... نہیں تو!..... آپ بلا توقف اپنی بات جاری رکھ سکتے ہیں مجھے آپ کی باتیں سن کر خوشی ہوگی کیونکہ اس دن سے جڑے کئی سوالات میرے ذہن پر بار بار دستک دے رہے ہیں۔'' حسن مراد جلدی سے بولا۔

''وکیل صاحب!'' سیف اللہ خان بے بسی کے عالم میں بولا۔ ''جانے کیوں آپ مجھے پہلی ہی نظر میں اپنے سے کیوں لگے ہیں کہ آپ کے سامنے دل کھول دینے کو من چاہ رہا ہے۔ میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں یہ شاید آپ جانتے ہوں گے مگر میں پیدائشی برا نہیں ہوں وقت نے ہی مجھے اس منجدھار پر لا کھڑا کیا۔ میں اندرون شہر میں پیدا ہوا۔ میرے ماں باپ نے دوسرے بچوں کی طرح میرے ناز نخرے اُٹھائے، ان کے دل میں جانے کیا کیا امیدیں مجھ سے وابستہ تھیں؟ انہوں نے مجھے پڑھایا لکھایا۔ کالج تک پہنچا دیا مگر شومئی قسمت کہ میں بناوٹ و تصنع کی ہوس میں کہیں سے کہیں نکل گیا۔ کالج میں طلباء کی تنظیم میں شامل ہوا تو میرے جوش خروش میں مزید اضافہ ہوا۔ اس نام نہاد تنظیم نے میری بے خوفی اور دلیری کا خوب فائدہ اُٹھایا اور مجھے وہ بنا دیا جس کا وہم و گمان بھی میرے دل میں کبھی نہیں آیا تھا۔ میں لالچ میں ایسا گرفتار ہوا کہ پھر جرائم میرے ہاتھوں پر کھیلنے لگے اور وقت کی رفتار سے کہیں زیادہ تیزی سے میں گناہوں کی اس دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ ہنگامے، مار پیٹ، چوریاں، اغوا برائے تاوان، اور پتہ نہیں کیا کچھ۔ میرے ہاتھوں سے سرزد ہوتا چلا گیا۔ میری شہرت نے بڑے لوگوں میں چرچا کیا اور میں حکومتی سطح کا غنڈہ بن کر ابھرا۔ بدکردار سیاست دان اپنے ناجائز کاموں کے لئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میرا ہلا دریغ استعمال کرنے لگے، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ملک میں مارشل لاء لگنے پر میری فائل فوج کے سامنے کھل گئی اور میں ان کی نگاہ میں اشتہاری مجرم بن گیا۔ وہ مجھے تلاش کرنے لگے۔ وقت شاید میرے ساتھ تھا کہ مجھے بروقت پتہ لگ گیا اور میں اپنے خاص ذرائع سے ملک سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر وہ کامیابی درحقیقت میری تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ جس نے مجھے آج اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔''

سیف اللہ خان بولتے بولتے رک گیا۔ کھانسی کا مختصر سا دورہ اسے بات جاری رکھنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ حسن مراد نے پانی کا گلاس بھر کر اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے شکریے کے ساتھ وہ گلاس لے لیا اور بڑے بڑے گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔ جب اس کی حالت کچھ بحال ہوئی تو وہ مضمحل لہجے میں دوبارہ بولا۔

''میں نہیں جانتا تھا کہ ایک کے بعد ایک وقوع پذیر ہونے والے متحیر کن واقعات میری موت کو یوں وقت سے پہلے ہی میرے سامنے لا کھڑا کریں گے۔ سیف اللہ خان وڑائچ! .....جس نام سے لوگ خوف زدہ ہوجاتے اور کن ٹٹے بھی گھبرانے لگتے ہیں۔ وہ بے رحم وقت کے ہاتھوں بے بس اور مجبور ہوجائے گا۔ ممکن ہے کہ آپ کو میری موجودہ حالت دیکھ کر گہرا جھٹکا لگا ہو کہ ایک ماہ پیشتر آنے والا یہ شخص آج کل کس بدحالی کا شکار ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اس مصری تصویر نے ہی مجھے اس حالت تک پہنچایا ہے۔''

مصری تصویر کا ذکر جونہی اس کے لبوں پر آیا حسن مراد کو اپنے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ اس کے چہرے کے سامنے اس حسین وجمیل ہوشربا دوشیزہ کا چہرہ ابھر آیا جو پل بھر کے لئے اس کے سامنے آئی اور پھر اس کی زندگی کے سکون کو تہہ وبالا کرتی ہوئی وقت کے دھارے میں ایسے گم ہوئی کہ اس کا کوئی نام ونشان تک حسن مراد کو نہیں مل سکا۔

''وڑائچ صاحب!'' حسن مراد بے تابی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔ ''آپ اسے تصویر کیوں کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ زندہ سلامت، گوشت پوست کی بنی ہوئی حسن کی لاجواب کرشمہ ساز عورت تھی۔ میں اس دن بھی آپ کی بات سمجھ نہیں سکا۔''

''وکیل صاحب!'' سیف اللہ خان پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔ ''جب آپ حقیقت

جان جائیں گے تو آپ بھی یہی کہیں گے وہ واقعی تصویر ہی ہے۔ ایک ایسی شاہکار تصویر جسے میں نے چرایا مگر وہ میری بھی نہ بن سکی۔ میں جو کچھ سنانے جا رہا ہوں اس پر شاید ہی کوئی ذی شعور اعتبار کرے۔ کیونکہ وہ سب کچھ ایسا ہے جس پر میں خود بھی ایک وقت انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ میں اپنے دوستوں کی مدد سے مارشل لاء کے نفاذ پر فوج سے چھپتا چھپاتا ملک سے فرار ہوکر انگلینڈ جا پہنچا۔ وہاں مجھے ایک چھوٹی سی درخواست پر سیاسی پناہ حاصل ہوگئی۔

وہ کیا دن تھے؟ خوشی، موج میلہ اور ہر غم سے خلاصی۔ جانے کس کی نظر ان دنوں کو کھا گئی۔ ایک رات میں ٹرین کے ذریعے لندن سے باہر برسلز جا رہا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی مجھے مسلسل گھورے جا رہا ہے۔ میں نے اس جانب غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بوڑھا شخص تھا جو مجھے بڑی دلچسپی سے دیکھنے میں مشغول تھا۔ میں نے اس خیال کو ذہن سے ہٹاتے ہوئے کھڑکی سے باہر توجہ مبذول کرلی تو اس نے مجھے مخاطب کیا۔

''تم ایک عجیب وغریب نوجوان ہو!''

میں اس کی بات سن کر محض مسکرا کر رہ گیا۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر اس بوڑھے نے ایک بار پھر اپنا جملہ دوہرایا۔ میں اس بار بھی فقط مسکرا کر رہ گیا۔ ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ شاید ایشیائی ہونے کی نسبت سے وہ مجھے ایسا کہہ رہا ہے۔ اسی طرح کچھ دیر پھر خاموشی طاری رہی۔ میں اس دوران اس بات کو ذہن سے فراموش کر چکا تھا کہ اس بوڑھے نے تیسری بار پھر اپنا جملہ دوہرایا۔ جس پر مجھے یوں لگا کہ شاید وہ میری مضحکہ اڑانے پر آمادہ ہے۔ میں نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ کر زبردستی مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجائی۔ میں اب اس سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں تو خیر اتنا عجیب وغریب نہیں ہوں جتنا کہ وہ خود دکھائی دے رہا تھا لیکن یہ بات میں نے محض اس لئے نہیں کی کہ میں پردیس میں ہوں یہ ملک میرا نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ معاملہ مجھے اپنے وطن میں پیش آیا ہوتا تو اتنی دیر تک وہ شاید ٹرین سے باہر ہوتا۔

''نوجوان! تم میری مشکل حل کر سکتے ہو؟''

بوڑھا گویا میرے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جان بوجھ کر جاری رکھنے پر بضد دکھائی دیا اگرچہ اس وقت میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھی اور میں سونے کی تیاری میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مصروف تھا مگر اس کی اس چھیڑ چھاڑ نے نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور کردی۔ اس بوڑھے نے اپنے تھرماس سے گرم گرم کافی ایک مگ میں انڈیل کر میرے سامنے کردی۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اخلاقاً وہ مگ تھام لیا۔ بحالت مجبوری مجھے اس کی بے سروپا باتیں سننا تھیں۔ جن کے لئے میں اب خود کو تیار کرنے لگا۔ اس وقت میرا ذاتی خیال یہ تھا کہ وہ بوڑھا اپنی جوانی کے رنگین قصے سنا کر مجھے بور کرے گا یا پھر اپنی جائیداد اور امارت کی باتیں کر کے مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایک تیسرا موضوع بھی ان دنوں زیر بحث تھا۔ جس سے مجھے یہاں آتے ہی سخت نفرت ہوگئی۔ وہ نوجوانوں میں منشیات کی لعنت کے بارے میں تھا۔ وہاں کے لوگوں کے پاس اس موضوع پر کہنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ وہ جب بولنے پر آتے تو بلا تکان بولتے چلے جاتے۔ دوسرا چاہے بور کیوں نہ ہو رہا ہو۔ میں نے بوڑھے کے ساتھ بیٹھی نوجوان دوشیزہ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ اس کے چہرے پر دلکشی کے ساتھ ساتھ حد سے زیادہ سپیدی کے باعث چٹاخ سے پڑے تھے۔ اچانک اس دوشیزہ نے بوڑھے سے نظر بچا کر مجھے ایک اشارہ کیا جس پر میں چونک پڑا۔ اس نے کنپٹی کے پاس اپنی انگشت شہادت گھما ڈالی۔ جس پر میں سمجھ گیا کہ وہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ یہ بوڑھا سنکی اور پاگل ہے۔ میں اس کی باتوں پر دھیان نہ دوں۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا میں اس بوڑھے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم کوئی معمولی لڑکے نہیں ہو، بہت عجیب وغریب ہو ویسے میں بھی چھوٹے اور معمولی لوگوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتا ہوں۔'' بوڑھا مسافر بلا تکلف بولتا چلا گیا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ الفاظ محض مجھے چڑانے کے لئے ادا کئے گئے تھے کیونکہ میں انسانی کیفیات کے علم سے بھی تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوں مگر میں اس سے پیشتر ہی ہمہ تن گوش تھا۔

''میں بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ میں ایک ریٹائرڈ پائلٹ ہوں۔'' بوڑھے کا سینہ فخر سے پھول گیا تھا۔ اس بات پر میں نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی نوجوان لڑکی کی جانب دیکھا جس کا سر اثبات میں ہل رہا تھا۔ میری یہ حرکت شاید بوڑھے کو ناگوار گزری اور اسے غصہ آ گیا۔

''تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو! ٹھہرو میں تمہیں ثبوت دکھاتا ہوں۔'' وہ غصے سے لال پیلا ہوتا

ہوا بولا۔ پھر میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ زبردستی پر اُتر آیا۔ اس نے پھرتی سے نشست کے نیچے رکھا ہوا اٹیچی کیس کھولا اور ایک سبز رنگ کی فائل نکالی۔ ایک جھٹکے سے وہ فائل میری جھولی میں آ گری۔ وہ فائل غالباً وہ ہر وقت اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔ اس فائل میں اس کے پائلٹ ہونے کے لاتعداد ثبوت موجود تھے۔ جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ جنگ عظیم دوم میں رائل ایئر فورس کا ایک شاندار پائلٹ تھا۔ اس کی اس حرکت سے میں شرمندہ سا ہوگیا۔

''اس وقت آپ کی عمر کیا ہوگی؟''..... میں نے وہ فائل اس کی جانب لوٹاتے ہوئے سوال کیا۔ میں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا کہ وہ اسّی سال کے لگ بھگ ہے میں نے اپنی خجالت مٹانے کے لئے یونہی سوال داغا۔

''نوجوان! میں ایک سو پانچ سال کا ہو چکا ہوں اور میرا ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' یہ بات شاید اس بوڑھے نے مذاق میں کہی تھی کیونکہ اس بات پر وہ نوجوان لڑکی قہقہہ لگا کر ہنسی تھی مگر جانے اس بوڑھے پائلٹ کی آنکھوں میں کیا تھا؟ میں اس لڑکی کے قہقہے میں شریک نہیں ہو سکا۔

''تمہیں ہنسی کیوں نہیں آئی؟''..... بوڑھے کی آنکھوں میں گہرا تعجب پھیل گیا۔ ''کیا ابھی میرے مرنے کی عمر نہیں ہے یا مجھے موت نہیں آنی چاہئے؟''..... میں اس نئی بات پر قریباً بوکھلا گیا۔ یہ کیسا عجیب آدمی ہے کہ نہ مرنے دیتا ہے اور نہ ہی جینے۔ میری خاموشی پر اس نے اکتفا نہیں کیا بات کو خود ہی آگے بڑھایا۔

''نوجوان! کچھ نہ کچھ کہو۔ یوں خاموش مت بیٹھو۔ میرا اندازہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا کہ تم یقیناً عجیب وغریب اور پُراسرار لڑکے ہو۔'' بوڑھے کے چہرے پر اب مسکراہٹ رقصاں تھی لیکن اب مجھے بھرپور اندازہ ہوگیا کہ اس کی اس مسکراہٹ کے عقب میں گہری سنجیدگی پوشیدہ ہے۔

''شاید آپ کو موت سے کچھ خوف ہے۔ اسی لئے آپ ابھی مرنا نہیں چاہتے ہیں۔'' میں نے بہت سوچ سمجھ کر بظاہر یہ بات مذاق میں ہی کہی کیونکہ میں اب اس سنکی بوڑھے سے لطف اندوز ہونے کے موڈ میں تھا۔

''واہ..... واہ! کیا زبردست بات کہی تم نے.....!'' وہ بوڑھا گویا میری بات پر اچھل پڑا میں اس کی یہ حالت دیکھ کر مزید پریشان سا ہوگیا۔ میرے دل میں کچھ خوف سا پیدا ہونے لگا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب میں وہاں سے اُٹھ جانا چاہتا تھا مگر کسی نادیدہ طاقت نے میرے قدم جکڑ لیے۔ میں وہاں سے اُٹھ ہی نہیں پایا۔ مجھے اب یوں محسوس ہونے لگا کہ میں کسی پاگل کے ہتھے چڑھ گیا ہوں۔

''تمہارے اس عمدہ خیال پر میں تمہیں ایک سگریٹ پیش کرتا ہوں اور اس پرمسرت موقعہ پر خود بھی پیوں گا حالانکہ مجھے میرے معالج نے سختی سے منع کیا ہے کہ سگریٹ نوشی میری صحت کے لئے بے حد مضر ہے۔'' اس بوڑھے نے دو قیمتی سگریٹ نکال کر خود ہی سلگائے اور ان میں سے ایک میری جانب بڑھا دیا۔ میں اس وقت واقعی سگریٹ کی سخت ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے سگریٹ اس کے ہاتھوں سے لیا اور دھیرے دھیرے کش لگانے لگا۔ انجانے خوف کے احساس کو میں نے دھویں کے مرغولوں میں اُڑا دینا چاہا۔

''موت بڑی عجیب چیز ہے!''..... وہ بوڑھا قدرے توقف سے بولا۔ ''یہ کبھی بغیر بلائے ہی چلی آتی ہے اور کبھی لاکھ تمنا کرنے پر بھی نہیں آتی۔'' بوڑھے نے پہلو میں بیٹھی ہوئی لڑکی کے چہرے پر دھواں پھینکتے ہوئے کہا۔ جو دھواں ہاتھ سے ادھر اُدھر جھلانے لگی۔

''کیوں جینوفر!..... تم اور تمہارے پاپا دن رات یہی دعائیں نہیں مانگتے کہ تمہارا یہ بڈھا کھوسٹ دادا مر جائے اور تم اس کی دولت پر قبضہ جما کر عیش کرو.....؟'' بوڑھے کا ہدف اب وہ لڑکی تھی۔ مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ اس کا نام جینوفر ہے اور وہ اس سنکی بوڑھے کی پوتی ہے۔ جینوفر نے بوڑھے کی بات کا اتنا برا نہیں منایا جتنا کہ وہ سگریٹ کے کثیف دھویں سے ناگواری کا اظہار کر رہی تھی۔ وہ اپنی سیٹ سے اُٹھ کر دوسری خالی جگہ پر جا بیٹھی جو کہ وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر اسے دکھائی دی۔ بوڑھا مسافر بھی شاید یہی چاہتا تھا کہ جینوفر ہمارے درمیان سے اُٹھ جائے۔ اس نے مسکرا کر میری جانب معنی خیز انداز میں دیکھا۔

اگرچہ ٹرین کے شور اور مسافروں کی موجودگی میں زندگی و موت کے اسرار کا موضوع اتنا خوفناک نہیں تھا مگر میں اپنی رگ و پے میں سنسنی سی محسوس کرنے لگا۔ بوڑھا اب اپنی سیٹ سے اُٹھ کر میرے پہلو میں آ بیٹھا۔ میں نے اپنے اطراف میں نگاہ ڈالی۔ بیشتر مسافر سو چکے تھے اور جو جاگ رہے تھے وہ شاید سونے کی تیاری میں مصروف تھے۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں نہیں مرنا چاہتا؟''..... بوڑھے نے میرے کان کے پاس اپنا منہ لا کر ننھی سی سرگوشی کی۔ یہ سوال کرتے ہوئے اس کی آنکھیں کچھ ضرورت سے زیادہ

ہی پھیل گئی تھیں۔ میں خوفزدہ ہو کر کچھ پیچھے ہٹ گیا۔ اپنی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے میں نے جینوفر کی جانب دیکھا جو کہ نیم وا آنکھوں سے میری ہی جانب دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس کی موجودگی کا احساس ہونے پر کچھ ڈھارس بندھی۔ میرا کھویا ہوا اعتماد تیزی سے بحال ہونے لگا۔

''کوئی شخص بھی نہیں مرنا چاہتا کیونکہ ہر کوئی جینے کی حسرت اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے زندگی ایک ایسا تحفہ ہے جسے پا کر جانور بھی خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ انسان تو پھر انسان ہے۔'' میں نے سادہ سا جواب دیا۔

''میں موت سے قطعی نہیں ڈرتا!''..... بوڑھے نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے میرے گھٹنے پر زور سے ہاتھ مارا۔ میں اس غیر معمولی تکلیف پر محض تلملا کر رہ گیا۔ پھر گویا وہ سرگوشی کرتا ہوا مجھ سے دوبارہ مخاطب ہوا۔ ''میں مرنے سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ مرنے کے بعد میری روح کو آگ کی بڑی بڑی بھٹیوں میں ڈال دیا جائے گا جسے تم لوگ جہنم کا نام دیتے ہو۔''

اس کی بات سن کر میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان تیرنے لگی۔ دل و دماغ پر چھائے ہوئے خوف کے بادل یکدم چھٹ سے گئے۔

''یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جنت اور جہنم انسان کی اختیاری چیزیں نہیں ہیں۔ انسان ساری عمر عبادت و ریاضت میں گذارنے کے باوجود بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ جنت میں ہی جائے گا اور نہ ہی کوئی گنہگار آدمی یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ وہ واقعی جہنم کا ایندھن ہی بنے گا..... کیونکہ ممکن ہے کہ رب کائنات کو اس بندے کی کوئی نیکی پسند آ جائے جس کے بدلے میں وہ اسے جنت میں داخل کر دے۔ ویسے بھی مایوسی کفر کے زمرے میں آتی ہے۔'' میں اب کچھ کچھ اس کی رمز کو جان چکا تھا کہ وہ آخرت کے خوف میں مبتلا ہے۔ میں نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں مایوسی کی حالت میں نہیں ہوں! مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ مرنے کے بعد مجھے جہنم کی نذر ہی کیا جائے گا۔''..... بوڑھے کی سرگوشی ٹرین کے شور اور رات کے سناٹے کے ساتھ مل کر عجیب و غریب صورت حال پیدا کرنے لگی۔ وہ خوف جسے میں چند لمحے فراموش کر چکا تھا ایک بار پھر میرے دل و دماغ پر حاوی ہونے لگا۔ میں نے اسے جھٹکنے کی ناکام سی کوشش

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی۔

''ایسا مت سوچئے! ممکن ہے کہ آپ نے کوئی ایسی نیکی کی ہو جو آپ کی نجات کا باعث بن جائے۔ ویسے بھی آپ چہرے سے اتنے گنہگار نہیں دکھائی دیتے۔'' آخری جملہ میں نے اپنے اندرونی خوف کو کم کرنے کے لئے کہا تھا۔

''بس اسی لئے تو میں نہیں مرنا چاہتا..... کیونکہ مجھے یقین ہے کہ مرتے ہی مجھے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' بوڑھا چند لمحوں تک خاموش رہ کر گویا سنسنی پیدا کرنا چاہ رہا تھا اور شاید وہ اس میں کامیاب بھی تھا۔ ''کیا تم یہ نہیں پوچھو گے کہ میں اتنا ناامید کیوں ہوں؟'' میں بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا جیسے مجھے خود بھی اسی وضاحت کی ضرورت تھی۔ اس نے چند لمحے میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھا اور پھر خود ہی بول پڑا۔

''میں ایک قاتل ہوں.....!'' یہ بات کہہ کر وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے اس انداز نے مجھے اتنا بے چین کر دیا کہ مجھے تازہ سگریٹ سلگانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس مرتبہ اس کی خاموشی نے ہمارے درمیان ماحول کو واقعی پراسرار سا بنا دیا۔ مجھے چند لمحے یوں لگا کہ جیسے وہ بوڑھا کوئی پراسرار شخص رہا ہو اور میں بھی اس کی اسرار بھری کہانی کا کوئی کردار بننے جا رہا ہوں۔ میں نے ایک بار پھر جینوفر کی جانب نگاہ ڈالی وہ آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھی۔ میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ واقعی سو رہی تھی یا پھر ہماری باتیں آنکھیں بند کئے سن رہی تھی۔

''میں نے کم و بیش دس لاکھ افراد کا قتل کیا ہے۔'' بوڑھے نے یکبارگی کہا۔ اس کی بات سن کر میرے لبوں سے سکون کا ایک طویل سانس خارج ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میرے پھیپھڑوں میں پھنسا ہوا خوف کا گولہ بھی باہر نکل پڑا۔

''یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ یہ تمام قتل آپ نے یقیناً جنگ عظیم دوم کے دوران کئے ہوں گے.....؟'' میں نے سکون کے ساتھ سگریٹ کا ایک کش لگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام قتل میں نے جنگ کے دوران ہی کئے ہیں مگر قتل خواہ میدان جنگ میں ہو یا حالت امن میں۔ بہرحال قتل..... قتل ہی ہوتا ہے۔ انسانی خون ہر حالت میں خون ہی ہوتا ہے اور یہی خون اب مجھے رات بھر سونے نہیں دیتے۔ بلکہ یوں کہو کہ مجھے مرنے بھی نہیں دیتے۔'' بوڑھے نے اپنی افسردگی کو دور کرنے کے لئے نئی سگریٹ

سلگائی۔

''محترم! آپ خواہ مخواہ وہم کا شکار ہو رہے ہیں۔ دوران جنگ آپ نے اپنی ڈیوٹی کے دوران جو کچھ بھی کیا ہے اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا کیونکہ جنگ اور محبت میں سب جائز ہوتا ہے۔'' میں نے اپنے طور پر اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ مجھے اب اس کی حالت پر ترس آنے لگا۔ وہ احساس جرم کی شدت کا شکار ہو چکا تھا۔

''تم غلط کہتے ہو.....!'' وہ بوڑھا برا سا منہ بنا کر بولا۔ ''جنگ تو سرے سے ہی ناجائز ہے جنگ تو ہونی ہی نہیں چاہئے اور ہو تو کسی بڑے مقصد کے لئے مثلاً مذہب کی سربلندی کے لئے یا انسانی شعور کی ترقی کے لئے، جہالت کو مٹانے کے لئے۔ ان جنگوں کے بارے میں تم شاید یہ کہہ سکتے ہو کہ ان میں ہونے والے قتلوں اور ہلاکتوں کے بارے میں کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ مگر بے مقصد جنگوں میں جو کہ سرحدوں کی ترقی کے لئے لڑی جاتی ہیں۔ ان کا تو بہر حال حساب کتاب ہوگا کیونکہ جنگ میں صرف سپاہی ہی نہیں مارے جاتے بلکہ بے گناہ لوگوں بھی زد میں آجاتے ہیں۔ جن کا اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ تم نے اگر فرانس کی تباہی دیکھی ہوتی تو یہ بات ہرگز نہیں کہتے۔ جرمنی کے جہاز جس خوفناک انداز میں بمباری کرتے تھے اگر تم وہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو تمہاری روح تک کانپ جاتی۔ تم یہ بات سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیا ان سینکڑوں بلکہ ہزاروں، لاکھوں افراد کا خون کوئی معنی نہیں رکھتا؟ .....کیا مرتے وقت ان بے گناہوں اور معصوم شہریوں میں سے عورتیں، بچے اور بوڑھے افراد ان جرمن پائلٹوں کو بددعائیں نہیں دیتے ہوں گے۔''

''شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں!''..... بوڑھے مسافر کی سنجیدگی کا جواب میں نے بھی سنجیدگی سے ہی دیا اس کی باتوں نے میرے ضمیر کے در و دیوار ہلا کر رکھ دیئے کیونکہ میں بھی تو ایک ایسا ہی مجرم ہوں۔ صرف اپنی ذات کا ہی نہیں بلکہ پوری قوم کا مجرم ہوں جسے جانے کتنے لوگ تڑپ کر، سسک سسک کر بددعائیں دیتے ہوں گے۔ ''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ.....!'' میں نے کچھ بولنا چاہا تھا کہ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا۔

''نہیں..... تم کچھ مت کہو!''..... وہ تیزی سے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ میں یہاں سے مر کر سیدھا جہنم میں جاؤں گا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ میں کس قدر خوفناک پائلٹ ہوا کرتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا۔ میرا نام اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ مجھے بے حد اہم ترین موقعوں پر استعمال کیا جاتا تھا۔'' بوڑھا آہستہ آہستہ اپنے ماضی کی جانب لوٹنے لگا۔

''میں اپنے دشمنوں پر اس طرح جھپٹتا جیسے عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ میں جرمن جہازوں کا بدترین دشمن تھا۔ میرے جہاز کی شکل دیکھتے ہی جرمن چوہوں کی طرح واپسی کا راستہ تلاش کیا کرتے لیکن میں جرمن جہازوں کو دیکھ کر باؤلا سا ہو جاتا اور ان کے تعاقب میں اکثر ڈینجر زون میں جا پہنچتا بالآخر انہیں گرا کر ہی دم لیتا اور پھر واپس لوٹ آتا۔ تم شاید یقین نہیں کرو گے کہ میں کبھی بھی دشمن کے علاقے سے زک اُٹھا کر نہیں لوٹا۔''

بوڑھے کی گفتگو ابھی جاری تھی لیکن میری آنکھوں میں بے یقینی کے آثار دیکھ کر وہ ایک بار پھر جذباتی سا ہو گیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنا اٹیچی کیس کھولا اور اس میں سے ایک چھوٹی سی البم برآمد کی۔ البم کا ہر صفحہ گویا بوڑھے کے دعویٰ کا بین ثبوت تھا۔ ہر تصویر میں وہ نمایاں تھا۔ کئی ایک تصویریں جہاز کے پس منظر میں تھیں۔ دو تین تصاویر میں وہ کھلے کاک پٹ کے اندر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ میری آنکھوں میں یقین کے سائے لرزتے دیکھ کر وہ ایک بار پھر ہولے سے آگے بڑھ آیا۔ اس مرتبہ اس کی آواز کافی دھیمی تھی۔ وہ سرگوشی نما انداز میں بول رہا تھا۔ جیسے وہ اپنی زندگی کا نہایت اہم راز مجھے بتا رہا ہو۔

''اس وقت میری عمر تیس سال تھی۔ میرا خون بڑا گرم اور جوشیلا تھا۔ بعض اوقات تو مجھ پر اس قدر جنون سوار ہو جاتا کہ میں اپنے ہی ساتھیوں کے جہازوں پر بمباری کر کے تباہ کر دیا کرتا۔ یہ سب میں انگلینڈ کی سرحدوں سے بہت دور کیا کرتا تھا۔ تم جانتے ہو کہ جنگ عظیم دوم میں اتنے طاقتور ریڈار نہیں تھے جو ہر پل اور ہر لمحہ جہازوں کو نگاہ میں رکھ سکتے۔ میں یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور پل جھپکتے ہی کیا کرتا کہ میرے ساتھی پائلٹوں کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ ان کے جہاز پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی اور یہ کہ بمباری کا ذمہ دار خود رائل فورس کا ہی ایک پائلٹ ہو سکتا ہے۔ میں کسی کو بھی اس بات کی مہلت ہی نہیں دیتا کہ وہ اپنے مرکز تک کسی قسم کی اطلاع پہنچا سکے..... میں ان دنوں جنگی جنون کا شکار ہو چکا تھا۔ بالکل ایسی ہی صورت ہوتی ہے جیسے ایک انسان ایک قتل کے بعد مزید قتل پہ قتل کرتا چلا جاتا ہے اور ہر بار نئے قتل پر وہ اپنے اندر ایک کیف و سرور محسوس کرتا ہے۔ ایسے قاتل کی حیوانی جبلت مزید بیدار ہو جاتی ہے اور وہ قتل

کر کے ایک نئی خوشی محسوس کرتا ہے۔''

بوڑھا یہ کہہ کر میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا مجھے ایک پھر خوف نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ بوڑھا جانے کیا چاہتا تھا یا پھر شاید میں اس کا اگلا شکار بننے والا تھا۔

''کیا آپ نے ملازمت چھوڑنے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا؟''..... میری آواز میں موجود ہلکا سا ارتعاش میری حالت اس پر منکشف کرنے لگا۔ میرے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی۔

''ڈرو نہیں!''..... وہ جلدی سے بولا۔ ''مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں..... ملازمت کے بعد کیا..... میں نے جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد ہی اس سلسلے کو جبر کر کے بند کر دیا۔ ملازمت کے بعد تو میں نے کسی جانور کو بھی ہلاک کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔''

اس کے جواب نے میرے جسم کے تناؤ کو کچھ کم کیا۔ مگر میرے دل میں کئی طرح کے وسوسے ابھی تک سر اُٹھا رہے تھے۔

''اگر آپ درست کہہ رہے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ قطعی معصوم اور بے قصور ہیں۔ خدائے باری تعالیٰ اس سلسلے میں آپ سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو اس معاملے میں کسی پادری سے مشورہ کر سکتے ہیں۔'' میں نے اب اس گفتگو سے جان چھڑانے کی کوشش کی اور اپنا پہلو بچاتے ہوئے تجویز پیش کی۔

''ارے ہش!''..... وہ تیزی سے بولا۔ ''پادریوں کی بات میرے سامنے مت کرو۔ پادری تو اتنا بھی نہیں سمجھتے جتنی تم میری باتیں سمجھ رہے ہو اور پھر پادری کے روبرو میں اپنے گناہ کا اعتراف بھی نہیں کر سکتا۔ جانتے ہو اس اعتراف گناہ کے بعد وہ مجھ سے چرچ کے لئے چندہ مانگے گا اور میرے گناہوں کی تلافی کے لئے اتنا جرمانہ طلب کرے گا کہ میرا دیوالیہ نکل جائے گا۔ میں نے تم سے اس لئے مشورہ نہیں کیا کہ تم مجھے ان تاجر پادریوں کے پاس جانے کا مشورہ دو۔ یہ مشورہ تو مجھے ایک بچہ بھی دے سکتا ہے میں جانتا ہوں کہ تم ایک ذہین اور زبردست نوجوان ہو۔ تم مجھے سوچ سمجھ کر مشورہ دو کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے؟'' وہ میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا جبکہ میں اس سے دامن بچانے کی فکر میں تھا۔ کچھ ساعتوں کے توقف

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے بعد وہ پھر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم ابھی تک میرا مسئلہ نہیں سمجھ سکے ہو..... میرا اندازہ کبھی غلط نہیں ہوتا تم وہ نہیں ہو جو کہ تمہیں یہ دنیا والے سمجھتے ہیں۔''

''محترم!''..... میں نے بات کا رُخ دوسری طرف موڑتے ہوئے کہا۔ ''میں تو ابھی تک یہ بھی نہیں جانتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے؟ اور میرے اندر آپ کو ایسی کیا بات دکھائی دی کہ آپ میرے مشورے پر بضد ہیں؟'' میری بات سن کر اس نے قہقہہ لگایا۔ رات کی اس خاموشی میں ٹرین کے شور کے ہمراہ مجھے اس کا قہقہہ بے حد بھیانک لگا ایسا محسوس ہوا جیسے چمگادڑوں کے مسکن میں کسی نے اچانک تیز روشنی گرادی ہو۔ اس کے چہرے پر خباثت کی سلوٹیں مزید گہری ہوگئیں۔

''میرا نام طارنوش جیک ہے!'' وہ بے خودی کے عالم میں بول رہا تھا۔ ''میں نے بیس سال سے زائد رائل ایئر فورس میں ملازمت کی حالانکہ میں برطانوی شہری نہیں ہوں۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ تعلیم کے سلسلے میں یہاں چلا آیا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ جب مجھے ڈگری ملی تو میرے ایک دوست کی توسط مجھے رائل فورس میں ملازمت کی آفر ہوئی۔ میں نے فوری فائدہ اُٹھایا اور پھر اس دن سے یہیں کا ہوگیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اتنا کچھ ملا کہ آج میں لارڈز کی سی زندگی گذار رہا ہوں۔''

وہ اب خلا میں گھورنے لگا تھا۔ پھر نہایت پراسرار لہجے میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''تمہیں یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ میرا تعلق قدیم فراعنہ مصر سے ہے۔ میں قدیم دور کے اُن خاندانوں کا ایک ایسا چشم دید گواہ ہوں جو کئی ایسی پراسرار حقیقتوں کو اپنے سینے میں چھپائے ہیں جن سے جدید دنیا کے لوگ شاید قیامت تک واقف نہ ہوسکیں۔''

''میں ابھی تک آپ کی شخصیت کو سمجھنے میں ناکام رہا ہوں۔'' میں ایک کے بعد ایک نئے انکشاف سے خاصا پریشان ہو رہا تھا۔ شاید وہ میری اس حالت سے محظوظ بھی ہو رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں..... وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں سب کچھ سمجھ آجائے گا۔'' وہ زہریلی مسکراہٹ سے بولا۔ ''میرا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ میں نے کتنے لوگوں کو قتل کیا ہے۔ میں یہ بھی تسلیم کرنے کو تیار ہوں کہ جنگ بہرحال جنگ ہوتی ہے۔ اگر میں جرمن طیاروں پر اس وقت بمباری نہ کرتا تو وہ یقیناً مجھے مار گراتے۔ اس لئے میں اُس وقت ایک طرح سے اپنی بقا کی

جنگ لڑ رہا تھا۔ اس طرح مجھے جرمن جہازوں اور ان کے پائلٹوں کی ہلاکت کا معقول جواز مل جاتا ہے لیکن میں نے اپنے جن ساتھی پائلٹوں کو ہلاک کیا ہے وہ اب میرے لئے مسئلہ بن چکے ہیں۔ وہ میری موت کے درمیان حائل ہیں۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں؟ وہ مرے ہوئے لوگ آپ کی موت میں کیونکر حائل ہیں؟''

اب مجھے بھی اس بوڑھے طارنوش کی باتوں میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ طارنوش نے اپنے پہلو میں پڑی البم ایک بار پھر اُٹھائی اور میرے سامنے بچھاتے ہوئے ایک جگہ اپنی انگلی سے نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ یہ وہ خود ہے اس کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں سے متعارف کرانے لگا اس نے مجھے کوئی بیس ساتھیوں کے نام بتائے جو کہ اس کے جنون و درندگی کا شکار ہوئے تھے۔

''اب آپ کے ساتھ کیا مشکل ہے؟'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر سوال داغا۔

''میری مشکل یہ ہے.....!!!'' وہ بولتے بولتے رک کر میری صورت دیکھنے لگا۔ قدرے توقف سے دوبارہ بولا۔ ''نوجوان! شاید تمہیں میری بات پر اعتبار نہ آئے مگر یہ حقیقت ہے کہ سب کے سب مقتولین اب بھی مجھ سے باتیں کرتے ہیں اور مجھے جہنم میں ڈالے جانے کی پیشگی اطلاع دیتے ہیں۔ میں ہر مقتول کی آواز کو سنتا ہوں۔ ان آوازوں میں سے اسے بخوبی شناخت کرلیتا ہوں۔ کبھی مجھے میجر روڈ ہانس ڈراتا ہے تو کبھی سیکنڈ لیفٹیننٹ آرتھر گولڈ دھمکیاں دیتا ہے۔''

طارنوش کی آواز بھرا گئی۔ چہرے پر کرب کے آثار مزید گہرے ہوگئے۔ مجھے اس کی حالت پر اب بے حد ترس آنے لگا۔ اس کی آواز قدرے متوحش تھی۔ چہرے پر ان آوازوں کے تصور سے ہلکی سی زردی بھی چھا چکی تھی۔ میں اس کی بات سن کر قدرے تذبذب کا شکار ہونے لگا کہ اسے اس مشکل سے کیسے نکالوں؟ مگر کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

''تم اس تصویر کی باتیں سنو!'' بوڑھے طارنوش نے ایک تصویر البم سے نکال کر میرے ہاتھوں میں تھما دی اور غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ اسے کانوں کے پاس لیتے چلے گئے۔ میں نے جونہی تصویر اپنے کان سے لگائی تو میرے پورے بدن کو حیرت و خوف کا شدید جھٹکا لگا۔ طارنوش کی البم جو میرے گھٹنوں پر پڑی تھی، اچھل کر ٹرین کے فرش پر جا گری۔ جسے فوراً ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بوڑھے طارنوش نے اُٹھا کر واپس میری جھولی میں رکھ دیا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویر لاشعوری طور پر کان سے ہٹ چکی تھی۔ میں نے عجیب سی نگاہوں سے طارنوش کی جانب دیکھا اور دوبارہ تصویر کو اپنے کانوں سے لگا دیا۔ میں اب تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ جو کچھ میرے کانوں نے سنا تھا کیا وہ واقعی سچ تھا؟ یا پھر ماحول کی سنگینی کا باعث تھا۔ میں کوئی اندازہ نہیں کر سکا کہ میں واقعی خوفزدہ ہو گیا تھا یا نہیں۔ شاید میں اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو گیا تھا۔ اس مرتبہ بھی میرے کانوں میں بھیانک چیخوں کا مہیب شور گونجا لیکن میں اس پر ہرگز یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ایک سے زیادہ انسانوں کی چیخ و پکار محسوس ہو رہی تھی۔ شاید تصویروں کے اندر موجود پورا گروپ ہی چیخ و پکار میں مبتلا تھا۔ میں کچھ دیر تک گم صم سا بیٹھا رہا۔ شاید دو تین منٹ تک میرے لبوں سے قوت گویائی چھین لی گئی۔ اس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی میرا دل اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ واقعی یہ الم ناک چیخ و پکار ان تصویروں سے ہی برآمد ہو رہی ہے۔ میں نے غیر ارادی طور پر وہ تصویر اس بوڑھے کو واپس تھما دی۔ وہ خاموش بیٹھا میرے چہرے کے تغیرات پر غور کر رہا تھا۔

''میں ٹرین کے شور کے علاوہ کچھ نہیں سن سکا ہوں!!'' میرے لبوں سے آہستگی سے جھوٹ پھسلتا چلا گیا۔ اس نے میری جانب گھور کر دیکھا اور پھر زہرخندی سے مسکرانے لگا۔

''تم سب کچھ سن چکے ہو۔ تم بھی میری طرح ایک عجیب و غریب انسان ہو۔ تمہارے کان بھی بے حد حساس ہیں۔ تم..... تم اس تصویر کی آواز سنو۔''

اس نے البم میں سے ایک اور تصویر نکال کر میرے ہاتھوں میں تھما دی۔ میں انکار کے باوجود کچھ نہ کہہ سکا۔ اس تصویر میں ایک نوجوان پیراشوٹ سے چھلانگ لگا رہا تھا۔ میں نے مجبوراً اس تصویر کو اپنے کانوں سے لگایا۔ میرے کان ہوا کی سائیں سائیں سن رہے تھے چند لمحوں کے بعد اس شور میں ایک تیز چیخ کی آواز اپارٹمنٹ میں گونجتی چلی گئی لیکن یہ آواز خوف میں لتھڑی ہوئی چیخ نہیں بلکہ کسی ایسے شخص کی خوشی اور جوش سے سرشار تھی جس نے پہلی بار پیراشوٹ کے ذریعے بلندی سے چھلانگ لگائی ہو۔ میں اس شخص کی مسرت بھری قلقاریاں اور پیراشوٹ کے ہوا کے ساتھ پھڑ پھڑانے کی آواز کو بڑے واضح طور پر سن رہا تھا.....

''معاف کیجئے! ٹرین کے شور سے مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔'' میں نے اس سے

معذرت کی حالانکہ میرے جسم کے تمام مسامات سے خوف کے مارے پسینہ جاری ہو چکا تھا۔

''نوجوان! جھوٹ مت بولو''..... بوڑھا طارنوش غرایا۔ ''تمہاری زبان تمہاری آنکھوں کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایک سچے انسان ہو۔ تمہارے اندر جھوٹ بولنے کی صلاحیت بالکل نہیں ہے۔ تم میری مدد کرو۔ میں اب اس زندگی سے خود بھی تنگ آ گیا ہوں۔ میں اب مرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے پاس زندہ رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا۔''

آخری جملوں میں اس کا لہجہ ملتجیانہ سا ہو گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے دونوں ہاتھ اپنی بوڑھی مگر مضبوط گرفت میں لے لئے۔ اس کے ہاتھوں کی لرزش اور اس کے اندر کا خوف آہستہ آہستہ مجھے اپنے وجود میں منتقل ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ گویا میرے حلق میں ہی پھنس گئے۔ میں نے منہ میں بھر آنے والے لعاب کو نگلنا چاہا لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کانٹوں بھری گیند کو نگلنے کی سعی میں مبتلا ہوں میری اپنی حالت تو خراب تھی ہی۔ مگر اب بوڑھے طارنوش کی سسکیاں میرے کانوں کے پردوں پر ہتھوڑے چلا رہی تھیں۔ میں اس وقت کو بری طرح کوس رہا تھا کہ جب میں نے سفر کا ارادہ کیا۔

''نوجوان! تم نے میری تصویروں کی آوازیں سن لی ہیں تم واحد شخص ہو جس نے میرے کرب کو سنا اور ان خوفناک آوازوں کو محسوس کیا جو ایک طویل عرصہ سے میری زندگی کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہیں۔ ورنہ آج تک تمام لوگ مجھے پاگل اور جانے کیا کیا پکارتے رہے ہیں۔''

اس نے ہاتھ سے اپنی پوتی کی جانب اشارہ کیا جو کہ شاید اب واقعی سو رہی تھی۔

''یہ بھی مجھے پاگل سمجھتی ہے..... مگر میں پاگل نہیں ہوں، تم یقین کرو..... میں پاگل نہیں ہوں''..... وہ اب بری طرح سے رو رہا تھا۔ ''اب یہ سارے مقتولین مجھ سے اپنا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ ان تصویروں میں سے ہر وقت آگ..... آگ کی صدائیں میرے کانوں کے پردوں پر دستک دیتی ہیں۔ لو ذرا اس تصویر کی آواز سنو''..... بوڑھے طارنوش نے ایک تصویر خود ہی میرے کان کے ساتھ لگا دی۔ وہ تصویر میں کچھ ہی دیر پہلے دیکھ چکا تھا وہ ایک پرواز کرتے ہوئے لڑاکا جہاز کی تھی۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اس حرکت سے باز نہ رکھ سکا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میرے کان اب گھرر..... گھرر کی آواز سن رہے تھے۔ یہ ٹرین کا شور ہے۔ میں نے اپنی سماعت پر زور دیتے ہوئے خود کو یقین دلایا مگر نہیں یہ تو کسی جہاز کی پرواز کی آواز تھی۔ میرے اندر کے انسان نے ایک بار پھر میری بات کی نفی کی لیکن پھر اچانک گولیوں کی تڑتڑاہٹ میرے کانوں میں گونج اُٹھی۔ ٹرین کے چلنے کا شور بھی ساتھ ساتھ تھا۔

چھک چھک..... پھک پھک۔

مگر میں اب اس خیال کو خود ہی جھٹلا رہا تھا کہ بوڑھے طارنوش نے کسی ترکیب سے تصویروں میں کوئی میوزک سسٹم چھپا رکھا ہے۔ اب میں ہمہ تن گوش تھا میوزک کے اس ریکارڈ کے اندر..... وہ بھی ایک پاکٹ تصویر کے اندر میوزک اور آوازوں کا اتنا طویل ریکارڈ کیسے چھپایا جاسکتا ہے۔ اگر بالفرض محال بوڑھے طارنوش نے کسی سولر میوزک ریکارڈ کو بھی چھپایا ہے تو اس وقت اپارٹمنٹ میں نیم تاریکی تھی۔ مسافر سوتے وقت اپنی اپنی روشنیاں گل کر چکے تھے۔ چھت میں ایک ننھا سا بلب بھرپور اجالا کرنے میں ناکام تھا۔ میں اس ملگجے اندھیرے میں نہ صرف جہاز کے انجن کی بھیانک آواز سن رہا تھا بلکہ اندھیرے میں میری آنکھوں کے سامنے گویا ایک سکرین بھی نمودار ہو چکی تھی۔ میں اب وہ سب کچھ خود دیکھ رہا تھا۔ مجھے جہاز کی رفتار کا بھرپور اندازہ ہو رہا تھا۔ رائل ایئر فورس کا یہ جہاز خوفناک رفتار سے محوِ پرواز تھا۔ دور دور تک کسی دوسرے جہاز کا نام و نشان تک نہ تھا مگر اچانک ہی رائل ایئر فورس کا ایک اور جہاز جیٹ کی طرح نیچے سے اوپر آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پہلے جہاز کو جو ہر اندیشے سے بے نیاز تھا اپنی مشین گن کی زد پر رکھ لیا اس کے ساتھ ہی انجن کی آواز میں نمایاں تبدیلی ہونے لگی اور پھر میں نے اپنے چاروں جانب دھواں ہی دھواں پھیلتا ہوا محسوس کیا۔ اس کے بعد میرے کانوں میں جلتے جہاز کے پائلٹ کی ہسٹریائی چیخ و پکار گونجنے لگی۔ وہ آگ..... آگ چلا رہا تھا پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا یہ دھماکہ اس قدر شدید تھا میں اپنی سیٹ سے اچھل کر سامنے والی سیٹ سے جا ٹکرایا۔

''کیا ہوا.....؟'' میرے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی۔

''کچھ نہیں شاید کوئی اسٹیشن نزدیک آرہا ہے گاڑی نے بریک لگائے ہیں۔'' بوڑھے طارنوش نے مجھے تسلی دی۔ میں اس کی جانب آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا کہ اس نے کیا بات

کہی ہے؟ میں نے خوفزدہ ہو کر ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ تمام مسافر میری حالت سے بے خبر اپنی اپنی سیٹوں اور برتھوں پر محوِ استراحت تھے۔ میں نے خفت کے عالم میں بوڑھے طارنوش کی جانب دیکھا۔ وہ خود مجھے بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ میری نظر اس کی پوتی پر پڑی جو میرا اُڑا رنگ دیکھ کر اب قدرے مسکرا رہی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں مجھ سے یہ کہہ رہی ہوں گویا میں بھی اس کے سنکی دادا کے ہاتھوں بیوقوف بن چکا ہوں۔ میں نے جھینپ کر اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ وہ یقیناً اپنے دادا کی ان پراسرار باتوں سے واقف تھی یا پھر اسے مجھ پر رحم آگیا تھا۔ وہ اپنی سیٹ سے اُٹھی اور واپس اپنی سابقہ نشست پر بیٹھ گئی۔ اس نے تھرماس نکالا اور دو مگ گرم گرم کافی سے بھر کر ہماری جانب بڑھا دیئے۔ میں نے دل میں اس وقت گرم گرم کافی اور اس کی موجودگی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ بوڑھا طارنوش اب خاموشی سے بیٹھا کافی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''گرینڈ پاپا!'' جینوفر ایک ادا سے لچکائی۔ ''آپ ان سے اکیلے ہی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھ سے ان کا تعارف نہیں کرائیں گے؟''

''اوہ..... نہیں!''..... وہ بوڑھا طارنوش قریباً اپنی جگہ سے ایک انچ اُچھل پڑا تھا۔ کافی اس کے ہاتھوں میں سے چھلکتے چھلکتے بچی۔ ''میں بھی کیسا کھوسٹ ہو گیا ہوں کہ ابھی تک اپنے دوست کا تعارف بھی نہیں حاصل کر سکا؟'' اس کی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

''میں پاکستانی ہوں!'' میں نے موضوع کو بدلتے دیکھ کر دل میں شکر ادا کیا۔ ''اپنے ملک میں مارشل لاء کے نفاذ پر جلاوطن ہو کر یہاں چلا آیا ہوں۔ میرا تعلق ایک سیاسی جماعت سے ہے۔ چونکہ آج کل اس جماعت پر سختی کا دور دورہ ہے اسی لئے جب تک فوجی حکومت ختم نہیں ہو جائے گی میں یہیں مقیم رہوں گا۔''

''اوہ..... تم ایک سیاسی پناہ گزین ہو!'' بوڑھا طارنوش جھومتا ہوا بولا۔

''میرا خیال ہے کہ تم میرے دادا سے بچ نہیں سکتے مسٹر.....؟'' جینوفر پہلی بار میرے ساتھ براہ راست مخاطب ہوئی تھی۔

''سیف اللہ خان!'' میں جلدی سے بولا۔

جینوفر کے چہرے پر قاتلانہ مسکراہٹ سجی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تم کس اسٹیشن پر اترو گے؟'' اچانک بوڑھے طارنوش نے ہم دونوں کی گفتگو میں گہری خاموشی کے بعد دوبارہ مداخلت کی۔

''میں برسلز اتروں گا۔ وہاں میرا ایک گہرا دوست رہتا ہے۔ اسی کے پاس میرا قیام ہوگا۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اگلا اسٹیشن ہی میری منزل تھا اور مجھے اس پراسرار بوڑھے سے کم از کم نجات مل جائے گی لیکن میری بات سنتے ہی وہ بوڑھا یوں اچھلا جیسے کرسی کے نیچے کوئی اسپرنگ لگا ہو۔

''ہم لوگ بھی ..... ہماری منزل بھی برسلز ہی ہے۔'' وہ چہچہا کر بولا اور مجھے یوں لگا جیسے میرے وجود کو کسی نے اندھیری قبر میں ڈال دیا ہو۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی ایک ہلکی سی چادر پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ میں نے مترحم نگاہوں سے طارنوش کے چہرے پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ اس کا چہرہ خوشی کے ملے جلے جذبات سے روشن تھا۔

''مسٹر خان!'' بوڑھا طارنوش میرے ہاتھوں کو دباتا ہوا بولا۔ ''میں تم سے ایک ملاقات اور کرنا چاہوں گا بلکہ جب تک تم برسلز میں مقیم ہو مجھ سے روزانہ ملنا۔ جانے کیوں مجھے تمہارے ساتھ کوئی فکر کیوں باقی نہیں رہتی۔''

اس کے بعد اس نے جیب میں سے ایک چھوٹا سا نفیس وزٹنگ کارڈ نکال کر میرے ہاتھ میں زبردستی تھما دیا۔ میں اس کارڈ کو اس کی نگاہوں سے بچا کر اسی وقت ٹرین سے باہر اچھال دیتا لیکن جینوفر میری جانب مسلسل دیکھ رہی تھی۔ شاید اب اسے بھی میری حالت زار پر ترس آنے لگا تھا۔ میں نے وہ کارڈ اپنی جیب میں ڈالا۔ میں اس پراسرار بوڑھے سے دوبارہ کبھی نہیں ملنے کا خواہش مند نہیں تھا کیونکہ میں یہاں تفریح کرنے کے لئے آیا تھا۔ میں جس دوست کے پاس جا رہا تھا۔ وہ میرا کالج کا ساتھی رہ چکا تھا اسے ایک موقع ملا تو وہ انگلینڈ چلا آیا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ پاکستان رہتے ہوئے میری اس کے ساتھ خط و کتابت رہتی تھی اسی لئے میں جب سے انگلینڈ آیا تھا اکثر و بیشتر اس کے پاس چلا آتا کیونکہ اس کے ساتھ رہ کر مجھے ملک سے دوری اور غیریت کا احساس باقی نہیں رہتا تھا۔ آج دوبارہ اس کے پاس جا رہا تھا۔ پردیس میں اپنے ہی کبھی کبھی بڑا سہارا بن جاتے ہیں۔ میں اس وقت بے حد خوش ہوا جب بوڑھا طارنوش میرا پتہ لئے بغیر ہی مجھ سے رخصت ہو گیا۔

لیکن دوسری شام میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ بوڑھا طارنوش دروازے پر میرے سامنے کھڑا تھا۔ میرا دوست مجھے کسی کی آمد کی اطلاع دے کر خود تو باہر نکل گیا اور جب میں دروازے پر پہنچا تو اس خبیث کو اپنا منتظر پایا۔

طارنوش کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جیسے وہ کل سے اب تک ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سو سکا ہو۔ اس کے رخسار کی ہڈیاں ابھر کر نمایاں ہو چکی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کسی آسیب نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو۔ اس کی زرد رنگت دیکھ کر مجھے ایک لمحے کے لئے اس کی ذات پر بے حد ترس آیا مگر میں اس سے دور رہنے کا بھی خواہش مند تھا۔

''مسٹر خان.....! میں جہنم میں ڈال دیا جاؤں گا۔''

وہ میری صورت دیکھتے ہی چیخا۔ ایک لمحے کو میرے دل میں یہ آیا کہ صاف صاف کہوں میری بلا سے تم جہاں چاہے ڈالے جاؤ میں کیا کر سکتا ہوں؟ مگر مروت آڑے آ گئی میں محض خاموش رہا۔ وہ بول رہا تھا۔ ''میں دوزخ میں چلا جاؤں گا۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے تم ہی کچھ کرو۔ میرا مسئلہ حل کر دو ورنہ میں در و دیوار سے سر ٹکرانے لگوں گا۔''

وہ امید بھری نگاہوں سے بدستور مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لرزنے لگے..... موت کا خوف..... واقعی یہ خوف ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ مجھے یوں خاموش دیکھ کر وہ دوبارہ گویا ہوا۔

''خان! تم ایشیائی ہو اور میں جانتا ہوں کہ تم کیا ہو؟ تم روحوں سے باتیں کر سکتے ہو۔ تم روحوں کو اپنی مرضی کے مطابق حکم دے کر ان سے وہ کام لے سکتے ہو جو یورپ کے انسان کی نظر میں ناممکن ہیں۔ تم ہی میری آخری امید ہو!''

''محترم طارنوش!'' میں نے اپنی زبان کھولی۔ ''آپ کو شاید ایشین کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ الحمدللہ! میں مسلمان ہوں اور ہم ایسے توہمات پر قطعی یقین نہیں رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کا اشارہ ہندوؤں کی جانب ہو تو کان کھول کر سن لیجئے کہ وہ سب فراڈ اور چار سو بیسی ہے ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں آپ کے مسئلہ پر کچھ غور کرنا چاہتا ہوں آپ اندر آیئے۔ کچھ دیر بیٹھئے۔''

وہ میری دعوت پر اندر چلا آیا۔ میں نے سامنے آتشدان پر سجی ہوئی مشروبات کی بوتلوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں سے ایک اٹھائی اور کمرے کے وسط میں پڑی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ میرے بالکل سامنے موجود تھا۔ میں نے دو گلاسوں میں شربت انڈیلا۔ کچھ دیر بعد ہم دونوں خاموشی سے شربت کی چسکیاں لے رہے تھے۔ وہ شربت سے لطف اندوز ہونے کے بجائے میرے چہرے کے تغیرات میں کھویا ہوا تھا۔

''محترم طارنوش!'' میں نے شربت پیتے ہوئے ایک سوال کیا۔ ''کیا کبھی تمہارے مقتولین میں سے کسی نے تمہیں ہلاک کرنے کی کبھی کوشش کی ہے؟''

''نن.....نن.....نہیں تو.....کبھی نہیں!'' میرا سوال سن کر وہ ہڑبڑا سا گیا اور گھبراہٹ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ خوف کے مارے اس کے چہرے پر پسینے چھوٹ گئے۔

''آرام سے بیٹھ جایئے!'' میں نے اس کی دلجوئی کی۔ اس نے تیزی سے اپنا گلاس حلق میں انڈیلا اور میری جانب متجسس نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ''اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے مقتولین افراد آپ سے اپنے قتلوں کا بدلہ لینے کے خواہش مند نہیں ہیں!!!''

میں نے اس کا گلاس دوبارہ بھرتے ہوئے کہا۔ جانے کیوں اب میں واقعی اس بوڑھے شخص سے گہری ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔ ویسے بھی میرا ذہن اس اسرار کو حل کرنے میں تیزی سے مصروف تھا۔ میں اسے اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ وہ بدستور میری جانب دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی سرخ انگارہ آنکھوں سے لمحہ بھر کے لئے مجھے خوف سا محسوس ہوا مگر میں نے اپنی حالت پر جلد ہی قابو پالیا۔

''آپ کی الجھن صرف یہ ہے کہ آپ کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے سبھی لوگ محض چیخ و پکار کرتے ہیں مگر انہوں ایک بار بھی آپ پر کوئی قاتلانہ حملہ نہیں کیا حالانکہ وہ چاہتے تو آواز کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھوں کا استعمال بھی کر سکتے تھے۔ وہ صرف اپنی تصویروں میں صرف آگ آگ چلاتے ہیں جس سے آپ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ آپ کو واقعی جہنم میں ہی پھینکا جائے گا۔''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''آپ نے کبھی اپنے مقتولوں سے بات چیت کرنے کی کوشش کی؟ یا کبھی تمہارے مقتولین میں سے کسی نے تمہاری کسی بات کا جواب دیا ہو؟'' میں نے اس سے ایک بے تکا سا

سوال پوچھا۔ میری بات سن کر وہ چھت کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کی انگلیاں غیر ارادی طور پر شربت کے خالی گلاس کو گھما رہی تھیں۔ میں نے بوتل آگے بڑھا کر گلاس ایک بار پھر لبریز کر دیا تھا۔

''نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی میں نے ان سے کسی قسم کی بات چیت کرنے کی کوئی کوشش کی۔'' وہ مدھم لہجے میں بڑبڑایا۔ اس کی خالی نگاہیں جانے کیا دیکھنے میں مگن تھیں۔

''اگر میں آپ کی تصویروں کو نہیں سنتا تو میں بھی آپ کو پاگل قرار دے کر کسی نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ دے چکا ہوتا مگر ایسا نہیں اور نہ ہی میں ان خطوط پر سوچ رہا ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی تک میں اس پراسرار معمے کو نہیں سمجھ سکا ہوں۔ میرا اس بارے میں آپ کو ایک ہی مشورہ ہے.....!'' میں خاموش ہو گیا تھا۔

''وہ کیا؟''.....اس کے لہجے میں بچوں کی طرح بے قراری و بے تابی جھلک رہی تھی۔

''آپ اپنے مقتولوں سے معافی مانگ لیں.....!'' میں نے مختصراً کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو معاف کر دیں اور آپ جہنم میں جانے سے بچ جائیں۔''

''میں ان سے معافی مانگ لوں..... میں ان سے معافی مانگ لوں۔ واہ کیا شاندار مشورہ دیا ہے تم نے۔ یہ تو بہت عمدہ خیال ہے اگر انہوں نے مجھے معاف کر دیا تو میں واقعی جہنم کی آگ میں جانے سے بچ جاؤں گا۔'' وہ خوشی سے سرشار جھومتا ہوا بولا۔ وہ اب خود کلامی میں جانے کیا کیا بڑبڑا رہا تھا۔ میرے تو پلے ہی کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ بلا تکلف آتش دان کی الماری کی جانب بڑھا اور وہاں پڑی ہوئی شراب کی ایک بوتل اٹھا کر بلا جھجک گھونٹ بھرنے لگا۔

''یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا۔ تم نے میری مشکل حل کر دی نوجوان۔ میں اب آرام سے مر سکوں گا۔'' وہ مجھے کچھ بتائے بغیر ہی دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہیں سے اس نے مڑ کر آواز لگائی۔ ''نوجوان! میں ان سے معافی مانگ لوں گا وہ لوگ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے۔''

شراب کی بوتل ابھی تک اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ وہ کسی بدمست شرابی کی طرح جھومتا ڈولتا چلا جا رہا تھا۔ باوجودیکہ میں یہاں آرام و تفریح کے لئے آیا تھا۔ میرے قدم اس کے عقب میں خود بخود اُٹھتے چلے گئے۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ کسی حادثے کا شکار نہ

ہوجائے۔ گھر سے باہر نکل کر مجھے معلوم ہوا کہ باتوں باتوں میں وقت اتنی تیزی سے گذر گیا تھا کہ ہمیں کچھ خبر نہ ہوسکی۔ رات کے تاریک سائے بڑھ چکے تھے میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ میرا دوست ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ واپس چلا جاؤں مگر میرے قدم میرے ارادے کا ساتھ نہیں دے پائے۔ میں غیر ارادی طور پر اس بوڑھے کے تعاقب میں نکل پڑا۔ اچانک وہ ایک ایسے راستے پر مڑ گیا جو کہ پرانے گرجا گھر کی جانب جاتا تھا۔ میں نے وہیں سے اسے آواز لگائی۔ ''طارنوش! یہ راستہ آپ کے گھر کو نہیں جاتا۔''

وہ میری آواز سن کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ میں اس کے عقب میں دوڑا مگر اس کی رفتار بہت زیادہ تیز تھی حالانکہ وہ بوڑھا شخص تھا۔ اس کے اس نئے روپ کو دیکھ کر میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں نے اسے کئی آوازیں دیں مگر شاید وہ اس تک نہیں پہنچ سکی تھیں کیونکہ ہوا کا رُخ مخالف سمت میں تھا۔ اب ہوا بھی طوفانی انداز میں چلنے لگی تھی۔ جس سے سردی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ میری نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ اندھیرا کس قدر پھیل گیا ہے۔ آسمان پر کڑکنے والی بجلی مجھے اس وقت بے حد خوفناک لگ رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سینکڑوں بلائیں آپس میں دست و گریباں ہوں۔ اس روشنی میں مجھے طارنوش کا ہیولا ایک بار پھر دکھائی دیا۔ وہ خود بھی اس وقت کسی بھوت سے کم نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خواہش نے بری طرح کروٹ لی کہ میں واپس لوٹ جاؤں مگر میرے تجسس نے مجھے مقناطیس کی طرح روک رکھا تھا حالانکہ میں یہ دیکھ چکا تھا کہ وہ چرچ سے منسلک ایک پرانے قبرستان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

میں پچھلی مرتبہ جب یہاں رہنے آیا تھا تو اس جانب بھی آنکلا تھا۔ اسی لئے مجھے یہ راستے اب تک یاد تھے لیکن مجھے یہ ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ رات کے وقت قبرستان اس قدر بھیانک ہو جاتا ہے۔ دن کے وقت یہاں ہر سو خاموشی اور سناٹا ہوتا ہے اور ساری قبریں ہی آرام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں لیکن اس وقت مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہر قبر کا منہ کھل چکا ہے اور سینکڑوں مردے جاگ چکے ہیں اور سب مل کر بھیانک لے پر کوئی خوفناک گیت گنگنا رہے ہیں۔ ایک بار پھر آسمان پر زوردار بجلی کڑکی اور جیسے آسمان کا دامن پھٹ گیا۔ بارش کی

موسلا دھار بوندیں میرے سراپے کو نہلانے لگیں۔ اس قدر خوفناک اور شدید بارش میں نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ سرد ہوائیں میرے جسم میں یوں سنسناتی ہوئی گذر رہی تھیں جیسے میرا بدن کوئی چھانی رہ چکا ہو۔ میں سردی اور خوف سے کانپ رہا تھا۔

''طارنوش..... محترم طارنوش!'' قبرستان کے وسط میں پہنچ کر میرے حلق سے ایک بھنچی بھنچی سی آواز برآمد ہوئی۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے آواز میرے حلق سے نہیں نکلی بلکہ میرے کانوں اور نتھنوں سے برآمد ہوئی ہو۔ میری اپنی ہی پکار کی بازگشت بار بار میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ میرا سانس بری طرح پھول چکا تھا اب میں طارنوش سے دور رہ جانے کے خوف میں مبتلا تھا۔ اس کی موجودگی میں مجھے بظاہر یہ اطمینان تو تھا کہ اس ہولناک قبرستان میں چھائے ہوئے بھیانک سناٹے میں اور رات کی اس مہیب تاریکی میں میرے آس پاس مجھ جیسا ہی ایک انسان اور بھی موجود ہے۔

''طارنوش..... رک جایئے!''..... میرے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی مگر وہ ہواؤں اور طوفانی بارش کے شدید شور میں دب کر رہ گئی تھی۔ مجھے ایسا لگا کہ اس نے میری آواز سن لی تھی کیونکہ وہ رک کر اپنے پیچھے دیکھ رہا تھا۔

''بکواس بند کرو اور اپنا منہ دوبارہ مت کھولنا.....!''

طارنوش میری جانب دیکھ کر غصے سے چلایا۔ اس کی آواز میں خونخوار بھیڑیوں کی سی غراہٹ تھی۔ میں جہاں کھڑا تھا وہیں ساکت ہو کر رہ گیا۔ خوف کی کئی لہریں میری ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اچانک بجلی ایک بار پھر چمکی۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھا ایک لمحے کے لئے میں سانس لینا بھول گیا۔ اس کا چہرہ بارش میں بھیگ کر بے انتہا بھیانک اور کراہت آمیز دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جیسے سارے جسم کا خون سمٹ آیا تھا۔ میں خوف کے مارے جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ بجلی کڑکنے سے وہ بار بار روشنی میں آتا اور پھر تاریکی میں مدغم ہوجاتا لیکن اب میرے اندر اتنی بھی قوت باقی نہیں تھی کہ اسے کوئی آواز دے سکتا یا وہاں سے واپس لوٹ جاتا۔ مجھے اچانک معلوم ہوا کہ میری ٹانگیں بری طرح کانپ رہی ہیں اور وہ کچھ ہی دیر میں میرے جسم کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کر دیں گی۔ قبرستان نے جیسے میرے قدم پکڑ لئے تھے۔ وہاں سے بھاگنے کی قوت تک میرے اندر باقی نہیں رہی تھی۔ میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اندازہ نہیں کرسکتا کہ وہ کس چیز کو دیکھ کر چیخا تھا۔ اسے کیا دکھائی دے رہا تھا؟ مگر مجھے یہ احساس ضرور تھا کہ وہ کسی سے مخاطب ضرور ہے۔

''میں مجرم ہوں..... مجھے معاف کردو..... مجھے معاف کردو!!!'' قبرستان کے بھیانک سناٹے میں اس کی ہسٹریائی چیخوں نے ہلچل سی مچا دی۔ بارش کے شور، سنسناتی ہواؤں کی ہولناک گونج میں اب اس کی آوازیں بھی شامل ہوگئیں۔ میرے لئے وہاں کھڑا ہونا دشوار ہوتا جارہا تھا۔ پھر جیسے قبرستان میں بھونچال سا آگیا۔ اس کی چیخ و پکار میں لاتعداد انسانوں کی چیخ و پکار بھی شامل ہوگئی۔ قبرستان کا دہشت ناک سناٹا درہم برہم ہوگیا تھا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے قبروں میں سوئے ہوئے تمام مردے اس کے واویلے پر جاگ گئے ہوں اور اس کے ساتھ مل کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہوں۔ میں نے ایک بار پھر جھرجھری لی اور چونک کر اپنے اطراف میں دیکھا ایسا کچھ نہیں تھا تمام قبریں بند تھیں اور میں خود ان کے وسط میں کھڑا تھا۔ پھر چیخ و پکار میں اضافہ ہونے لگا اور بارش بند ہوگئی۔ آسمان پر چمکنے والی بجلی نے اب میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا اچانک تاریکی نے سب کچھ نگل لیا اور ہر سو خاموشی سی چھا گئی، جیسے ہر چیز سہم کر خاموش ہوگئی تھی۔

میرا دل اب بری طرح دھڑک رہا تھا گویا کسی بھی لمحے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ میں نے مزید غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ قبرستان کی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے لاکھوں جھینگر و دیگر حشرات الارض تک خاموش ہوگئے تھے۔ مجھے اس پراسرار خاموشی کے پیچھے کسی خوفناک طوفان کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ ایک بار پھر میرا دل چاہا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں مگر شاید مجھے اب دیر ہوچکی تھی۔

وہ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ زمین تک دہل کر رہ گئی تھی۔ میں خود بھی اپنے جثے پر قابو نہ رکھ سکا اور منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ میں نے تیزی سے اُٹھ کر متوحش نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھا شاید قبرستان کے کسی گوشے میں بجلی گری تھی۔ اس کے بعد میری سماعت میں انسانی قہقہوں کا بھیانک شور گونجنے لگا۔ میں سہم کر رہ گیا تھا کیونکہ جو میری نگاہیں دیکھ رہی تھیں وہ کوئی خواب نہیں تھا۔ وہ سب آہستہ آہستہ آسمان سے اس طرح اتر رہے تھے جیسے کسی سیڑھی سے زینے اتر رہے ہوں۔ وہ سب مقتول تھے جو طارنوش کے بے رحم ہاتھوں ہلاک ہوچکے تھے۔

ان کے ہاتھ اُٹھے ہوئے تھے اور وہ سب آگ آگ کی گردان کیے جارہے تھے۔ خون سے لتھڑی ہوئی اور آگ سے جھلسی ہوئی لاشیں میرے سامنے متحرک تھیں اور میں انہیں دیکھ رہا تھا، خوف کے مارے میری جان خشک ہورہی تھی۔

''آگ ..... آگ..... آگ.....!'' میرے کان کے پردوں پر ایک ہی جملہ بار بار دستک دے رہا تھا۔ بوڑھا طارنوش گھٹنوں کے بل بیٹھا ان کی جانب مترحم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں .....نہیں خدا کے لئے۔ تم سب لوگ مجھے معاف کردو۔ مجھے جہنم میں مت ڈالو!'' وہ اب سسکیاں لے رہا تھا۔ گڑگڑا رہا تھا اور اپنے مقتولوں کے درمیان بھاگ رہا تھا۔ وہ شاید ہر کسی کے پاؤں پکڑنے کی کوشش کرتا تھا لیکن کبھی اس کے ہاتھ میں کسی قبر کا کتبہ دبا ہوتا اور کبھی وہ کسی درخت یا جھاڑی سے لپٹا ہوتا۔ ان روحوں کے جسم نہیں تھے۔ اسی لئے وہ انہیں پکڑ نہیں پارہا تھا۔ طارنوش قبروں کے درمیان گھستا پھر رہا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ اس کی چیخیں بھیانک سے بھیانک تر ہوتی جارہی تھیں۔ جوں جوں اس کی چیخوں میں اضافہ ہوتا گیا مقتولین کے انتقامی خوشی میں ڈوبے قہقہے بھی بلند ہوتے چلے گئے۔ میں عجیب شیطانی گورکھ دھندے میں پھنس گیا۔ پھر اچانک ہی خاموشی چھا گئی۔ بالآخر ایک بار پھر قبرستان پر مکمل تاریکی اور سناٹے نے قبضہ کرلیا۔ آسمان پر بجلی کبھی کبھار چمک جاتی لیکن شاید کہیں دور کیونکہ اب بجلی کڑکنے کا شور نہیں تھا۔ طارنوش کی سسکیاں بھی معدوم ہوچکی تھیں۔

قبرستان پر ایک پراسرار خاموشی چھا چکی تھی۔ میں نے طارنوش کو دیکھنے کے لئے اپنے قدم آگے بڑھائے کہ میں ان آدمیوں کو دیکھ کر ساکت رہ گیا جو سب طارنوش کو گھیرے کھڑے تھے۔ ان کے درمیان سرگوشیوں میں کچھ معاملہ چل رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں کو بار بار مسل کر دیکھا کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں مگر یہ سب سچ تھا۔ حقیقت تھی جو کہ میری نگاہوں کے سامنے آشکارہ تھی۔ حیرت انگیز طور پر مجھے ان کی شکلیں جانی پہچانی سی لگیں کہ میں انہیں جانتا ہوں اور کہیں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں پھر مجھے یاد آگیا کہ یہ سب لوگ وہی ہیں جن کی تصاویر میں نے طارنوش کے البم میں کل رات ہی دیکھی تھی۔ بارش کی ہلکی سی دھار ایک بار پھر شروع ہوچکی تھی۔ مگر اب اس کا وہ پہلے سا زور نہیں تھا۔ سردی اور اضمحلال سے میری آنکھیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بند ہونا شروع ہوگئیں۔ میں نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا مگر اندھیرے کی ایک گہری چادر میرے دل و دماغ پر تنتی چلی گئی۔

مجھے جب ہوش آیا تو میں ایک نرم و ملائم بستر پر موجود تھا۔ میں نے گردن اُٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اس وقت ہسپتال کے ایک کمرے میں ہوں۔ میرے علاوہ ایک نرس کمرے میں موجود تھی۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے میرے جسم کو کسی نے جکڑ کر باندھ رکھا ہے۔ مجھے یوں اٹھتا ہوا دیکھ کر وہ نرس تیزی سے میری جانب بڑھی اور اپنی شگفتہ آواز میں گویا ہوئی۔

''آرام سے لیٹے رہیں مسٹر خان! آپ کو تیز بخار ہے۔ ایسے میں اگر اُٹھیں گے تو شدید چکر آئیں گے۔'' اس کا دمکتا چہرہ دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان ہوا کہ میں واقعی زندوں میں ہی ہوں۔

''نرس!'' میں دھیمی سی نحیف آواز میں بولا۔ ''مجھے یہاں کون چھوڑ کر گیا تھا؟''

وہ میری بات سننے کے بعد میرے پاؤں کی جانب لٹکے کلپ بورڈ کی طرف بڑھی اور وہاں لگے کاغذ میں دیکھ کر بولی۔

''مسٹر خان! آپ کو مسٹر طارنوش جیک یہاں لائے تھے۔ اس وقت آپ بے ہوش تھے۔ رات زیادہ دیر تک بارش میں بھیگنے کے باعث آپ نمونیا کا شکار ہوگئے تھے۔''

میں اس کی بات سن کر بے حد حیران ہوا کیونکہ میں ہی صرف بارش میں نہیں بھیگا تھا طارنوش جیک بھی تو میرے ہی ساتھ تھا۔ میرے دل میں یہ خیال بری طرح سے کروٹیں لینے لگا کہ وہ بوڑھا طارنوش کوئی معمولی انسان نہیں ہے۔ وہ ضرور کوئی مافوق الفطرت مخلوق ہے۔ ایک بار پھر میرے دل میں خوف کی تیز لہر دوڑتی چلی گئی۔ مگر میں اس بار اپنے اعصاب پر پوری طرح قابو نہ رکھ سکا اور عالم بے ہوشی میں ڈوبتا چلا گیا۔ شاید یہ بخار کی نقاہت کا سبب تھا یا کچھ اور.....

دوپہر کے ایک بجے میری آنکھ دوبارہ کھلی۔ میں نے بوڑھے طارنوش کو اپنے پاس ایک کرسی پر بیٹھا پایا۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرایا۔ اس کے چہرے پر

اطمینان چھایا ہوا دیکھ کر مجھے بے حد حیرت ہوئی۔ ابھی کل تک وہ متوحش تھا اور اب ایسا لگتا کہ اسے کوئی رنج و غم کبھی نہ رہا ہو۔ وہ بے حد مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اُٹھنے کی کوشش کی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''ویل ڈن مسٹر خان!'' وہ پُرجوش انداز میں بولا۔ ''تم نے میری ساری زندگی کی مشکل ایک ہی لمحے میں دور کر دی۔ میں اب آرام سے مر سکوں گا اور مجھے جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا۔''

''کل رات کیا ہوا تھا؟ میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا؟'' میں نے نحیف لہجے میں پوچھا۔

''وہ سب ممکن ہوگیا جس کی مجھے ایک عرصے سے تلاش تھی۔ یعنی میری رہائی۔'' وہ اپنے بازو پھیلا کر پُرمسرت انداز میں بتانے لگا۔

''ان سب لوگوں نے مجھے بڑی فراخدلی سے معاف کر دیا اور میری حرکت کو مشیت ایزدی قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ زیادہ دیر تک زندہ رہتے تو جانے کیا کیا گناہ کر بیٹھتے؟ انہیں موت دے کر میں نے ان پر احسان کیا ہے۔ میں تمہیں پہلے ہی کہتا تھا کہ تم واقعی عجیب و غریب نوجوان ہو۔ تم میں وہ سب کچھ ہے جو کہ کوئی اور نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی دوسرا محسوس نہیں کر سکتا۔''

میں پھیکی پھیکی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ بے حد خوش تھا۔ اسے میری حالت سے زیادہ اپنی رہائی پر خوشی تھی۔ میں اس کی اس خودغرضی پر زیرلب مسکرایا۔ وہ کچھ دیر اور میرے پاس رہا اور اپنے گناہوں کی توبہ کے متعلق مجھ سے مشورے مانگتا رہا۔ میں نے اسے کئی تجویزیں دیں جن سے وہ خاصا متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ اسی لمحے درد کی ایک لہر میرے دماغ میں اُٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

میں خود کیا تھا..... ایک مجرم..... اپنے ملک میں غریب لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے والا۔ کتنے لوگ میری درندگی کا شکار ہوئے تھے۔ کتنے معصوم تاوان ادا نہ ہو سکنے پر میری بھینٹ چڑھ گئے۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اس نے مجھ سے اجازت چاہی اور میری نگاہوں کے سامنے وہاں سے رخصت ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد میں کتنی دیر تک اپنے داغدار ماضی پر غور کرتا رہا..... کیا ایک وقت میری بھی ایسی ہی حالت ہوگی؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دو دن کے بعد مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا میں جب اپنے دوست کے پاس پہنچا تو اس نے گذشتہ دو دن کی گمشدگی پر طرح طرح کے سوال کیے مگر میں نے اسے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا۔ میری طبیعت میں اکتاہٹ سی پیدا ہوگئی تھی اور میں اب اس منحوس مقام سے واپس لوٹ جانا چاہتا تھا۔ میرا دوست میری اچانک تبدیلی پر خاصا متحیر ہوا۔ اس نے بڑی کوشش کی مگر میری طبیعت کسی طرح بھی بہل نہیں سکی۔ تیسرے دن اچانک دروازے پر جینوفر موجود تھی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میں بڑا حیران ہوا۔ ساتھ ہی ایک انجانی سی خوشی بھی انگ انگ میں تیرتی چلی گئی مگر یہ مسرت دیرپا ثابت نہ ہوسکی کیونکہ اس نے مجھے بتایا کہ اس کا دادا طارنوش جیک رات کو دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گیا ہے۔ میں یہ سن کر سناٹے میں رہ گیا۔ میں اس کے ساتھ جیک ہاؤس گیا جہاں بوڑھے جیک کی میت آخری رسومات کے لئے موجود تھی۔ اس کے چہرے پر بلا کا اطمینان دیکھ کر مجھے دل کے کسی گوشے میں خوشی محسوس ہوئی۔ مگر یہ جانکاہ حادثہ میری روح کو ہلا دینے کے لئے کافی تھا۔ میں تمام دن وہیں موجود رہا۔ طارنوش کو اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا گیا۔ وہ سب لوگ پادری کے پیچھے کوئی دعائیہ گیت گا رہے تھے جبکہ میرے لبوں پر اس کے لئے ہمدردی اور نجات کے کوئی جملے نہ تھے۔ میں شام کو بوجھل بوجھل قدموں سے واپس لوٹ آیا۔ میں اب یہاں مزید نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا اس لئے رات کو ہی میں نے اپنے دوست کو آگاہ کر دیا کہ میں کل صبح واپس لندن جا رہا ہوں۔ اس نے جب میری فوری واپسی کا سبب پوچھا تو میں نے مختصراً اسے طارنوش کی موت کا بتایا کہ وہ مجھے بے حد عزیز تھا مگر اس کی موت نے میرے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے لہٰذا میں کچھ دنوں کے بعد دوبارہ یہاں ضرور آؤں گا۔ وہ میرے جواب پر مطمئن ہوگیا۔

اگلی صبح جب میں جانے کی تیاری کر رہا تھا تو میرے دوست نے مجھے کسی کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا۔ اب مجھے یہاں ملنے کون آیا تھا؟ اس نے جب لڑکی کا حوالہ دیا تو میری نگاہوں میں جینوفر کا چہرہ اتر آیا۔ میں اپنا کام چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں چلا آیا جہاں جینوفر ایک کرسی میں دھنسی میری منتظر تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھو..... بیٹھو!'' میں نے اسے کہا۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے کرسی آگے کھینچ کر اس کے بالمقابل بیٹھ کر اس کے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے ایک لفافہ اور چھوٹا سا پیکٹ میری جانب بڑھا دیا۔

''مسٹر خان!'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''گرینڈ پاپا نے مرنے سے قبل وصیت کی تھی کہ میں تمہیں یہ پیکٹ اور ان کا یہ خط پہنچا دوں تم شاید سفر کی تیاری کر رہے ہو؟''

''ہاں تم نے صحیح اندازہ لگایا۔''

میں نے وہ دونوں چیزیں اس سے لیتے ہوئے جواب دیا۔ میری توجہ اس نئے اسرار میں الجھ گئی کہ اب کون سا راز باقی رہ گیا ہے جس سے مجھے بوڑھا طارنوش آگاہ کرنا چاہتا ہے۔

''کیا تم یہاں کچھ دن اور رک نہیں سکتے؟'' اس کی مترنم سی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے فوراً سر اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں میرے لئے خیر خواہانہ جذبات رقصاں تھے۔ میں اس کی تیز نگاہوں کا سامنا نہیں کر سکا لہٰذا میں نے دوسری طرف چہرہ گھما دیا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ نہ کچھ ضرور تھا جو میرے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔ مجھے مضطرب کر رہا تھا۔ میں اس خوابیدہ کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ جینوفر کی دعوت سے پوری طرح باخبر تھا مگر شاید میں کسی خوف کا شکار بھی تھا۔ بوڑھے طارنوش کا پورا خاندان مجھے آسیب زدہ سا لگنے لگا تھا۔

''میرے یہاں رکنے یا نہ رکنے سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟'' میں نے دل پر پتھر رکھ کر بڑی رکھائی سے جواب دیا۔ وہ میری بات پر کچھ پریشان سی ہوگئی۔

''تم ذرا غور کرو گے تو تمہیں اس کا جواب بھی مل جائے گا۔'' اس کے لہجے میں تڑپ سی تھی جو چیخ چیخ کر مجھے رکنے پر مجبور کرنے لگی۔ میں نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے اپنی توجہ ایک بار پھر ان اشیاء پر مبذول کر دی جو کہ چند ہی لمحے پیشتر جینوفر نے مجھے دی تھیں۔

''کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ اس دن قبرستان میں کیا ہوا تھا؟'' جینوفر نے خود ہی بات پلٹ دی۔ میں ایک بار پھر چونک گیا۔ قبرستان میں کیا ہوا تھا؟ یا ہم وہاں گئے تھے۔ اس بارے میں تو صرف میں اور بوڑھا طارنوش ہی جانتے تھے۔

''تم کس قبرستان کی بات کر رہی ہو؟'' میں نے اپنے چہرے پر حیرت بکھیرتے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہا۔

''مجھے یوں بنانے کی کوشش مت کرو۔'' وہ زہریلی مسکراہٹ سے بولی۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم اور گرینڈ پاپا دونوں اس رات قبرستان میں گئے تھے۔ مجھے یہ گرینڈ پاپا نے ہی بتایا تھا اور تم پھر فرط خوف سے بے ہوش ہوگئے جس سے تمہیں نمونیا ہوگیا..... تم صرف مجھے یہ بتاؤ کہ وہاں تم نے کیا دیکھا؟'' وہ استعجابیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔

''جینوفر!''..... میں گہری سانس لے کر بولا۔ ''میں وہاں ضرور گیا تھا مگر وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے دیکھ کر میں بے ہوش ہوجاتا۔ دراصل اس دن تمہارے دادا اور میرے بیچ کافی لمبی گفتگو ہوئی۔ ہم یونہی آوارہ گردی کرتے کرتے اس جانب جا نکلے۔ تمہارے دادا شراب کے نشہ میں تھے اور میں اس لئے ان کے ساتھ تھا۔ کہیں وہ نشے میں بہک کر کسی حادثے کا شکار نہ ہوجائیں۔ پھر گھومتے گھومتے جانے کب ہم قبرستان کی طرف جا نکلے۔ وہیں بارش شروع ہوگئی اور پھر شاید کہیں قریب ہی بجلی گری۔ جس کے ہولناک دھماکے سے میرے اوسان جاتے رہے اس کے بعد مجھے ہسپتال میں ہوش آیا۔''

میں خاموش ہوگیا تھا مگر وہ میری جانب بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسے میری بات پر قطعاً یقین نہیں۔ وہ میری بات سن کر دھیرے سے مسکرائی بلکہ ننھا سا قہقہہ اس کے لبوں سے برآمد ہوا۔ مجھے یوں لگا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا؟'' میں نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''مسٹر خان!'' وہ کھنکتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''تم بالکل میرے گرینڈ پاپا کی طرح ہو۔ اسی طرح ایک ہی پل میں کئی رنگ بدلتے ہو۔ شاید تم نہیں جانتے کہ مجھے ان سے بڑی محبت تھی۔ مگر وہ اس محبت کو لالچ وطمع سمجھتے رہے۔'' وہ بولتے بولتے یکدم رک گئی۔ وہ کچھ دیر دوبارہ گویا ہوئی۔ ''مسٹر خان! تم ان کا مکمل عکس ہو۔ تم میں وہ سب کچھ ہے جو کہ میرے گرینڈ پاپا میں تھا۔''

''تو کیا اب میں تمہارا گرینڈ پاپا بن جاؤں؟'' میں نے مسکرا کر شرارت بھرے لہجے میں کہا جس پر وہ جھینپ سی گئی۔ جانے کیوں وہ مجھے اس وقت کسی بھی طرح مغربی لڑکی نہیں لگی اس میں مشرق کی جھلک دیکھ کر میں خاصا مضطرب سا ہوگیا۔

''تم میری بات کو غلط مطلب دے رہے ہو مسٹر خان۔'' اس کا انداز بالکل احتجاج جیسا تھا۔ ''دراصل میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں میں چاہتی ہوں کہ تم مستقل طور پر یہیں رہ جاؤ۔'' اس کی خواہش بالآخر اس کی زبان پر آہی گئی۔ میں نے فوراً نفی میں سر ہلایا تو وہ میری جانب حیرت بھری سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی گویا وہ کہہ رہی ہو کہ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں کیا میرے پاس عیش وآرام نہیں ہے کہ تم مجھے یوں ٹھکرا رہے ہو۔

''جینوفر!'' میں اسے سمجھانے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے لگا۔ ''تم ابھی سمجھ نہیں سکتی ہو کہ میں اس وقت کس قدر صدمے سے دوچار ہوں۔ ہم ایشیائی لوگ کسی اپنے کے مرجانے پر بے حد مضطرب ہوجاتے ہیں اور اس کی یاد میں کئی کئی دن تک کھانا پینا بھول جاتے ہیں۔ میں دوبارہ آؤں گا تو اس معاملے پر بات ہوگی۔ فی الوقت میرا یہاں سے جانا بے حد ضروری ہے۔''

میں اب اس سے نگاہیں ملا نہیں پا رہا تھا۔ وہ مجھے اپنانا چاہتی ہے مگر میں اسے دھتکارنے پر آمادہ تھا۔ وہ خوبصورت تھی۔ متمول تھی۔ کسی ایشیائی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ کوئی میم اس کی زندگی میں آجائے۔

''میں جانتی ہوں! تم بھی گرینڈ پاپا کی طرح بڑے کٹھور ہو۔ محبت کیا ہوتی ہے، تم اس کے معنی سے بھی نابلد ہو''..... وہ ہسٹریائی انداز میں چیختی ہوئی بولی۔

اس کی آنکھوں میں نمودار ہونے والے آنسو مجھے صاف دکھائی دے رہے تھے مگر میں بظاہر یونہی انجان سا بنا بیٹھا رہا۔ وہ لمحہ بھر میری جانب دیکھتی رہی پھر غصے میں پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مجھے اپنے رویئے پر بے حد افسوس ہوا۔ جب میں ٹرین میں بیٹھا واپس لندن جا رہا تھا تو میرے دماغ کے کسی بھی گوشے میں جینوفر کا نام ونشان باقی نہیں تھا۔ میں اسے ایسے فراموش کر چکا تھا جیسے وہ کبھی میری زندگی میں آئی ہی نہیں۔''

کھانسی کے ایک دورے نے حسن مراد کو خیالوں کی دنیا سے باہر نکال دیا۔ وہ سیف اللہ خان کی باتوں میں اتنا منہمک تھا کہ اسے گردوپیش کی بھی کوئی خبر نہ رہی۔ سیف اللہ خان اپنی کہانی سنا رہا تھا کہ اسے اچھو سا لگا اور کھانسی کے ایک طویل دورے کا آغاز ہوا۔ حسن مراد نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیزی سے میز پر پڑے جگ سے ایک گلاس بھرا اور اس کی جانب بڑھایا۔ اس نے کھانستے ہوئے وہ گلاس میز کے ایک کنارے پر ہی ٹکا دیا۔ اس کی آنکھیں تکلیف سے سرخ ہونے لگیں۔ گدلا سا پانی اس کی آنکھوں سے بہنے لگا۔ کھانس کھانس کر اس کا چہرہ متورم سا ہو گیا۔ اس نے بڑی مشکل سے پانی کے دو گھونٹ حلق میں اتارے۔ کھانسی تو اب رک گئی مگر وہ بری طرح سے ہانپ رہا تھا۔ اس کا ستا ہوا چہرہ دھیرے دھیرے اعتدال پر آنے لگا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنے ماتھے پر نمودار ہونے والے پسینے کو صاف کیا۔ حسن مراد نے فوراً ٹشو بکس سے متعدد ٹشوز اس کی جانب بڑھائے اس نے شکریے کے ساتھ وہ سب لے لیے۔ وہ اب اپنے ماتھے کو ٹشوز سے صاف کر رہا تھا۔ کمرے میں گرمی کافی کم ہو چکی تھی۔ حسن مراد نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی تو تین بج رہے تھے۔ وہ کل کی پیشی سے غافل دکھائی دے رہا تھا۔

''وڈرائچ صاحب!'' حسن مراد اس کی حالت سنبھلنے پر مخاطب ہوا۔ ''مجھے آپ کی حالت دیکھ کر بے حد حیرت ہو رہی ہے اس دن جب آپ یہاں تشریف لائے تھے تو بالکل تندرست اور قوی دکھائی دے رہے تھے مگر آج آپ کی حالت کسی بیمار بوڑھے سے کم نہیں ہے۔ آخر ایک ماہ میں اس قدر صحت گر جانے میں کیا راز پوشیدہ ہے؟''

''وکیل صاحب!'' وہ بے بسی کے عالم میں بولا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ ''وقت وقت کی بات ہے..... اس وقت میں خود کو بڑا بہادر اور مضبوط اعصاب کا مالک سمجھتا تھا مگر وقت نے ایسا پلٹا کھایا کہ میری دلیری و مضبوطی کو وہ مصری قہر دیمک کی طرح چاٹ گئی مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ میں صرف دو دن کا مہمان ہوں..... صرف دو دن بعد میری روح یہ دنیاوی لبادہ چھوڑ کر کسی انجان جگہ پرواز کر جائے گی۔'' حسن مراد اس لغو بات پر برا سا منہ بنایا۔

''آپ کو چاہئے کہ کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ مایوسی ویسے بھی کفر ہے۔ آدمی کو اپنے تئیں ہر حال میں کوشش کرتے رہنا چاہئے۔'' حسن مراد نے اظہار ہمدردی کیا۔ ''دیکھو سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ کوئی بیماری لاعلاج نہیں رہی۔''

وہ حسن مراد کی بات سن کر مسکرا دیا۔ جیسے اسے حسن مراد کی بات خاصی مضحکہ خیز ہو۔ اس کی آنکھوں کی سرخی میں گہرا کرب بھی نمایاں تھا۔

''وکیل صاحب!'' وہ نچلا ہونٹ چباتا ہوا تلخی سے بولا۔ ''سائنس جتنا مرضی ترقی کر لے۔ وہ اس دنیا کے اُس اسرار سے کبھی پوری طرح واقف نہیں ہو سکے گی۔ جسے ہم ماورائی دنیا کہتے ہیں اور سائنس اسے صرف انسان کا وہم قرار دے کر اپنا پلہ بچا لیتی ہے۔ مجھے کیا مرض لاحق ہے؟ اس بارے میں، میں خود اچھی طرح جانتا ہوں مگر اس کا کوئی علاج اس دنیا میں دریافت نہیں ہوا۔''

اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ حسن مراد نہیں سمجھ سکا کہ یہ اس کی اندرونی تکلیف کا مظہر ہیں یا پھر سختی سے اپنا ہی ہونٹ کاٹنے کے نتیجے میں اس کی آنکھوں میں بھر آئے ہیں۔ سیف اللہ خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں آپ کو بیمار معلوم ہوتا ہوں تو آپ یہ سمجھ لیں کہ میں احساس جرم کے مرض میں مبتلا ہوں۔ ایک ایسے احساس ندامت کا شکار ہوں جس کا نام دنیا کی کسی فہرست میں شامل نہیں ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں کسی نفسیاتی ماہر سے مشورہ کرنا چاہئے۔'' حسن مراد کے لہجے میں ہمدردی کے ساتھ کچھ بے تکلفی بھی عود کر آئی۔ وہ ایک بار پھر پھیکے سے انداز میں ہنسا۔

''آپ میرے مرض کو چھوڑیئے!'' وہ ڈبے میں سے ایک اور ٹشو نکالتے ہوئے بولا۔ اس کے ہاتھ چہرے پر مسلسل چل رہے تھے۔ ''میں نے ہر ڈاکٹر سے وقت لیا اور جسم کا کونہ کونہ اسکریننگ کروا ڈالا۔ ماہر نفسیات کے کان کتر ڈالے مگر ان میں سے کوئی میرے مرض کی تشخیص نہیں کر پایا۔ ان سب کا یہی خیال تھا میں انہیں بنا رہا ہوں درحقیقت مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔''

''اچھا تم یہ سب چھوڑو اور اس تصویر کی حقیقت بتاؤ کہ وہ کیا تھی اور تمہیں کیسے ملی؟'' حسن مراد نے اس کے ساتھ مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھی۔ وہ اس اسرار کا حل جاننے کیلئے بے تاب تھا جو اس دن اس کے دفتر میں رونما ہوا تھا۔

''اوہ..... میں وہی تو بتا رہا تھا کہ کھانسی نے بیچ میں رکاوٹ ڈالی تھی۔ میں جب لندن واپس پہنچا تو کچھ کاموں میں الجھ گیا جو کہ کافی دنوں سے میری غیر موجودگی میں تعطل کا شکار تھے۔ ایک دن مجھے یاد آیا کہ طارنوش کی موت کے بعد جینوفر نے مجھے ایک پیکٹ اور لفافہ دیا تھا۔ میں نے اسے ابھی تک کھول کر نہیں دیکھا۔ وہ معاملہ یاد آتے ہی میں نے اپنا سفری بیگ کھولا جو کہ اس دن سے جوں کا توں پڑا تھا۔ بیگ کی ایک جیب سے مطلوبہ دونوں اشیاء مل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گئیں۔ میں نے پہلے طارنوش کے خط کو اچھی طرح سے دیکھا جو کہ ایک لفافے میں مضبوطی سے بند تھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے لفافہ چاک کیا تو اس میں سے ایک گلابی رنگ کا کاغذ برآمد ہوا۔ وہ طارنوش کا شاید آخری خط تھا جو کہ بڑی نفاست سے تحریر کیا گیا تھا۔ میں نے کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھا وہ واقعی بے حد عمدہ اور نفیس تھا۔ اس میں تحریر تھا۔

''نوجوان! تم ایک عجیب اور پراسرار شخص ہو۔ میں نے یہ اندازہ پہلی ہی ملاقات میں دیکھتے ہی لگا لیا تھا۔ تم شاید میرے اس جملے کی تکرار سے پریشان ہو گئے ہو کہ میں بار بار تمہیں عجیب وغریب کیوں پکارتا ہوں۔ تم ایک خاص کام کے لئے اس دنیا میں آئے ہو۔ تم اپنا ماضی بھول چکے ہو۔ اسی لئے میری باتیں تمہیں بہکی بہکی سی لگتی ہیں۔ تم اُس خاندان کے محافظ ہو جس سے میرا تعلق ہے۔ میرے ساتھ رہ کر جن چیزوں کا مشاہدہ تم نے کیا ہے وہ صرف انہی لوگوں کو دکھائی دے سکتی ہیں جو فقط میرے خاندان سے وابستہ ہوں۔ ممکن ہے کہ تمہیں اس بات پر یقین نہ آئے مگر یہ حقیقت ہے کہ تم ایشیائی نہیں مصری ہو۔ تمہاری آنکھوں میں وہ سیاہی نہیں ہے جو کسی ایشیائی میں ہوتی ہے بلکہ ایک مخصوص سبزی مائل رنگت موجود ہے جو کہ صرف قدیم مصری لوگوں کی ہی خاص نشانی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا کہ تم میری باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لو بلکہ میں تمہیں ایک موقعہ دینا چاہتا ہوں کہ تم میری باتوں کو اچھی طرح پرکھ سکو۔ میرا یہ پیکٹ جو تمہارے پاس موجود ہے۔ ایک ایسی امانت ہے جسے میں بڑے اعتماد سے تمہارے حوالے کر رہا ہوں کہ تم پوری ایمانداری سے اسے اس کی منزل تک پہنچا دو گے۔ جہاں اس کی خاص ضرورت ہے۔ میں تم سے ایک ہی التجا کرتا ہوں کہ جیسے تم نے مجھے زندگی کے اذیت ناک کرب سے نجات دلائی ہے۔ اسی طرح یہ پیکٹ مصر لے جاؤ اور قاہرہ کے باہر ایک چھوٹے سے قصبے الرفاعیہ میں موجود میرے بھائی تک پہنچا دو۔ اس کی وہاں ایک چھوٹی سی دکان ہے جس کا نام ''آثار قدیم کا اہرام'' ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نام تمہیں عجیب سا لگے مگر میں یہ وضاحت کر دوں کہ میرا بھائی قدیم مصری نوادرات کا کاروبار کرتا ہے۔ اسی مناسبت سے یہ نام رکھ چھوڑا ہے۔ مجھے

پوری امید ہے کہ تم میرے اس آخری کام کو خوش اسلوبی اور دیانت داری سے انجام دو گے۔ جانے کیوں مجھے تم پر اتنا بھروسہ کیونکر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا بیٹا اور پوتی یہ پیکٹ کبھی میرے بھائی تک نہیں پہنچائیں گے۔ اسی لئے اس امر کی تکلیف تمہیں دے رہا ہوں۔ ہاں! اس بات کا خاص خیال رہے کہ تم یہ پیکٹ میرے بھائی کے علاوہ کسی اور کو نہیں دو گے اور نہ ہی اسے پوری زندگی کھولو گے۔''

طارنوش کا خط پڑھ کر میرے دل و دماغ میں عجیب سی کشمکش پیدا ہونے لگی کہ وہ کس قسم کا انسان تھا..... جو ایسی باتوں پر یقین رکھتا ہے جو صرف کہانیوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ میں نے بے دلی سے وہ پیکٹ اُٹھا کر ایک جانب پھینک دیا۔ میرا مصر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں صرف اپنے ملک میں فوجی حکومت کے خاتمے کا انتظار کر رہا تھا کہ کسی سول حکومت کے برسر اقتدار آتے ہی اپنے ملک واپس لوٹ جاؤں۔ میں نے چند دن یونہی ادھر اُدھر کے کاموں میں گذار دیئے کہ ایک دن میں جب گھر لوٹا تو دروازے سے کچھ فاصلے پر لمبے چوڑے مضبوط جسموں کے مالک تین افراد کو کھڑے پایا۔ وہ شاید میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ میں ان پر اچٹتی نگاہ ڈالتا ہوا آگے بڑھا اور دروازے کا قفل کھولنے لگا۔ انہوں نے میری جانب دیکھا اور مسکرا دیئے۔ میں بھی مسکرا کر انہیں نظر انداز کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا ابھی میں سوچ رہا تھا کہ دروازہ بند کر کے ان کی عجیب الجثہ کرخت صورتوں سے چھٹکارہ پالوں کہ ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بول پڑا۔

''مسٹر خان! ایک منٹ پلیز۔''

''جی فرمایئے!''

''ہمارا تعلق نیشنل انٹیلی جنس سے ہے!'' ان میں ایک بولا اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا شناخت نامہ میرے آگے کر دیا میں نے قدرے جھک کر اس پر نگاہ ڈالی وہ واقعی انٹیلی جنس سے وابستہ لوگ تھے۔ میں نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تینوں میرے عقب میں چلے آئے۔ وہ ادھر اُدھر متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

''آپ کیا لینا پسند کریں گے کافی یا کوئی مشروب!'' میں نے خوشدلی سے پوچھا۔

''نو مسٹر! ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ تم سے چند سوال کرنا ہیں؟'' ان میں ایک نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ میں ان کی آمد اور ان کے روکھے پن سے خاصا بے چین تھا کہ آخر کیا مسئلہ ہے جو یہ لوگ میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔

''مسٹر خان! تم مصر کب جا رہے ہو؟'' ان میں سے ایک میری آنکھوں میں گھورتا ہوا بولا۔

''مصر.....!!!؟''

میں اپنی جگہ قریباً اچھل پڑا۔ میرے چہرے پر بدحواسی اور پریشانی برسنے لگی۔

''میں مصر کیوں جانے لگا؟'' غیر ارادی طور پر میرے لبوں میں جنبش ہوئی۔

''ہمیں بے وقوف مت بناؤ اور سیدھی طرح جواب دو کہ تم مصر کب جا رہے ہو؟'' ان میں سے ایک شخص غراتے ہوئے بولا۔

میں ان کی بات پر عجیب سراسیمگی کا شکار ہو گیا۔ میرے دل میں اندیشوں اور وسوسوں کی آندھیاں چلنے لگیں ضرور اس پیکٹ میں کوئی غیر قانونی چیز ہے جس کا علم انہیں ہو چکا ہے اور اب یہ مجھے مجرم سمجھ کر گرفتار کر لیں گے۔ اپنے ملک سے جس سزا کے خوف سے فرار ہوا تھا کہیں یہیں نہ مل جائے۔

''صاحبان!'' میں نے خود کو سنبھالا اور تیوری چڑھا کر گویا ہوا۔ ''میں اس ملک میں ایک عزت دار مہمان ہوں اور یہ مہمانداری حکومت انگلینڈ نے خود مجھے فراہم کی لہٰذا آپ کو جو کچھ پوچھنا ہے وہ تحمل اور اطمینان سے پوچھئے اور اپنی حدود کا بھی خیال رکھئے۔''

میری بات سن کر ان میں ایک شخص تلملا کر پہلو بدلنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا گویا اگر میرے پاس یہ دھمکی نہ ہوتی تو شاید وہ مجھے زمین پر گرا کر کسی خوفناک تشدد سے گریز نہ کرتا۔

''مسٹر خان!'' ان میں ایک قدرے نرم لہجے میں بولا۔ ''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم مصر جانے کے لئے وزٹ ویزہ نکلوا رہے ہو اور تم یہاں سے کچھ خاص سرکاری راز اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔'' میں ان کی بات سن کر متحیر رہ گیا کہ میں نے تو ابھی تک مصر جانے کا ارادہ کسی پر ظاہر نہیں کیا..... ارادہ کیا میرا اسرے سے ہی مصر جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

''مسٹر آفیسر!'' میں نے اپنا پاسپورٹ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ ''آپ اسے اچھی طرح چیک کر سکتے ہیں کہ میں پاکستان سے سیدھا یہیں آیا ہوں اور یہاں سے کہیں نہیں گیا۔ میں یہاں پر سیاسی پناہ گزین ہوں۔ میرا تعلق پاکستان کی ایک مشہور سیاسی جماعت سے ہے۔

میں نہ تو کبھی مصر گیا ہوں اور نہ ہی میرا مستقبل قریب میں مصر جانے کا کوئی ارادہ ہے۔''

پھر وہ تینوں میرے پاسپورٹ کو اچھی طرح کھنگالنے لگے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے میرا پاسپورٹ واپس لوٹا دیا اور معذرت کرنے لگے۔ میں مصر کے معاملے میں خاصا جز بز ہونے لگا کہ مصر کی بات میرے اور بوڑھے طارنوش کے درمیان تھی۔ اس کا خط بھی مجھے سربمہر ملا۔ اس پر ایسا کوئی آثار بھی دکھائی نہیں دیتا تھا کہ اسے کسی نے کھولا ہو۔

''مسٹر آفیسر! کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ میرے متعلق یہ غلط اطلاع کس نے فراہم کی ہے کہ میرے پاس حکومت انگلینڈ کے سرکاری راز ہیں اور میں انہیں لے کر مصر جا رہا ہوں؟'' میری متجسس حس نہ رہ سکی اور میں ان سے بالآخر پوچھ ہی بیٹھا۔

''ہمارے خیال میں اس سوال کا جواب دینا کوئی ضروری نہیں۔'' ان میں سے گرم طبیعت والا شخص قدرے تلخ انداز میں بولا۔ میں اس کے انداز سے پہلے ہی تاؤ کھائے بیٹھا تھا کہ اس بات نے میرے حواس پر بے حد برا اثر ڈالا۔ میں دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے مسٹر آفیسر! میں اس معاملے کو عدالت میں لے جاؤں گا اور اس سوال کا جواب وہیں تم سے طلب کروں گا..... آخر میں ایک پُرامن شہری ہوں۔''

میری دھمکی شاید کارگر ثابت ہوئی۔ ان تینوں کے چہرے کی رنگت ماند پڑ گئی۔ ان میں سے ایک شخص جلدی سے بولا۔ ''ہمیں افسوس ہے کہ تمہیں ہماری وجہ سے پریشانی اُٹھانا پڑی۔ ہمیں یہ اطلاع مس جینوفر جیک نے دی تھی کہ تم مصر جا رہے ہو اور تمہارے پاس کچھ سرکاری راز ہیں!''

جینوفر کا نام سنتے ہی میں سناٹے میں آ گیا۔ میری یادداشت کے پردوں پر اس کا بھولا بھالا سا چہرہ ابھر آیا مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی میں اس کے لئے قطعاً اجنبی ہوں۔ محض ٹرین میں ملاقات پر معمولی سی راہ رسم پیدا ہوئی اور پھر اس کے وہمی اور پراسرار دادا کی بدولت دو بار اس سے ملاقات ہو گئی۔ میں شش و پنج میں مبتلا تھا کہ وہ تینوں آفیسرز اُٹھ کھڑے ہوئے اور اجازت طلب کی۔ میں خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آیا اور ان کے ساتھ کھویا کھویا صدر دروازے تک پہنچا۔ ان تینوں کو رخصت کرنے کے بعد میرا ذہن اسی ادھیڑ بن میں مبتلا رہا کہ آخر جینوفر کو یہ کیا سوجھی کہ اس نے اتنا بڑا قدم اُٹھا لیا۔ میرا ذہن انہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوچوں میں گم تھا۔ کافی دیر کے غور وخوض کے بعد بوڑھے طارنوش کے خط میں تحریر ایک فقرہ میرے دماغ میں گونجنے لگا۔

''میرا بیٹا اور پوتی یہ پیکٹ ہرگز میرے بھائی تک نہیں پہنچائیں گے۔''

اب میری سوچ کے دھارے اعتدال کی جانب لوٹنے لگے تھے۔ اس پیکٹ میں ضرور جائیداد سے متعلقہ کوئی بات یا دستاویزات موجود ہیں جو بوڑھا طارنوش اپنے بھائی کو پہنچانا چاہتا ہے تاکہ اسے بھی جائیداد میں سے کچھ حصہ مل جائے۔ طارنوش کا بیٹا اور پوتی یہ نہیں چاہتے ہیں کہ جائیداد میں کوئی اور دعویٰ دار پیدا ہو۔ یقیناً اسی لئے انہوں نے میرے پیچھے انٹیلی جنس لگانے کی کوشش کی۔ مصر جانے کا ارادہ میں ترک کر چکا تھا مگر اب میں مصر جانا چاہتا تھا کیونکہ یہ کسی کے حق کی بات تھی۔ حق کی بات الگ ٹھہری..... جینوفر کی اس حرکت نے میرے دماغ کے درودیوار ہلا دیئے تھے میں زخمی سانپ کی طرح لوٹنے لگا۔ میں نے اسی شام مصر کے سفارت خانے میں درخواست جمع کرائی اس کے علاوہ میں نے خود انٹیلی جنس کے آفس میں جا کر انہیں اصلی حقائق سے آگاہ کیا اور اپنے مصر جانے کی اطلاع بہم پہنچائی۔ اگر میں انہیں بتائے بغیر مصر روانہ ہوتا تو ممکن تھا کہ اس شبے میں ہی دھر لیا جاتا جو کہ ان کے اذہان میں جینوفر ڈال چکی تھی۔

دوسرے دن میں مصر کے مشہور شہر قاہرہ پہنچ چکا تھا۔ میری جذباتیت اور غصہ مجھے ایک ایسے نامعلوم مقام کی طرف لے جا رہے تھے جو درحقیقت میری بربادی کا آغاز تھا۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کاش میں نے جینوفر کی بات پر اتنے طیش کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا اور آج میری حالت یہ نہ ہوتی۔ مصر جو سیاحوں کے لئے نہایت پُرکشش ملک ہے۔ بڑی بڑی دور سے لوگ قدیم مصری دیوار کے آثار اور بین ثبوت دیکھنے وہاں کا رُخ کرتے ہیں۔ میری بدبخت قسمت مجھے وہاں کھینچ لائی تھی۔ میں نے قاہرہ کے ایک بڑے ہوٹل میں قیام کیا۔ میں یہاں ایک ماہ کے تفریحی ویزے پر آیا تھا۔ یہاں سے فراغت پانے کے بعد مجھے واپس انگلینڈ ہی لوٹنا تھا مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اب میں کبھی انگلینڈ نہیں جا سکوں گا۔ پہلا دن قاہرہ کے بازاروں میں گذارا۔ عمدہ قسم کے قہوہ خانوں میں زندگی کی وہ تفریح پائی جو بہت سے لوگوں کی طرح پہلے میرے لئے بھی محض خواب وخیال تھی۔ دوسرے دن میں نے ایک ٹیکسی والے سے الرفاعیہ

کے بارے میں کچھ معلومات لیں اور پھر اپنا اسباب سمیٹ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ الرفاعیہ قاہرہ سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک نہایت خوب صورت قصبہ تھا۔ میں نے فوری طور پر وہاں ایک ہوٹل میں اپنے لئے ایک کمرہ دو ہفتوں کے لئے بک کرایا۔ چونکہ میرا ارادہ یہاں زیادہ دن رُکنے کا نہیں تھا مگر پھر بھی حفظ ماتقدم کے طور پر یہ کام کیا۔ میں طارنوش کے بھائی کو نہ تو پہچانتا تھا اور نہ ہی اس کی دکان کے بارے میں کوئی صحیح علم تھا۔ اسی روز میں نے دوپہر کے کھانے کے بعد ایک ویٹر سے نوادرات کی دکانوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر طارنوش کے بھائی کی دکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تمام دن گذر گیا مگر وہ مخصوص دکان نہ مل سکی۔ میں اس ناکامی پر جھنجلا گیا۔ میں نے پانچ دن تک لگاتار کئی بازاروں میں چکر کاٹے اور اس دکان کے بارے میں تقریباً ہر ایک سے پوچھا مگر سب کا جواب نفی میں ملتا رہا۔ میں اب مایوس سا ہو چکا تھا۔ شاید طارنوش کا بھائی بھی گذر چکا ہے جس کے بارے میں اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ میں نے فقط..... یہ اندازہ اپنے تئیں لگایا۔

مسلسل ناکامی سے میں اب بے فکر سا ہو گیا۔ میں نے اپنے طور پر کوشش تو جاری رکھی مگر اب زیادہ توجہ اس جانب نہیں تھی۔ میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح سیر سپاٹے میں کھو گیا۔ میں روزانہ اسی قصبے کی مختلف اطراف میں نکل جاتا اور وہاں کے ماحول اور قہوہ خانوں میں جا کر دوسرے سیاحوں کی طرح لطف اندوز ہوتا۔ مصر بے شک ایک اسلامی ملک ہی تھا مگر قہوہ خانوں میں ناچ گانے کی پرانی روایات اب بھی برقرار تھی۔ لوگ وہاں قہوہ پینے کی لالچ کے بجائے وہاں تھرکتی جوانیوں کو دیکھنے جاتے۔ ایک دن کسی ویٹر کی ٹپ پر میں قصبے سے باہر کچھ ہی دور ایک اور قہوہ خانے پہنچا جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہاں کی رقاصاؤں میں الگ ہی بات ہے ان کی نوخیز جوانی اور جذبات مشتعل کر دینے والی ادائیں کسی قیامت سے کم نہیں، دیکھنے والا اپنی آنکھیں ایسے جھپکنا بھول جاتا ہے کہ اگر اس کے سامنے زہر کا پیالہ بھی رکھ دیا جائے تو بلا جھجک پی جائے۔ ان کی لچکتی کمر کی شکنوں میں الجھ کر بڑے سے بڑا طوفان بھی ایک پل میں چاروں شانے چت ہو جاتا۔ اس ویٹر نے اس انداز میں وہاں کا نقشہ کھینچا کہ میں خود بھی بے چین سا ہو گیا۔ میں جب وہاں پہنچا تو ایک پل کے لئے مبہوت سا رہ گیا۔ اس قہوہ خانے کی آرائش وزیبائش کا ہی جواب نہیں تھا۔ مجھے ایک پل کے لئے یوں لگا کہ جیسے میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

واقعی قدیم مصری دور میں پہنچ گیا ہوں۔ رقاصاؤں کے لباس قدیم مصری شہزادیوں جیسے تھے اور جب رقص کا آغاز ہوا تو دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی گم صم تھا۔ کچھ ہی لمحوں میں مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میں شاید کوئی شہزادہ ہوں جس کی خدمت میں یہ رقص و سرود کی محفل منعقد کی گئی ہو..... وہ پل بھی کیا تھے؟

نگاہوں کے سامنے جب وہ منظر آتا ہے تو میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ وہ رقص میری زندگی کے سنہری پنوں پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔ میں جب وہاں سے باہر نکلا تو دوسرے تماش بینوں کی طرح بے حد کھویا کھویا اور بے چین سا تھا۔ باہر سے دیکھنے میں وہ قحبہ خانہ کوئی خاص دکھائی نہیں دیتا تھا مگر اس کے اندر جو قیامت برپا دیکھی اسے چند لفظوں میں بیان کرنا میرے لئے بے حد مشکل ہے۔

یکا یک میرا سارا نشہ و سرور کافور ہو کر رہ گیا۔ میں چلتے چلتے بری طرح چونک پڑا۔ وہ منزل جس کی تلاش میں، میں اتنے طویل سفر پر نکلا تھا اور کئی دنوں سے ریگستانی شاہراہوں کی خاک چھان رہا تھا میرے بالکل سامنے موجود تھی۔ یعنی اس قحبہ خانے کے بالمقابل لگا ہوا ایک چھوٹا سا سائن بورڈ مجھے چڑا رہا تھا۔

''آثار قدیم کا اہرام''

میں نے ادھر اُدھر تیزی سے نگاہ دوڑائی۔ وہ ایک چھوٹی سی بلکہ میلی سی دکان تھی جو کہ اپنے مالک کی عسرت نشینی اور بے سروسامانی کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی۔ اب رات چھا چکی تھی کسی سے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے اگلے دن دوبارہ آنے کا قصد کیا اور وہاں سے اپنے ہوٹل چلا آیا۔ وہ رات بے حد رنگین اور پرتعیش گذری۔ ساری رات رقاصاؤں کے جلوے خوابوں کو دلکشی و دلفریبی بخشتے رہے۔

اگلی صبح میں طارنوش کے بھائی کے پاس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ مجھے ٹیلی فون پر اطلاع ملی کہ میرا ایک سیاسی قدآور دوست قاہرہ آیا ہوا ہے اور وہ میرے ساتھ ضروری ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اپنے کام کو روک کر اپنے دوست سے ملاقات کو ترجیح دی کیونکہ وہ میرا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ سارا دن اسی کی رفاقت میں گذرا۔ اس نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ پاکستان میں مارشل لاء اُٹھا لیا گیا ہے اور تین ماہ بعد نئے انتخابات کا انعقاد ہو رہا ہے۔ اس نے

مجھے بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی مگر میں نے ایک ضروری کام کا عذر پیش کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ میں بلا تاخیر پہنچ جاؤں گا۔ وہ جاتے ہوئے مجھے اپنی جماعت کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کی دعوت دے گیا تھا۔ میں سہ پہر تک فارغ ہو گیا اور اس سے اجازت لے کر واپس لوٹ آیا۔

شام کے وقت میں نے ہوٹل سے طارنوش والا پیکٹ اُٹھایا اور تیز قدموں سے اس کے بھائی کی دکان کی جانب روانہ ہو گیا۔ سورج غروب ہونے والا تھا کہ میں اس سڑک پر پہنچ گیا جہاں اس کی دکان تھی۔ یہ علاقہ چونکہ کم آباد تھا اس لئے کم ہی لوگ وہاں دکھائی دیے۔ جو لوگ وہاں موجود تھے۔ وہ اسی قحبہ خانے کی رنگینی سے لطف اندوز ہونے وہاں آئے ہوں گے۔ میں نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ طارنوش کے بھائی سے فراغت کے بعد میں بھی اسی قحبہ خانے کی رونق سے محظوظ ہوں گا۔ چھوٹے چھوٹے بچے سروں پر سرخ ٹوپیاں سجائے اپنے کھیلوں میں مگن تھے۔ تھوڑی دور سڑک کے دائیں جانب ایک بڑا میدان دکھائی دے رہا تھا جہاں شریر اور پرجوش مصری نوجوان فٹ بال پر نئے نئے تجربات میں مصروف تھے۔ میں نے ان کی جانب دیکھا تو ایک پل کے لئے میرے لبوں پر تمسخریہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں انہیں نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھا۔ وہاں کئی دوسری معمولی دکانیں موجود تھیں جو شاید کل رات بند ہو جانے کے باعث میں دیکھ نہیں سکا۔ ان دکانوں میں کاٹھ کباڑ سا بھرا پڑا تھا۔ کئی غیر ملکی سیاح ان دکانوں کے سامنے کھڑے نوادرات تلاش کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف دکھائی دیئے۔

میرے ہونٹوں پر ایک بار پھر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ مصری واقعی بڑے چالاک و عیار لوگ ہوتے ہیں۔ پرانی بوسیدہ اشیاء کو فراعنہ مصر سے جوڑ کر جانے کیا کیا بلند و بانگ دعویٰ کرتے ہیں اور انہیں ایسا قیمتی بنا ڈالتے ہیں کہ سننے والا انہیں خریدنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔ اسی بے چینی کا فائدہ اُٹھا کر وہ شائقین کی جیبیں خالی کر دیتے ہیں۔ انہی خیالوں میں مگن میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ میرے قدم اس دکان کے سامنے آ کر خود بخود رُک گئے جہاں میں پہنچنا چاہتا تھا۔

''آثار قدیم کا اہرام''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میرے لبوں نے اس شکستہ عبارت کو ایک بار غیر شعوری طور پر دہرایا۔ دکان کھلی ہوئی تھی اور اس کے وسطی حصے میں موجود ایک تخت پر ایک سیاہ لبادہ پوش شخص نیم دراز تھا۔ اس نے اپنے لبادے کو جسم کے ساتھ ساتھ سر پر ایسے لپیٹ رکھا تھا کہ میں اس کا چہرہ تک نہیں دیکھ سکا۔ جانے کیوں اس کے اس انداز سے میرے دل میں خفیف سا خوف ابھرا۔ میں نے اسے اپنا وہم قرار دے کر جھٹک دیا۔ میں آگے بڑھ کر ابھی کچھ بولنا چاہ رہا تھا کہ وہ شخص خاموشی سے اُٹھا اور دکان میں موجود اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے ہی پل میں وہ میری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ عمر رسیدہ شخص ہے۔

لفظ میرے لبوں میں ہی پھنسے رہ گئے۔ میں نے خود کو تسلی دی کہ شاید وہ کسی کام سے اندر گیا ہے۔ ابھی چند ہی لمحوں میں وہ واپس لوٹ آئے گا۔ میں دکان میں ٹہلنے لگا۔ میری نگاہیں اب دکان کا جائزہ لے رہی تھی۔ چند بوسیدہ تصویریں اس دکان میں آویزاں تھیں۔ دائیں جانب سیاہ پتھر کے چار بت پڑے تھے جو شاید کسی قدیم کاہن یا پجاری کی عکاسی کر رہے تھے۔ نیچے زمین پر پڑی چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں عجیب سی ٹھیکریاں تھی جن کو میں کوئی نام نہیں دے سکا۔

دفعتہً دروازے کی چڑچڑاہٹ نے مجھے چونکا دیا میں تیزی سے سنبھل کر سیدھا ہوگیا۔ میں نے جونہی اپنا رُخ موڑا تو شدت حیرت سے گرتے گرتے بچا۔ میرا چہرہ ایک لمحے کے لئے فق پڑ گیا۔ خوف کی کئی سرد لہریں ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جسم پر عجب کپکپی سی طاری تھی۔ پسینے کی کئی ننھی ننھی بوندیں میرے ماتھے پر پھیلتی چلی گئیں۔ دروازے سے برآمد ہونے والا چہرہ میرے لئے قطعی اجنبی نہیں تھا۔ میں اسے کئی بار دیکھ چکا تھا۔ دروازے کے عقب سے نمودار ہونے والی نوجوان مصری دوشیزہ میری جانب الجھی الجھی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے خیال میں شاید میری طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی مگر ایسا نہیں تھا..... میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ .....جینوفر ..... ہی تھی۔ میرے پراسرار بوڑھے دوست کی پوتی جینوفر..... جسے میں چند ہی دن قبل برسلز میں چھوڑ آیا تھا۔

میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ وہ میرے انداز سے کچھ پریشان سی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں اجنبیت دیکھ کر میرے دل پر جانے کیوں گہری ضرب لگی۔ مصری

زرق برق لباس میں ملبوس سر پر نصف آنچل لئے وہ اس وقت بڑی خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ معصومیت اور چلبلا پن اس کے چہرے پر بکھرا پڑا تھا۔ میں عجیب سی کشمکش میں مبتلا کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے کیا سمجھوں؟ ایک جانب وہ میرے مصر جانے کی مخالفت کر رہی تھی اور میری راہ میں روڑے اٹکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور دوسری طرف وہ مجھ سے پہلے ہی اپنے چچا کے پاس پہنچ گئی اور اب یوں اداکاری کر رہی تھی کہ ہم دونوں میں کوئی شناسائی ہی نہ ہو۔

''دادا کہہ رہے ہیں کہ دونوں پہر مل رہے ہیں۔ سورج ڈوب گیا ہے ایسے میں وہ کسی اجنبی سے ملاقات نہیں کرتے ہیں لہٰذا تم لوٹ جاؤ اور پھر آنا.....!''

دکان کے شکستہ ماحول میں ایک مترنم سی آواز گونجی تو میں چونک سا گیا۔ میرے اندر کسی نے سرگوشی کی۔ یہ آواز تو جینوفر کی نہیں ہے۔ میں نے اس کی جانب دیکھا تو شدید حیرت ہوئی۔ وہ بھی اپنے دادا کی طرح اطلاع دے کر اندر جا چکی تھی۔ میری نظر دروازے کے بند ہوتے کواڑوں پر پڑی تو میں تلملا کر رہ گیا۔

لگتا ہے کہ یہ سارا خاندان ہی پراسرار ہے۔ عجیب و غریب حرکتیں کر کے شاید یہ لوگ اپنی اہمیت بڑھانا چاہتے ہیں۔ میں نے غصے کے عالم میں سوچا۔ اسی لمحے میں دکان سے باہر نکل آیا۔ وہ لڑکی جینوفر تھی یا کوئی اور ..... میں اسی شش و پنج میں مبتلا جانے کب اپنے ہوٹل کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ مجھے تو مصری قحبہ خانے میں جانا تھا۔ میں نے اس وقت قحبہ خانے کے ارادے کو ترک کیا اور ہوٹل کے نفیس بستر پر دراز ہوگیا۔ آج کے اس واقعے نے میری نیند حرام کر دی۔ چہروں میں مشابہت کا تو سنا تھا مگر ایک ہی چہرہ مجھے دو مختلف مقامات پر دیکھنے کو مل سکتا ہے، اس بارے میں کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں آیا تھا۔ ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گذر گئی۔ صبح کے وقت جا کر کہیں آنکھ لگی۔

جب آنکھ کھلی تو خاصا دن چڑھ آیا تھا۔ میں نے نہا کر خود کو تر و تازہ کیا اور ایک بار پھر اس پراسرار دکان کی جانب ہولیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ شخص اسی طرح سیاہ لبادے میں اپنا چہرہ چھپائے تخت پر دراز ہے۔ میں دکان کے دروازے میں کھڑا اس کی جانب دیکھنے لگا کہ آج میری آمد پر اس کا ردعمل کیا ہوگا مگر وہ بڑی بے فکری سے ساکت بیٹھا رہا۔ میرا خیال

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا کہ اسے میری آمد کا پتہ چل چکا ہے اور وہ مجھ سے آنے کا سبب دریافت کرے گا لیکن اس
سرد مہری اسی طرح قائم رہی۔ چند لمحوں کے بعد مجھے یہ خیال ستانے لگا کہ شاید اس نے مجھے
دیکھا ہی نہیں کیونکہ سیاہ لبادہ تو اس کے چہرے کو پوری طرح ڈھانپے ہوئے ہے۔ میں دکان
میں داخل ہوتا ہوا اس کے بالمقابل جا کھڑا ہوا۔ وہ بدستور سر جھکائے بیٹھا تھا۔ میں نے سوچا
شاید وہ اونگھ رہا ہے۔ اسی لئے اسے میری آمد کا احساس نہیں ہوا۔ میں ابھی اپنے لب کھولنے کی
تگ ودو میں تھا کہ ایک سیاہ بلی کہیں سے ادھر آنکلی اور مجھے دیکھ کر چیختی ہوئی غرائی۔

بلی کی آواز سن کر وہ بوڑھا سنبھل سا گیا۔ اس نے تیزی سے قریب پڑا ہوا ڈنڈا اسے
دے مارا۔ بلی کراہتی ہوئی کسی کونے کھدرے میں جا چھپی۔ ڈنڈا شاید اس کے بدن پر لگا تھا
میں اس سیاہ لبادہ پوش کی پھرتی اور نشانہ کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے سر اُٹھا کر میری
جانب دیکھا تو اس کے چہرے پر دو چمکتی ہوئی آنکھیں ہی مجھے دکھائی دیں۔ چہرے کے
نقوش میں دیکھ نہیں سکا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور شناسائی مجھے محسوس ہوئی
میں اس وقت کوئی نام نہیں دے سکا۔ اس سے قبل میں کچھ کہہ پاتا وہ خود ہی کھڑکھڑاتی ہوئی
آواز میں بولا۔

''اجنبی! یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تم سے کوئی بات نہیں کرسکتا کیونکہ منحوس بلی نے
نحوست میری دکان میں ڈال دی..... تمہیں تکلیف ضرور ہوگی مگر پھر کسی وقت آنا۔''

''مم..... مم..... میری بات.....!'' میں نے کچھ بولنا چاہا مگر وہ شخص میری بات
بغیر ہی دکان کے عقبی دروازے میں داخل ہوگیا۔

میں اب سخت الجھن کے ساتھ کوفت بھی محسوس کررہا تھا۔ میں اسے اس کے بھائی
پیکٹ دے کر جلد از جلد واپس لوٹنا چاہتا تھا مگر وہ کسی بھی طرح پکڑائی نہیں دے رہا تھا۔
اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ اگر طارنوش نے جائیداد میں سے کچھ حصہ اس کے نام کیا ہوگا تو
شخص اسے حاصل کرنے انگلینڈ کبھی نہیں جائے گا۔ اب میرے دل میں کئی قسم کے خیالات
لینے لگے۔ کبھی سوچتا کہ ان سب بکھیڑوں کو ترک کرکے واپس وطن لوٹ جاؤں۔ بھاڑ میں
جائے وہ پیکٹ اور یہ پراسرار سیاہ پوش..... مگر مصر کی زمین میرے قدموں کو پکڑے ہوئے تھی
کوشش کے باوجود میں اپنے ارادوں پر عمل درآمد نہیں کرپایا۔ میں نے دل ہی دل میں اس

خوب کوسا اور اس دکان سے نکل آیا۔

تیسرے دن میں پھر اس کی دکان میں موجود تھا۔ وہ حسب معمول اپنے مخصوص لباس
میں اسی تخت پر مجھے ملا۔ ابھی میں دروازے پر قدم ہی رکھ پایا تھا وہ بیٹھے بیٹھے خوفناک انداز
میں چنگھاڑا۔ جانے اس کے لہجے میں کیا تھا کہ میں سہم کر رہ گیا۔

''خبردار! دکان میں قدم نہ رکھنا، آج جمعرات کا دن ہے۔ آج آسمانی بادشاہت کے
زمینی تاجدار خوفو کے عذاب کا دن ہے۔ اگر تم میری دکان میں داخل ہوئے تو زندہ واپس نہیں
جاسکو گے۔ خوفو کے محافظ تمہیں جلا کر خاکستر کردیں گے۔''

میں نے یکبارگی اپنا قدم دکان کی چوکھٹ سے ہٹا لیا۔ دل و دماغ پر اس کے جملے کی
ایسی ضرب لگی کہ میں فوری طور پر بوکھلا سا گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے خود سنبھالا اور بطور
مسلمان ان خرافات و توہمات پر لعنت بھیجی۔ میں ابھی دوبارہ اندر داخل ہونے کا ارادہ کررہا تھا
کہ وہ پراسرار شخص تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے نہایت سرعت سے دکان کے دونوں
کواڑ بند کردیئے۔ میں ہونقوں کی طرح باہر کھڑا منہ دیکھتا رہ گیا۔

روز روز کی یہ ذلت اب میری برداشت سے باہر تھی۔ اس کی اس حرکت سے میرا خون
کھول اُٹھا۔ میں نے طیش کے عالم میں ایک زوردار پاؤں بند کواڑوں پر دے مارا۔ کواڑ میری
اس ضرب پر عجیب سی چڑچڑاہٹ سے احتجاج کرنے لگا۔ میں غصے سے پاؤں پٹختا ہوا وہاں
سے لوٹ آیا۔ اب میں کسی بھی صورت وہاں رکنے پر تیار نہیں تھا۔ دن تو خیر جیسے گذرا سو
گذرا۔ میں نے رات کو اپنا سامان سمیٹا تاکہ کل صبح پہلی ہی بس سے قاہرہ روانہ ہوجاؤں اور
وہاں سے اپنے ملک کی راہ لوں۔

اگلی صبح روانہ ہونے سے قبل پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں جس مقصد کے لئے
یہاں آیا تھا وہ تو ابھی ادھورا پڑا ہے۔ یہ پیکٹ ایک مرے ہوئے شخص کی امانت ہے جو کہ
میرے گلے ڈال دی گئی ہے۔ میں اس پیکٹ کو وطن ساتھ لے جانے پر بھی تیار نہیں تھا۔ میں
نے سوچا ایک بار پھر کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟..... لہٰذا ایک بار پھر قدم خود بخود اس دکان
کی جانب اُٹھنے لگے۔ وہاں میں جب پہنچا تو وہ پراسرار شخص حسب معمول اسی تخت پر موجود
تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر دل میں یہ دعا کی کہ آج یہ کسی قسم کا بکھیڑا نہ کھڑا کرے اور مجھے اپنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فرض سے سبکدوش ہوجانے دے۔ اس نے میری جانب دیکھا۔ اس کی دونوں چمکتی ہوئی آنکھیں مجھے آج پھر دکھائی دیں۔

''آج پھر آ گئے ہو؟'' اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں صرف آپ سے ملنے کے لئے انگلینڈ سے خاص طور پر آیا ہوں۔ میرے پاس آپ کی امانت ہے جو کہ.....'' میں ابھی اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا کہ اس نے ہاتھ کھڑا کر کے مجھے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے حکم پر کیسے خاموش ہوگیا یہ میں خود بھی جانتا۔

''جانتے ہو آج کیا دن ہے؟'' اس نے مختصراً کہا۔

''سب دن اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ میں ان میں کسی قسم کا فرق نہیں سمجھتا۔'' میں نے ہمت کر کے اپنے دل کی بات واضح کر دی۔ جس پر مجھے اندرونی طور پر بھی تسکین محسوس ہوئی۔

''آج پیر کا دن ہے۔ یہ دن زحل کے تابع ہے۔ واپس لوٹ جاؤ۔ آج کے دن جو کوئی بات کرو گے وہ تمہاری زندگی کو پریشانیوں اور مشکلات کا گھر بنا دے گی۔ تم نہیں جانتے کہ زحل نحس اعظم ہے۔'' وہ پہلی بار میرے ساتھ اتنی دیر تک مخاطب ہوا تھا۔

''میں اس قسم کے توہمات کو نہیں مانتا۔ سب دن اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ کسی بھی دن کو نحس قرار دینا کسی بھی مسلمان کو جائز نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات سے اختلاف کیا۔

''میں مسلمان نہیں ہوں! بلکہ عظیم خوفو کا پجاری ہوں جو اس سرزمین کا واحد مالک ہے۔'' وہ بوڑھا نہایت اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔ میں اس کا جواب سن کر بوکھلا سا گیا۔ میرے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ سرزمین مصر پر ایسے بھی لوگ ابھی رہتے ہیں جو اسلام کی روشنی سے ابھی تک محروم ہیں۔

''بہرحال تم جو کچھ بھی ہو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں صرف تمہیں.....'' اس عجیب شخص نے ایک بار پھر میری بات بیچ میں ہی روک دی۔

''میں نے تمہیں کہا ہے کہ آج کا دن نحس ہے لہٰذا تم جا سکتے ہو۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ جس پر میں مشتعل سا ہوگیا۔

''مگر میں آج اپنی بات کر کے ہی جاؤں گا۔'' میں پرعزم لہجے میں بولا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس قدر سرعت سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اندرونی دروازے کو پار کر گیا کہ میں دم بخود رہ گیا۔ وہ یقیناً کوئی چھلاوہ ہی تھا۔ میں آج یہ عزم کر کے آیا تھا کہ اس سے بات کئے بغیر نہیں لوٹوں گا۔ اس لئے تیزی سے اس کے عقب میں چلتا ہوا پچھلی جانب موجود دروازے کے بند کواڑ کے پاس پہنچ گیا۔ ابھی میں کواڑوں کو ہاتھ نہیں لگا پایا تھا کہ مجھے ایک تیز پھنکار اپنے قدموں میں سنائی دی۔ میں خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ ایک سیاہ سانپ دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھا میری جانب شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسے ہلاک کر دوں مگر میری ہمت جواب دے گئی۔ اسی لمحے بند کواڑ میں سے آواز آئی۔

''اجنبی! وقت ضائع مت کرو اور نہ ہی اپنی موت کو دعوت دو۔ خاموشی سے واپس لوٹ جاؤ۔ جو کہنا ہے کسی اور وقت آ کر کہنا۔''

''تم میری زندگی کی پرواہ نہ کرو جو میں کہنا چاہتا ہوں بس وہ سن لو۔'' میں نے ہمت باندھ کر کہا۔ سانپ میری بات پر لہرانے لگا تھا۔

''احمق اجنبی!'' اندر سے آواز آئی۔ ''اگر زندگی اتنی ہی بار محسوس ہو رہی ہے تو جاؤ۔ نیل کی گہرائیوں میں جگہ بناؤ۔ یہاں کیا لینے آئے ہو؟ میں یہاں آنے والوں کا ہمیشہ بھلا چاہتا ہوں۔ میں کسی کی موت کا کبھی خواہش مند نہیں ہوا۔ ابھی بھی وقت ہے لوٹ جاؤ ورنہ دس سیکنڈ بعد یہ سانپ تمہارے پیچھے لگ جائے گا اور جب تک تم اس دکان سے نکلو گے یہ تمہیں ڈس کر ہلاک کر دے گا۔''

اس پراسرار شخص نے جانے کیسے انداز میں میرے حواس معطل کر دیئے کہ میں خوف کے حصار میں جکڑتا چلا گیا۔ میرے قدم خود بخود دکان سے باہر اُٹھنے لگے۔ میں دکان سے باہر نکل کر پریشان سا کھڑا ہوگیا۔ میرے چہرے پر بدحواسی اور خوف ابھی تک موجود تھا۔ اچانک میری نظر دکان کی دہلیز پر پڑی جہاں وہ سانپ میری جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے فوراً وہاں سے واپسی اختیار کی اور سیدھا اپنے ہوٹل چلا آیا۔ پہلے تو میں اس پراسرار شخص سے محض اس لئے ملنا چاہتا تھا کہ اسے اس کی امانت سونپ کر چلتا بنوں مگر اس کا گریز جوں جوں بڑھتا جا رہا تھا میرے لئے تجسس اور اشتیاق کا باعث بننے لگا۔ میں اب اس مصری شخص کی حقیقت جاننے کا خواہشمند تھا۔ مجھے پراسرار باتوں سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی مگر حالات نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے جن عجیب وغریب دوراہوں پر لا ڈالا۔ وہ میرے لئے تعجب و دلچسپی کا سامان بنتے چلے گئے۔ میں نے اب پختہ ارادہ کرلیا کہ اس کہانی کو انجام تک پہنچا کر ہی دم لوں گا۔

اگلے روز دوپہر کے وقت پھر میں بن بلائے مہمان کی طرح وہاں پہنچ گیا۔ آج اس کی دکان کا ایک کواڑ کھلا تھا اور ایک بند تھا۔ میں نے ایسا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لئے ہر قدرے حیران ہوا۔ وہ اپنی جگہ پر براجمان تھا کہ اس نے مجھے دیکھتے ہی تیز لہجے میں کہا۔

''آج مریخ کا دورہ عروج پر ہے تمہیں کس نے کہا تھا کہ ادھر آؤ.....! واپس بھاگ جا ورنہ مریخ کے اثرات تمہاری زندگی کو مشکل بنا دیں گے اور تم کسی کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گے۔''

مجھے اس شخص سے کام نہ ہوتا تو میں شاید کبھی کا واپس لوٹ گیا ہوتا۔ اس کے نا سلوک پر میں حسب معمول طیش میں آ گیا۔ اگر یہ سب کچھ پاکستان میں میرے ساتھ پیش آ ہوتا تو میں اسے کبھی کا دکان سے باہر نکال کر سڑک کی سرخ کنکریوں پر گرا کر ٹھوکریں لگا ہوتا۔ اس سے قبل میں ہٹتا اس نے تیزی بڑھ کر دکان کا کھلا کواڑ بھی بند کر دیا۔ میں کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا پھر چار و ناچار وہاں سے لوٹ آیا۔ حالانکہ میں غصے سے بری طرح اندر ہی اندر دتاپ کھا رہا تھا لیکن اس کے باوجود میں ابھی تک اس پراسرار مصری کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ عجیب وغریب توہمات کے ساتھ ساتھ کچھ قوتیں بھی رکھتا تھا جن سے میں ابھی تک ناواقف تھا۔

بدھ والے دن میں ایک نئی کہانی سننے کی غرض سے ایک بار پھر اس کی دکان پر جا پہنچا دیکھا کہ دکان سرے سے ہی بند تھی۔ میں نے دائیں بائیں لوگوں سے استفسار کیا تو معلوم کہ اس روز عموماً یہ دکان بند رہتی ہے۔ اس کی وجہ کچھ تگ و دو کے بعد معلوم ہوئی کہ وہ بوڑ مصری بدھ کا تمام دن مصر کے سب سے بڑے اہرام میں گذارتا ہے جسے چوتھے خاندان حکمران خوفو نے ۲۶۸۰ قبل مسیح میں تعمیر کرایا تھا۔ اس اہرام کی تعمیر میں بیس سال سے زا عرصہ صرف ہوا اور اسے تقریباً پینتیس لاکھ مزدوروں نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے بنایا خوفو کا نام سن کر مجھے بڑا عجیب سا لگا۔ وہ بوڑھا بھی اس دن خود کو خوفو کا پجاری بتا رہا حالانکہ خوفو کو مرے ہوئے چار ہزار سال سے زیادہ ہو چکے تھے۔

اس بوڑھے کی سرد مہری اور خریداروں سے لاپروائی دیکھ کر میں تقریباً مایوس ہو چکا

کئی بار میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اس شخص کا گذر و بسر کیسے ہوتا ہوگا۔ میں اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے کئی سوالوں کا جواب دینے میں ناکام تھا۔ بار بار کی ناکامیوں کے باوجود میں نے اس کی دکان پر جانا موقوف نہیں کیا۔ مجھے ان دنوں میں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنی اشیاء سرے سے فروخت کرنا ہی پسند نہیں کرتا ہے۔ اوّلاً تو اس کے جارحانہ سلوک کے پیش نظر کوئی خریدار اس کے پاس جھانکتا تک نہیں تھا اور اگر کوئی غیر ملکی سیاح اس کے پاس پہنچ بھی جاتا تو وہ اسے روزانہ چکر لگوا لگوا کر آدھ موا کر دیتا اور اگر کوئی میری طرح سر پھرا ٹھان لیتا کہ اس کی دکان سے کوئی نہ کوئی نوادر ضرور خریدے گا تو وہ مصری اسے اتنے دام بتاتا کہ خریدار سن کر ہی سہم جاتا اور کچھ دام لگائے بغیر ہی وہاں سے رخصت ہو جاتا۔ یہ سب معلومات مجھے اس کے گرد موجود دکانداروں سے حاصل ہوئیں۔ وہ میری روزانہ پریڈ سے بھی واقف ہو چکے تھے۔ کئی ایک نے تو مجھے مخلصانہ مشورہ بھی دیا کہ میں اس بوڑھے مصری کو اس کے حال پر چھوڑ دوں اور اپنی راہ لوں مگر ان لوگوں نے میرے اندر ایک نیا عزم پیدا کر دیا۔ میں اس بوڑھے مصری کو ہر قیمت پر شکست دینا چاہتا تھا۔ ایک ایسی شکست جو اس کے دل پر سانپ بن کر ہمیشہ لوٹتی رہے۔

مجھے ٹھیک طرح یاد نہیں کہ میں نے اپنے مقصد کی برآوری کے لئے کتنے چکر کاٹے ہوں گے۔ ایک دن میں حسب معمول وہاں پہنچا تو دکان میں کوئی نہیں تھا۔ میں بے دھڑک اندر چلا گیا۔ میں دیوار کے ساتھ بنی ہوئی الماریوں میں جھانکنے لگا۔ وہاں ممیوں کی تصاویر موجود تھیں۔ ایک جانب اہرام مصر کی تعمیر سے متعلقہ بڑی سی پینٹنگ دکھائی دی جس میں لاکھوں مزدور اہرام کی تعمیر میں مصروف تھے۔ میں دکان میں موجود اشیاء کا جائزہ لے رہا تھا کہ کسی کے قدموں کی آہٹ نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے گھوم کر دیکھا وہ وہی لڑکی تھی جسے میں جینوفر سمجھا تھا۔ اس میں اور جینوفر میں صرف بالوں اور لباس کا فرق تھا۔ اس کی کومل کومل آنکھیں جینوفر کے مقابلے میں بے حد شریر تھیں۔ معصومیت کا ایسا شاہکار میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ اسی لمحے وہ بوڑھا مصری بھی وہاں نمودار ہوا۔ اس نے میری جانب دیکھا اور مجھے ایک بوسیدہ سی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ لڑکی تیزی سے بڑھ کر کرسی اپنے پلو سے صاف کرنے لگی۔ میں خاموشی سے ایک جانب کھڑا کرسی کے صاف ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ اپنے کام

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے جونہی فارغ ہوئی تو ایک جانب ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ میں آگے بڑھ کر اس تاریخی کرسی پر ڈھیر ہوگیا جس کے بارے میں مجھے بعد میں پتہ چلا کہ یہ عظیم خوفو کے ایک معتمد خاص کی نشست ہوا کرتی تھی۔

''بیٹی! اجنبی کے لئے گرم گرم قہوہ لے آؤ۔'' وہ بوڑھا نہایت شرینی سے اس سے مخاطب ہوا۔ جس پر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ اس سے بے حد محبت کرتا ہے۔ میں اس کے خلاف معمول رویئے پر بے حد حیران ہو رہا تھا۔ کئی بار میں نے تو اپنی آنکھیں مسل کر دیکھا کہ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔

وہ مجھ سے کچھ لمحوں کے لئے معذرت کر کے باہر چلا گیا۔ اس کے آنے تک وہ لڑکی میرے لئے گرم گرم قہوہ لے آئی۔ میں حالات میں تغیر و تبدل پر خود بھی قدرے تذبذب کا شکار تھا۔ اس لئے اس وقت قہوہ میرے لئے بے حد مفید ثابت ہوا۔ وہ بوڑھا مصری سیدھا اپنے تخت کی جانب آیا اور اس پر پھیلتا چلا گیا۔ یہ میرے لئے کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ میں نے بات شروع کرنا چاہی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک کر کہا۔

''اجنبی! جلد بازی اچھی نہیں ہوتی، اطمینان سے قہوہ پیو اس کے بعد بات کریں گے۔''

میں اس تبدیلی پر جہاں سخت متحیر تھا۔ وہیں میں نے اسے اپنے لئے باعث رحمت سمجھا۔ بوڑھا مصری سیاہ لبادے میں ملبوس تھا میں پہلے دن سے ہی اس کے چہرے کو دیکھنے کے لئے بے چین ہوا جا رہا تھا مگر وہ بوڑھا اپنے چہرے کو عریاں کرنے پر تیار ہی نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں بعد میں قہوہ سے فارغ ہو چکا۔ وہ لڑکی مجھے قہوہ ختم کرتے دیکھ کر آگے بڑھی اور برتن سمیٹنے لگی۔ میں کئی دنوں بعد اپنے آپ کو بہتر محسوس کر پایا حالانکہ روزانہ اس دکان کے چکر کاٹنا میرے عادت سی بن چکی تھی۔ اس تبدیلی نے میرے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔

اچانک وہ لڑکی برتن سمیٹتے ہوئے بری طرح چیخی اور اچھل کر میری گود میں آگری۔ میں اس ناگہانی آفت کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ اسے خود سے دور پھینکتا ہوا بوکھلا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے میری نگاہ زمین پر رینگتے ہوئے سیاہ سانپ پر پڑی جو شاید اس لڑکی کو ڈسنا چاہتا تھا۔ میں نے نہایت برق رفتاری کا مظاہرہ کیا اور اپنے مضبوط بوٹوں تلے سانپ کو کچل ڈالا۔ وہ بوڑھا بھی دم بخود سا حیران و پریشان کھڑا ہوگیا۔ جب اس کی نگاہ زمین پر کچلے ہوئے سانپ

پر پڑی تو وہ میری جانب گھورنے لگا۔ میں اس کی ناراضگی کے خوف میں مبتلا ہوگیا کہ اتنے دنوں بعد اس کم بخت کے رویے میں فرق رونما ہوا ہے کہیں یہ بگڑ کر مجھے پھر واپس لوٹنے کے لئے نہ کہہ دے۔ لڑکی خوفزدہ نگاہوں سے اس سانپ کو گھورے جا رہی تھی۔ شاید اسے پوری طرح یقین نہیں آیا تھا کہ واقعی وہ ہلاک ہو چکا ہے۔

''اجنبی!'' بوڑھا مصری گھمبیر لہجے میں بولا۔ ''تم وہ نہیں ہو جو دکھائی دیتے ہو؟''

''کک..... کیا..... مطلب؟'' میں اس کی بات کو نہ سمجھ سکا۔ میرے چہرے پر بدحواسی کی دبیز چادر مزید پھیلنے لگی۔ قدرے توقف سے میں گویا ہوا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''اجنبی!'' وہ بوڑھا کھویا کھویا سا بولا۔ ''میں نے تمہارے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا۔ وہ سرے سے ہی غلط ثابت ہوا۔ تم واقعی عجیب و غریب ہو۔''

اس کے جملے نے میرے پورے وجود میں سنسنی سی پھیلا دی میں یہی بات طارنوش سے سن سن کر پریشان ہوتا رہا تھا کہ اب اس نے بھی وہی بات دہرائی تھی۔ میرے ذہن میں اب سانپ کے مرنے یا بوڑھے مصری کی ناراضگی کے بجائے اس بات نے ہلچل مچا دی کہ آخر مجھ میں ایسا کیا ہے؟ کہ ہر ایک کو میں عجیب و غریب دکھائی دیتا ہوں۔

''مجھ میں ایسی کون سی خصوصیت ہے کہ میں تمہیں عجیب لگا۔'' میں نے اپنے تجسس کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں آج یہ راز جان لینا چاہتا تھا جو میری زندگی میں ان حیرت انگیز واقعات کا باعث بنتا جا رہا تھا۔ اس بوڑھے نے میری جانب دیکھا اور بولا۔

''تم جانتے ہو کہ تم نے کسے ہلاک کیا ہے؟''

''ایک سانپ کو..... جو شاید میری عدم موجودگی میں یقیناً تمہاری پوتی کو ڈس لیتا۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا حالانکہ یہ میرے سوال کا جواب نہیں تھا۔

''وہ سانپ نہیں تھا!'' بوڑھا مصری عجیب سے لہجے میں بولا۔ میں اس کی جانب چونک کر دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں میں پریشانی مزید بڑھ گئی کیونکہ روز بروز ایک کے بعد ایک نئے فسوں کا انکشاف مجھے نڈھال کرنے لگا تھا۔

''عظیم خوفو کی دیرینہ دشمن جو اس کے مرنے کے بعد اس کی بہو بھی بنی ''راب شامخ'' کا محافظ تھا جو اسے میری قید سے چھڑانا چاہتا تھا۔ وہ چونکہ مجھ پر براہ راست حملہ نہیں کر سکتا تھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لہٰذا اس نے میری بے خبری کا فائدہ اُٹھانا چاہا اور میری جان سے بھی عزیز پوتی مورتیب کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔''

''مورتیب.....!!!'' میرے لبوں سے غیر ارادی طور پر نکلا۔ میں اسے ابھی تک جینوفر ہی سمجھ رہا تھا۔ جو بے شک اس سے کچھ مختلف دکھائی دیتی تھی مگر میرے خیال میں درحقیقت وہ جینوفر ہی تھی۔ جو محض بہروپ بدل کر میرے سامنے آئی تھی۔ اس کا نیا نام میرے لئے واقعی حیرت کا باعث تھا۔ میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹکا اور بوڑھے مصری کی دوسری بات پر غور کرنے لگا۔

''راب شامخ۔''

..... بڑا عجیب سا نام تھا۔

''کیا بات ہے اجنبی تم کچھ سوچ میں پڑ گئے ہو؟''

بوڑھے مصری کی بات سن کر میرے خیالوں کا تانا بانا ٹوٹ سا گیا۔

''میں قدرت کی کرشمہ سازی پر بے حد حیران ہوں کہ اس نے دو ایک جیسے چہرے بنائے اور دونوں مجھے ہی دیکھنا نصیب ہوئے۔ خوفو کا نام تو میں نے سن رکھا ہے کہ وہ ماضی میں مصر کا حکمران ہوا کرتا تھا۔ مگر یہ راب شامخ کون ہے؟ یہ نام بڑا عجیب سا ہے۔''

میں کھویا کھویا سا بولتا چلا گیا۔ میں نہیں جانتا تھا میرا یہ عمومی انداز بوڑھے مصری کو بے حد ناگوار گذرے گا۔ وہ میری بات پر مشتعل ہوگیا۔ اس کے جسم پر فرط طیش سے رعشہ طاری ہوگیا۔

''اجنبی!'' اس کی آواز میں خنجر سی کاٹ تھی۔ ''اگر چند لمحے پیشتر تم نے میری پوتی کی جان نہ بچائی ہوتی تو اس وقت تمہاری گردن جسم سے الگ ہو کر زمین پر پڑی دکھائی دیتی۔ تم نے عظیم خوفو کے متعلق جس انداز میں گستاخی کی ہے وہ کم از کم میرے لئے ناقابل معافی اور ناقابل برداشت ہے۔'' بوڑھے مصری کی بات سن کر خوف کی ٹھنڈی لہر میرے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ میں تیزی سے سنبھل گیا اور اپنی صفائی میں بولا۔

''میں معافی چاہتا ہوں شاید میرے لبوں سے کوئی غیر اخلاقی بات پھسل گئی ہے۔ میرا مقصد کسی کی شان میں گستاخی کرنا نہیں تھا۔ میں نے محض اپنے علم میں اضافے کے لئے

پوچھا تھا۔ اگر میری بات سے تمہیں کسی قسم کا صدمہ ہوا ہے تو میں اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔'' میں نے اپنی جان چھڑانی چاہی۔

''ٹھیک ہے میں اب تمہاری لاعلمی کے باعث تمہیں چھوڑے دے رہا ہوں مگر یاد رہے کہ آئندہ میرے سامنے کوئی ایسی ویسی بات کبھی منہ سے نہ نکالنا۔ شاید تم نہیں جانتے کہ عظیم خوفو کوئی عام آدمی نہیں تھا وہ آسمانی قوتوں کا بے مثل شاہکار تھا۔ خدائے آمن رع نے اسے خاص طور پر دنیا میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔'' وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی بات پر احمقوں کی طرح کندھے اچکائے۔

''ٹھیک ہے میں آئندہ آپ کے جذبات کا خیال رکھوں گا چونکہ میں مسلمان ہوں اس لئے میں ایسی باتوں کا قائل نہیں ہوں جو ماضی میں بیت چکی ہیں مجھے تو آج سے سروکار ہے۔ برامت منانا میں خالصتاً دنیادار شخص ہوں۔'' میں نے موضوع سے ہٹنے کی کوشش کی۔

اس بوڑھے مصری نے لاپروائی سے گردن ہلائی۔ شاید اسے میری یہ بات بھی ناگوار لگی مگر میں نے خود کو مضبوط کیا میرا ان باتوں سے کیا لینا دینا۔ اچانک میرے دماغ میں وہ مقصد ابھر آیا جس کے لئے میں روزانہ اس دکان کے چکر کاٹا کرتا۔ میں نے عجلت میں وہ پیکٹ نکالا اور اس بوڑھے مصری کے سامنے کر دیا۔ وہ میرے ہاتھوں کی جانب دیکھ رہا تھا جس میں وہ پیکٹ موجود تھا۔ اس نے چند لمحوں بعد اپنی گردن اُٹھائی اور میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے سیاہ چہرے پر موجود دو آنکھیں مجھے اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس لمحے میرے چہرے پر کوفت سی نمودار ہوئی کیونکہ میں اس پراسرار شخص کا چہرہ اور اس پر ابھرنے والے تاثرات دیکھنے سے محروم تھا۔ وہ کچھ لمحے میری جانب دیکھتا رہا پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میں ابھی تک تمہاری اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھا؟'' وہ شاید تذبذب کا شکار ہوگیا۔ جبکہ میں اس کی بات سن کر قریباً سٹپٹا گیا۔ میں نے اسے اپنی غلطی محمول کیا کہ مجھے پیکٹ دینے کے ساتھ ساتھ اس کی بابت بتا دینا چاہئے تھا۔

''یہ تمہارے لئے ہے!'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''تمہارے بھائی طارنوش نے مجھے یہ پیکٹ اپنے مرنے کے بعد بھجوایا تھا اس کے ساتھ ایک خط تھا جس میں تمہارے متعلق لکھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیا تھا کہ میں مرنے والے کی اس امانت کو ہر قیمت پر منزل مقصود تک پہنچاؤں۔ اسی امانت کو میں پہنچانے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں روزانہ بلا ناغہ تمہاری دکان کے چکر کاٹتا رہا اگر میں چاہتا تو یہ پیکٹ تمہاری دکان میں پھینک کر اپنے وطن واپس روانہ ہو جاتا۔ مگر میری طبیعت اس امر پر راضی نہیں ہوئی۔ میں نے تمہیں مرحوم کی تمام حقیقت سے آگاہ کرنا لازمی سمجھا۔''

''اجنبی! تم نے بڑی مسرت آمیز خبر سنائی ہے۔ کاش میں اس سے پہلے ہی واقف ہو جاتا تو تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی اس قید سے نجات مل جاتی۔'' اس بوڑھے مصری کی آواز فرط جوش سے کانپنے لگی۔ میں یہ دیکھ کر بھونچکا رہ گیا کہ وہ اپنے بھائی کے مرنے کی خبر سن کر بجائے تاسف کرنے کے، بے حد خوشی کا اظہار کر رہا تھا حالانکہ اس وقت میں اپنے دل میں تعزیتی جملوں کو ترتیب دینے میں مصروف تھا۔

اچانک دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے چہرے پر گھونگھٹ کی طرح پڑے سیاہ لبادے کو ایک جھٹکے سے پیچھے الٹ دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ گویا آنکھیں پتھرا گئی ہوں۔ جسم میں سے کسی نے روح تک کھینچ لی ہو۔ میں حیرت کے جھٹکے سے دوچار تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی سی چھانے لگی۔ مجھے اس وقت اس قدر جانکاہ جھٹکا لگا کہ خود پر قابو رکھنا تو درکنار..... زمین پر لڑھکتے ہوئے اپنے جسم پر بھی کوئی اختیار باقی نہ رہا۔

جب مجھے ہوش آیا تو خود کو ایک بوسیدہ سی مسہری پر لیٹے پایا میں خود کو اس نامعلوم جگہ پر پا کر چونک اُٹھا۔ پھر دھیرے دھیرے میرے دماغ میں وہ سب واقعات گھوم گئے جن کے باعث میں اس بے ہوشی کا شکار ہوا تھا۔ اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے سر کو سہلا رہا ہے میں نے گھبرا کر یکدم آنکھیں کھول دیں۔ میرے سرہانے مصری کی پوتی مورتیب بیٹھی میرے بالوں میں اپنے نازک ہاتھوں کی انگلیاں چلا رہی تھی۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ چہرہ جو چند لمحے قبل میں نے دیکھا تھا۔ مورتیب کی طرح میرے لئے قطعی اجنبی نہیں تھا وہ طارنوش کا ہی چہرہ تھا..... وہ طارنوش جسے میں اپنے ہاتھوں سے زمین میں دفن کر آیا تھا وہ ایک بار پھر میرے سامنے زندہ سلامت موجود تھا۔ میرے ذہن

میں خوف کے مارے انجانے خطرات کے اندیشوں کی شدید آندھیاں چلنے لگیں۔ میں جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ دن بدن عجیب سے عجیب تر ہوتا جا رہا تھا۔ ایک مرا ہوا چہرہ اور وہی زندہ چہرہ..... ایک چہرہ دو لڑکیاں۔

میں نے یہ سن رکھا تھا کہ دنیا میں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی وقت آدمی ایک چہرہ دوبارہ کسی اور روپ میں دیکھ سکتا ہے مگر ایک سے ہی رشتے میں ایسی مشابہت میرے لئے یقیناً حیرت کا باعث تھی۔ جینوفر اور مورتیب کا طارنوش اور اس کے بھائی سے ایک ہی رشتہ تھا۔ وہ دونوں پوتیاں تھیں۔ میں خیالات کی رو میں بھٹک کر اس قدر مضمحل ہو گیا کہ میرے سر میں درد کی شدید ٹیسیں اُٹھنے لگیں اسی وقت مورتیب گرم گرم قہوہ لے کر آ گئی۔ جانے کب وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ مجھے کچھ خبر نہیں۔

میں واقعی اس وقت قہوے کی سخت ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھوں سے قہوے کی پیالی لی اور دو تین بڑے گھونٹوں میں خالی کر کے اس کی جانب بڑھا دی۔ اس نے قہوے کی کیتلی سنبھالتے ہوئے مزید قہوے کا پوچھا تو میری گردن اثبات میں جھک گئی۔ کیتلی میں سے مزید قہوہ میری پیالی میں کب انڈیل دیا گیا مجھے یاد نہیں کیونکہ میں اپنے ذہن کو بار بار ان پراسرار واقعات کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے سے بچا نہیں پایا۔ میں بے خیالی میں گرم قہوہ حلق میں اتارتا رہا۔ میرے ذہن میں بے شمار سوالات کیڑوں مکوڑوں کی طرح کلبلانے لگے تھے۔

اچانک میرے کندھوں پر کسی مضبوط گرفت نے مجھے حقیقی دنیا میں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے چونک کر دیکھا تو طارنوش کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ چہرے کی سرخ رنگت اس کی اچھی صحت کی ضامن تھی۔ بڑا سا سر اور لمبی گردن اسے دیکھنے میں مضحکہ خیز بنا دیتی۔ اس کے چہرے پر داڑھی کے نام پر گنتی کے بال تھے۔ میں اس کی صورت کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

''اجنبی!'' اس کی نرم آواز میرے کانوں میں پڑی۔ ''میں تمہاری کیفیت سے بخوبی آگاہ ہوں اور جانتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں اس وقت کیا آفت برپا ہے؟ خود کو سنبھالو۔ ابھی کچھ ہی دیر میں تم ساری حقیقت سے واقف ہو جاؤ گے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''مم.....مم.....میں.....!'' لفظ گویا میرے حلق میں پھنس چکے تھے۔

''اطمینان رکھو.....اجنبی! اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔'' مصری طارنوش مسکرا کر بولا۔

''ہونہہ!'' مجھے ایک گہرا سانس اپنے پھیپھڑوں سے خارج ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ یہ سب حقیقت ہی تھی۔ میں کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ شاید اسے میری حالت پر ترس آ گیا اس لئے وہ جلد ہی مطلب کی بات پر آ گیا اس نے مجھے خاموشی سے تمام واقعات سننے کی ہدایت کی۔

''میرا نام طارنوش منوف ہے!'' وہ بوڑھا مورتیب کے جانے کے بعد بولا۔ ''میں چار ہزار سال سے زندہ ہوں۔ میں عظیم خوفو کا سب سے بڑا پجاری ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ عظیم خوفو بہت اولوالعزم اور نیک نائب تھا جسے آسمانی رب آمن رع نے اس زمین کی حکمرانی بخشی تھی۔ اس نے خدائے آمن رع کو خوش کرنے کے لئے سب سے بڑا اہرام بنایا جہاں وہ اپنے رب سے باتیں کیا کرتا تھا۔ میں اس کے بے حد قریب رہا کرتا تھا۔ میں نے ایک دن عظیم خوفو سے درخواست کی میرے ذمے کاموں کی اتنی بھرمار ہے کہ میں ان کی انجام دہی میں تھک جاتا ہوں۔ جس پر اس نے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے ایک اپنے جیسا شخص چاہئے جو میری غیر موجودگی میں میرے کاموں کو بخوبی احسن نبٹا سکے۔ عظیم خوفو نے میری درخواست خدائے آمن رع کے حضور پہنچا دی اور پھر مجھے ایک ہمزاد نصیب ہوا۔ وہی ہمزاد جسے تم مل چکے ہو۔ ہم دونوں ایک ہی تصویر کے دو رُخ تھے۔ ایک ہی چہرہ.....ایک سے رنگ.....ایک ہی عادتیں.....سب کچھ ہم میں مشترک تھا۔

میں خدائے آمن رع کا بے حد مشکور ہوا۔ وقت گذرتا گیا عظیم خوفو اپنے رب کے پاس آسمان پر چلا گیا۔ کئی بادشاہتیں قائم ہوئی پھر ایک دن موسیٰ کا رب خدائے آمن رع پر غالب آ گیا اور ہر سو اس کی حکومت پھیلتی چلی گئی۔ آمن رع کے نائب اس دنیا میں آنا بند ہو گئے۔ میں اپنے ہمزاد کے ساتھ ساتھ ایک عرصہ تک بھٹکتا رہا۔ اگر میرا ہمزاد نہیں ہوتا تو میں بھی کب کا آسمان پر چلا گیا ہوتا مگر اس دنیاوی سہولت نے موت کو ہم سے چھین لیا تھا۔ جب تک میرا ہمزاد نہیں مرتا مجھے بھی موت نہیں آ سکتی تھی۔ جب پہلی جنگ عظیم ہوئی تو میرا ہمزاد مجھے لے کر انگلینڈ جانا چاہتا تھا میں نے اپنی سرزمین اور عظیم خوفو کے اہرام سے جدائی منظور نہیں تھی۔ اس ضمن میں ہم میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ میں نے خدائے آمن رع سے بار بار التجا کی کہ وہ مجھے

کوئی راہ سجھائے پھر ایک دن عظیم خوفو نے میرے خواب میں آمد کی اور مجھے مشورہ دیا کہ میں اپنے ہمزاد کے ساتھ ایک سمجھوتہ کر لوں۔ میں جب بیدار ہوا تو میں نے اس سے سمجھوتہ کر لیا کہ جب تک وہ زندہ رہے گا میں اپنا چہرہ دنیا سے چھپائے رکھوں گا جب تک اس کے مرنے کی اطلاع نہیں ملے گی میرا چہرہ کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ اسی دن سے میں اس سیاہ لبادے میں ملبوس ہوں اور ہر وقت اپنا چہرہ چھپائے رکھتا تھا۔ لوگ اس حلئے کے باعث میرے قریب آنے سے گریز کیا کرتے اور مجھے کوئی جادوگر سمجھتے۔''

طارنوش منوف خاموش ہو گیا۔ قدرے توقف سے وہ دوبارہ بولا۔ ''تم پہلے دن میرے پاس آئے تو میں نے تم پر ذرا غور نہیں کیا اور آخری دم تک یہی سمجھتا رہا کہ تم شاید کوئی گاہک ہو جنوادرات کے چکر میں یہاں دکھائی دیتے ہو لہٰذا میں نے تمہیں ہر لحاظ سے بدگمان کرنا چاہا کہ تم یہاں آنا چھوڑ دو کیونکہ میرے پاس جو اشیاء ہیں وہ کوئی عام نہیں ہیں۔ مجھے یہ اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ یہ سب عظیم خوفو اور اس کے بعد ہونے والے فرعونوں کی نشانیاں ہیں۔ بھلا کوئی شخص اپنی نشانیوں کو کیسے بیچ سکتا ہے.....تف ہے مجھ پر کہ میں تمہیں پہچان ہی نہیں سکا۔ اپنے ایک ایسے محسن کو جو میرے لئے خوشخبری کی نوید لے کر آیا تھا۔''

''ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو!'' میرے لبوں سے نکلا۔ ''تمہیں برا نہیں ماننا چاہئے کیونکہ میں بہرحال ایک مسلمان ہوں اور کم از کم ایسی باتوں پر بالکل یقین نہیں رکھتا ہوں۔ جہاں تک ہمزاد والی بات ہے اسے میں تسلیم کر لیتا ہوں کیونکہ اس کی گنجائش ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ تم چار ہزار سال سے زندہ ہو۔ میرے لئے باعث حیرت ضرور ہو گا مگر میں اس پر تم سے متفق نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم موسیٰؑ کے خدا کے پجاری ہو۔ اس لئے میں تمہیں کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا چونکہ تم نے میرے لئے اتنے دن سکی اور تنگی برداشت کی ہے۔ اس لئے میرا فرض بنتا ہے کہ میں تمہاری مہمان داری کروں اور تمہیں عزت و احترام سے رخصت کر دوں۔'' طارنوش منوف کے لہجے میں بدمزگی سی عود کر آئی مگر ساتھ ہی اس کا رویہ ٹھیک ہو گیا۔

''میں تم سے ایک سوال کرنا چاہوں گا، کیا تم مجھے اس کا صحیح جواب دو گے؟'' میں نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ اب میرے ذہن پر لگی کئی گرہیں کھل چکی تھیں اس لئے میں پریشان نہیں تھا۔ میں نے پراسرار لوگوں اور ان کی قوتوں کے بارے میں مختلف کتابوں میں پڑھا تھا۔ دوسرا ہندومت میں ایسی باتیں کثرت سے پائی جاتی تھیں۔ میں نے انہیں شیطانی وسوسوں اور قوتوں پر گمان کیا۔

''ہاں..... ہاں! بلا تکلف پوچھو۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''تمہارا ہمزاد مجھے انگلینڈ میں اتفاقاً دوران سفر ملا۔ اس نے پہلی ہی نگاہ میں مجھے عجیب وغریب کہا۔ اس کے بعد جب تک وہ زندہ رہا اس نے مجھے اسی لقب سے یاد کیا اور اس کی موت کے ایک عرصہ بعد میں جب تم سے ملا تو تم نے بھی اسی خطاب سے پکارا۔ آخر مجھ میں ایسی کون سی بات ہے جو تم لوگوں کی نظر میں مجھے دوسروں سے الگ کر دیتی ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ میں ابھی تک اسی شش وپنج میں مبتلا ہوں۔'' میں نے قدرے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

ایک عجیب سی شیطانی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

''تم وہ نہیں ہو جو تم خود کو سمجھتے ہو.....!'' اس کے لہجے میں تاسف تھا۔

میں اس کی بات پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ یہی بات مجھے اس کے ہمزاد نے بھی ایک بار کہی تھی۔ وہ میری کیفیت سے شاید لطف اندوز ہو رہا تھا اسی لئے وہ خاموش ہو گیا۔

''تم درحقیقت موسیٰ کے رب کے پجاری نہیں ہو۔'' وہ بڑے پراسرار لہجے میں بولا۔

''تم خدائے آمن رع کے پجاری ہو۔ اس حقیقت سے صرف میں ہی واقف ہوں۔ تم اس سرزمین پر کئی بار جنم لے چکے ہو۔ کبھی اس ملک میں اور کبھی اُس ملک میں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری بات پر یقین نہیں آئے گا۔ تم عظیم خوفو کو بھی بھول چکے ہو جس کے دربار میں کبھی تم پروہت کے مقدس عہدے پر فائز تھے۔ تمہارا نام کورشچپ تھا۔ وہ تم ہی تھے جس نے اب شامخ کو قید کیا تھا۔ وہ تم ہی تھے جس نے عظیم آسمانی خون میں ملاوٹ نہیں ہونے دی تھی۔ اسی نیک کام کے باعث تم بدی کی قوتوں پر غالب آجاتے ہو۔ دشمن تمہارے پیروں تلے کچلے جاتے ہیں۔ کامیابی ہی کامیابی تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ میں تمہیں سب کچھ یاد دلا بھی دوں مگر افسوس تم اس پر یقین نہیں کرو گے کیونکہ تم پر موسیٰ کے رب کا سایہ اس قدر گہرا ہو چکا

ہے کہ تمہاری یادداشت سے خدائے آمن رع کا نام تک مٹ چکا ہے۔ اسی لئے میرے ہمزاد نے تمہیں عجیب کہا اور اسی لئے میں بھی تمہیں عجیب کہتا ہوں کہ تم کیسے شخص ہو، جو اپنے آقا سے منہ موڑ کر کسی دوسرے کی بانہوں میں جھول رہے ہو۔''

اس کی باتوں نے میرے دل ودماغ کی چولیں تک ہلا دی تھیں۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا کہ خود مجھے ایک دن آواگون سے سابقہ پڑ سکتا ہے۔ ایک ایسا نظریہ جس کا کوئی بین ثبوت آج تک دنیا میں نہیں مل سکا۔ جس کی مخالفت میرا مذہب کرتا ہے۔ یہ شخص بڑے اطمینان سے مجھے وہ سب کہہ رہا تھا جو میرے لئے ہر قیمت پر ناقابل یقین تھا۔ میں اب اس کی جانب سے مکمل طور پر برگشتہ ہو چکا تھا۔ خیر اس کے بعد میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ خود ہی اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا میں نے اس کی باتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی اور نہ ہی مجھے اس پیکٹ کے بارے میں کچھ علم ہو سکا کہ اس میں کیا تھا؟

اس نے خود ہی کچھ دیر بعد مجھے بتایا کہ میرے ہمزاد کی اگر کوئی اولاد ہوئی ہو تو ان کی صورتوں میں بھی مشابہت پائی جائے گی۔ جب تک میری اور اس کی اولادیں زندہ رہیں گی ایک سے چہرے اس دنیا میں دکھائی دیتے رہیں گے حالانکہ ان میں کوئی قریبی پہچان یا رشتہ داری نہیں ہوگی مگر دیکھنے والے ان میں اگر کسی کو دیکھیں گے تو حیرت سے دنگ رہ جائیں گے۔ ایک سے چہرے اس دنیا کے لئے میری جانب سے ایک ایسا تحفہ ہیں جو خدائے آمن رع کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے میں اس کی بات پر خاموش ہی رہا اس کے بعد اس نے استفسار کیا کہ کیا میرے ہمزاد کی کوئی اولاد میری نگاہوں سے گذری ہے تو میں نے اس کے بیٹے سے مختصراً ملاقات کا ذکر کیا۔ جانے کیونکر میں جینوفر کا ذکر سرے سے ہی گول کر گیا۔ میں نے اسی شام اس سے اجازت طلب کی مگر اس نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا اور یہ واہیات منطق پیش کی اگر میں اپنی سلامتی چاہتا ہوں تو ایک ہفتے کے بعد ہی وہاں سے کوچ اختیار کروں۔ میں نے بے حد اصرار کیا مگر اس کے سامنے میری ایک نہیں چلی۔ مجبوراً مجھے ایک ہفتہ وہیں گذارنا پڑا۔ اس نے میرا سامان ہوٹل سے منگوالیا۔

اس کے گھر میں اس کی پوتی مورتیب کے سوا کوئی اور فرد نہیں تھا۔ اس کا بیٹا اور بہو ایک کار ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو چکے تھے۔ مورتیب اسے پانچ سال کی عمر میں ملی تھی۔ جسے اس نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بڑے لاڈ و چاؤ سے پال پوس کر جوان کیا۔ عالم جوانی میں قدم رکھتے ہی اس پر ایسا شباب آیا تو کہ دیکھنے والے بے خودی میں اپنی انگلیاں کاٹ کر رہ جاتے۔ اس کے کسی پرکار سے سجے ہوئے خدوخال میں ایسی لچک تھی کہ دل پہ بجلیاں سی کوندنے لگتیں۔ میں نے وہاں رہ کر اس کا جائزہ لیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ جینوفر سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی۔ بے شک اسے اور جینوفر کو ایک ہی چہرہ نصیب ہوا تھا مگر دلکشی میں مورتیب اس سے بدرجہا بہتر تھی۔ بوڑھے طارنوش منوف کا پراسرار انداز ہی اس کی حفاظت کا ساماں تھا۔ کوئی بھی شخص اس کی جانب نگاہ غلط ڈالنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اکیلی ہی بازار جاتی اور خرید و فروخت کیا کرتی۔

میں نے دکان کے عقب میں موجود طارنوش منوف کے گھر کا جائزہ لیا تو اسے بھی دکان کی طرح بوسیدہ پایا۔ یہاں دکان کی نسبت روشنی بے حد کم تھی۔ پچھلی دیوار پر چند تصاویر آویزاں تھیں۔ جن کے بارے میں مجھے مورتیب نے بتایا کہ وہ فرعون خوفو اور اس کے خاص مصاحبوں کی ہیں۔ طارنوش منوف بظاہر غریب تھا لیکن اس کی پوتی بازاروں میں جو بڑی رقم خرچ کرتی تھی۔ اس کی آمد کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ مجھے خیال آیا ممکن ہے کہ وہ بوڑھا کسی خزانے کے بارے میں جانتا ہو اور وہاں سے اپنی پوتی کی ضروریات پوری کرتا ہو۔ اس کا ایک دن غائب ہو جانا بڑا پراسرار راز تھا لیکن اس خیال کو خود ہی جھٹک دیتا کہ خزانے میں کوئی آج کل کی کرنسی تھوڑی موجود ہے۔ میں ایک بار اس کے تعاقب میں گیا تھا کہ شاید اس کے دفینے کے متعلق کوئی آشنائی پالوں مگر مجھے اس وقت شدید ناکامی ہوئی جب وہ پراسرار طور پر میری نظروں کے سامنے ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ میں نے اسے فریب نظر قیاس کیا اور واپس لوٹ آیا اسی دن میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے کم از کم اپنی واپسی کی ٹکٹ تو خرید لینی چاہئے لہٰذا میں اگلے دن قاہرہ پہنچا اور پاکستان کے لئے ایک ہفتہ بعد کی سیٹ کنفرم کرائی۔ میں اسی شام واپس لوٹ آیا۔ طارنوش منوف کے استفسار پر میں نے اسے واپسی کے بارے میں آگاہ کیا کہ مجھے لوازمات کی تکمیل دہی کے لئے میرا پہلے قاہرہ جانا ضروری تھا جس پر وہ مطمئن ہو گیا۔ میں نے جان بوجھ کر اسے اپنی واپسی کی تاریخ سے آگاہ نہیں کیا اور نہ ہی اس نے جاننے کی کوشش کی۔

وہ اپنے پراسرار سیاہ لبادے سے باہر نکل کر کافی مسرور دکھائی دیتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر دن کے وقت بھی کہیں چلا جاتا ورنہ پہلے تو یہ حال تھا وہ شاذ و نادر ہی گھر سے نکلا کرتا۔ اس

کی اس زبردست تبدیلی کا ذمہ دار اس کے ہمسایوں نے مجھے ٹھہرایا تھا جبکہ میں ہی وہ واحد شخص تھا جو کہ اس پراسرار معاملے کی حقیقت سے آگاہ تھا۔ ایک دن میں نے مورتیب کو احساس دلایا کہ گھر و دکان کی بوسیدگی اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ جس پر اس نے اپنے بوڑھے دادا کی توجہ مبذول کرائی۔ طارنوش منوف نے گھر کی آرائش و صفائی کی اجازت تو دے دی مگر دکان کے معاملے میں بضد رہا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر اس کے عقبی جانب واقع گھر کو نئی دلکشی بخشی۔ اس تمام کام کے دوران طارنوش منوف ہمارے سروں پر موجود رہا۔ اسے میری طرف سے یا کسی نادیدہ دشمن سے شاید کوئی اندیشہ تھا جسے میں سمجھ نہیں سکا۔ دیواروں پر نئے پینٹ سے بوسیدہ گھر پر چھائے اندھیرے کا خاتمہ ہو گیا۔ دو دن اسی بھاگ دوڑ میں گذر گئے۔

ایک دن میری نگاہ ایک پرانی بوسیدہ سی تصویر پر پڑی جو طارنوش منوف سے کافی مشابہت رکھتی تھی۔ میں نے طارنوش منوف سے پوچھنا چاہا مگر وہ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا لہٰذا اس بارے میں مجھے مورتیب سے مدد لینا پڑی۔ وہ میری اس بے چینی پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بتایا۔

''یہ تصویر اس کے دادا میں مشابہت تو رکھتی ہے مگر درحقیقت ان کی نہیں ہے بلکہ فرعون خوفو کے ایک بڑے مصاحب کی ہے۔ جس کا نام گہرمنپ تھا۔ وہ بڑا صاحب عالم اور ذی مرتبہ شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ بذات خود فرعون مصر اس سے بڑا خوفزدہ رہتا تھا کیونکہ اس کے پاس بہت سی پراسرار قوتیں تھیں۔''

میں اس کی بات سن کر بظاہر خاموش رہا۔ میں اب اچھی طرح جان گیا کہ یہ تصویر واقعی طارنوش منوف کی ہی ہے۔ اس نے اپنی حقیقت صرف مجھ پر منکشف کی ہے ورنہ اسے ہر کوئی طارنوش منوف کے نام سے ہی جانتا ہے۔ مجھے اس تصویر کے دائیں جانب ایک دلکش، حسین و جمیل دوشیزہ کی تصویر دکھائی دی۔ جس کے رنگ کسی بھی طرح پھیکے نہیں پڑے تھے۔ میں نے قیاس کیا کہ شاید یہ طارنوش منوف کی بہو یعنی مورتیب کی ماں کی تصویر ہو گی۔ میں نے جب اس ضمن میں مورتیب سے سوال کیا تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''بے وقوف اجنبی! یہ میری ماں کی نہیں ملکہ مصر راب شامخ ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں برس بیت جانے کے بعد آج بھی زندہ ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں راب شامخ کے نام پر چونک سا گیا۔ یہ نام طارنوش منوف میرے سامنے کئی بار لا چکا تھا۔ میں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ راب شامخ واقعی بے حد خوبصورت عورت تھی۔ میں نے بظاہر لاپروائی کا مظاہرہ کیا اور ان تصویروں پر کئی ایسے جملے کسے کہ وہ لوٹ پوٹ کر رہ گئی۔ اس کے دادا نے حقیقت چھپانے کے لئے کئی بے سروپا کہانیاں مورتیب کے نوخیز ذہن میں جمادی تھیں جن میں میں نے سچائی کہیں کہیں مبہم سی موجود پائی۔

میں نے انہی دنوں نہایت خاموشی سے طارنوش منوف کی شخصیت کے بارے میں پورے قصبہ الرفاعیہ میں معلومات حاصل کیں جن کا لب لباب یہی تھا کہ یہ بوڑھا نہایت خود سر اور کامل فراڈ ہے۔ اس کی دکان میں موجود تمام نوادرات جعلی ہیں کیونکہ اسے کبھی بھی کوئی نوادر لاتے ہوئے کسی نہیں دیکھا تھا۔ ان کے خیال میں تمام نوادرات اس نے اپنے گھر میں ہی تخلیق کئے تھے۔ دو نسلوں کے فرق کے باعث وہ اپنے بزرگوں سے سنی سنائی باتوں کے مطابق عجیب وغریب قصے انہیں سناتا رہتا تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ طارنوش منوف ان لوگوں کے تخیل سے کہیں زیادہ پراسرار اور خطرناک شخص ہے۔ وہ کس طرح اتنے طویل عرصے سے زندہ ہے۔ جس کا وہ میرے سامنے دعویٰ کر چکا تھا۔ وہ میرے لئے اچنبھے کا باعث تھا۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی غیر انسانی فعل کا مرتکب ہو کر یہ طویل زندگی حاصل کر سکا ہو۔ جو بھی تھا میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ میں جانتا ہوں یہ سب شیطانی امور ہیں۔

طارنوش منوف سے میری ملاقات اب کم ہی ہوتی تھی۔ میں نہیں جان سکا کہ وہ آج کل کن چکروں میں مصروف رہتا ہے۔ اس نے ایک دو بار خدائے آمن رع کا تذکرہ چھیڑنے کی کوشش کی۔ وہ مجھے میرے ماضی کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا مگر میری جانب سے بے زاری پا کر وہ شاید بجھ سا گیا اور میری عدم دلچسپی کے باعث اس نے میرے سامنے یہ ذکر ہی ختم کر دیا۔ میں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس کی ان بیہودہ اور بے سروپا باتوں سے میری جان چھوٹ گئی۔

ممکن تھا کہ میں طارنوش منوف کے گھر کو کبھی کا خیر باد کہہ چکا ہوتا مگر مورتیب ہی میرے قیام کا سبب بنی ہوئی تھی۔ وہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی چلبلی طبیعت کی مالک تھی۔ اس کی معصوم باتیں کبھی کبھی میرے دل پر ایسے وار کرتی کہ میں گھائل ہو کر رہ جاتا۔ میں اس کی

اداؤں پر قریباً فدا سا ہو چکا تھا۔ اگر وہ مسلمان ہوتی تو ممکن تھا میں اسے کب کا بوڑھے طارنوش منوف سے مانگ چکا ہوتا۔ میں یہ بات بھی جانتا تھا کہ اگر کبھی میرے لبوں پر معصوم مورتیب کا نام آیا تو وہ پراسرار بوڑھا یقیناً اپنی شرائط کا ملمبہ ڈالنے سے گریز نہیں کرے گا اور وہ شرائط کیا ہو سکتی تھیں، میں ان سے بخوبی واقف تھا۔ پھر ایک دن میں نے مورتیب کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کا کامل ارادہ کر لیا۔ دن کب گذر گئے، مجھے ان کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب میری فلائٹ تھی۔ میں اس دن بڑے آرام سے بیدار ہوا۔ شاید سفر کی طوالت اور تکان کا اندیشہ تھا اسی لئے دیر تک سوتا رہا۔ میں نے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور بوڑھے طارنوش منوف کے پاس چلا آیا تا کہ اسے اپنے رخصت ہونے کی اطلاع دوں مگر وہ صبح سویرے ہی بڑے اہرام یعنی فرعون خوفو سے ملاقات کے لئے جا چکا تھا۔ میں نے اسے اتفاق سمجھا اور خود کو کوسنے لگا کہ اگر میں رات کو ہی اسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتا تو اچھا ہوتا لیکن ساتھ ہی میرے دل میں یہ خدشہ بھی سر اُٹھا رہا تھا کہ اسے بتانا شاید ٹھیک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے بیہودہ توہمات میں سے کوئی نہ کوئی وہم ضرور میرے ذہن میں ڈالنے کی کوشش کرتا۔ میں نے اس معاملے کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ مجھے یوں پریشان ہونے کی کیا مصیبت پڑی ہے؟ آخر میرا اس بوڑھے مصری سے کیا رشتہ ہے؟

میں نے اپنے سفر کی تیاری تو رات ہی کو مکمل کر لی تھی۔ مورتیب نے میرے سامنے ناشتہ لگایا تو اس کا معصوم چہرہ دیکھ کر جانے کیوں میرے دل پر ضرب سی لگی۔ میں اسے آگاہ کرنا چاہتا تھا کہ میں آج ہمیشہ کے لئے یہاں سے جا رہا ہوں مگر میں ایک لفظ بھی اس کے سامنے ادا کر نہیں پایا۔ میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں اپنے لئے خاص لگاؤ میں دو دن پہلے محسوس کر چکا تھا۔ وہ اب میری جانب مائل تھی اور میں اس سے دور بھاگنا چاہتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ وہ خبیث بوڑھا تھا جسے میں پہلے بے حد اچھا سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ اپنے ہمزاد سے بھی گری ذہنیت کا مالک تھا۔

میں مصری طارنوش کے کمرے میں تنہا موجود تھا۔ مورتیب کچھ سامان لینے کے لئے بازار چلی گئی۔ میری نگاہیں اس بوسیدہ مکان کے در و دیوار پر الوداعی انداز میں گھومتی چلی گئی۔ میری نظر ایک بار پھر طارنوش منوف کی پرانی تصویر پر آ کر ٹھہر گئی جسے مورتیب نے خوفو کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مصاحب خاص بتایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ میں نے غور سے دیکھا..... وہ واقعی بوڑھے طارنوش منوف ہی کی تصویر ہے۔ جانے کس لمحے میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس تصویر کے پاس پہنچ گیا۔ کافی دیر تک میں اس میں کھویا رہا کہ اچانک میرے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے برابر میں موجود تصویر نے میری جانب پتلیاں گھما کر دیکھا ہو۔ میں غیر ارادی طور پر اس طرف دیکھنے لگا۔ وہ مصری ملکہ راب شامخ کی تصویر تھی۔ مجھے ایک لمحے کے لئے یہ سب اپنا وہم لگا کیونکہ وہ تصویر میں اسی طرح ساکت تھی جیسے میں نے اسے کچھ دن پہلے دیکھا تھا۔

میں نے بوڑھے کے اس مکان کو آسیبی کہہ کر دوبارہ وسط میں پڑی کرسی پر نشست سنبھال لی۔ میں اب صرف وقت پاس کر رہا تھا کیونکہ میری فلائٹ میں پورے چار گھنٹے باقی تھے۔ قاہرہ تک پہنچنے میں صرف ایک گھنٹہ لگتا تھا۔ اسی دوران طارنوش منوف بھی آجائے۔ میں انہی بکھیڑوں میں الجھا اپنا سر گردن پر گھمانے لگا۔ انتظار کبھی کبھی بے حد لمبا ہو جاتا ہے۔

یکا یک میرا دل بیٹھ سا گیا کیونکہ میں نے ایک بار پھر راب شامخ کی تصویر میں عجیب سی کیفیت دیکھی تھی۔ میں نے اب اپنی دونوں آنکھیں ملیں اور اس تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ راب شامخ کی آنکھوں میں بعینہٖ ایسی چمک پیدا ہو چکی تھی جیسی کہ زندہ عورت کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

میں اس بے جان سی تصویر میں اس قسم کی ہوشربا تبدیلی کو پا کر مضطرب سا ہو گیا۔ میرے دل و دماغ پر استعجاب کے پردے دبیز ہونے لگے۔ میں نے اپنے وجود کو زور سے ہلایا کہ شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں مگر یہ حقیقت ہی تھی کہ وہ تصویر میں زندہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔ اسی لمحے میرے ذہن میں مورتیب کی بات گونج اُٹھی۔

''سنا ہے یہ ملکہ ابھی تک زندہ ہے۔''

میرے دل و دماغ پر ایک نیا بوجھ آن پڑا۔ جس نے مجھے چند ہی لمحوں میں بوجھل کر دیا تھا حالانکہ میں صبح سے خود کو بے حد تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ دوپہر کی گہری خاموشی نے میرے رگ و پے میں ہیجان برپا کر ڈالا تھا۔ میں نے بار بار اپنے جسم پر چٹکیاں کاٹیں۔ اپنے بالوں کو سختی سے نوچا..... مگر یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ ایک ایسی حقیقت جسے میں فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

پھر اس لمحے مجھے اپنا دل اچھلتا ہوا محسوس ہوا جب راب شامخ کی آنکھوں کی حسین پتلیاں متحرک ہو گئیں۔ وہ پورے کمرے کا اس طرح معائنہ کر رہی تھی گویا وہ کمرے میں موجود تمام اشیاء و افراد سے واقفیت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ میں یہ منظر دیکھ کر دہل کر رہ گیا۔

ایک لمحے کے لئے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے جب اپنے ہاتھ آنکھوں پر سے ہٹائے تو شدت حیرت سے میرے تمام جسم کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ میں اب شاید پاگل ہونے کے قریب تھا۔

ملکہ راب شامخ کی تصویر اب بالکل ساکت و بے جان میرے سامنے موجود تھی۔ اس میں زندگی کی ہلکی سی بھی جھلک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ میں چند لمحے پہلے رونما ہونے والے واقعے پر مضطرب سا ہو گیا۔ دس پندرہ منٹ تک میری یہی کیفیت رہی پھر آہستہ آہستہ میری حالت قدرے سنبھلی۔ مورتیب ابھی تک بازار سے نہیں لوٹی تھی۔ میں اپنے آپ کو بے حد تنہا محسوس کرنے لگا۔ دل میں اس منحوس مکان سے فوراً نکل جانے کی خواہش اس قدر شدت سے اُٹھی کہ میں بے چین سا ہو گیا۔ میں نے تیزی سے اپنا سفری بیگ اُٹھایا اور دروازے کی جانب بڑھا۔

جانے کیا خیال اس وقت میرے دل میں آیا کہ میں انہی قدموں پر لوٹا اور ملکہ راب شامخ کی تصویر کے آبنوسی فریم کو دیوار سے اتار لیا۔ فریم کو ایک بڑے سے کاغذ میں لپیٹا اور اسے بغل میں دبایا اور میں طارنوش کے مکان سے نکل آیا۔ میں تیزی سے بس اسٹینڈ پر آیا جہاں خوش قسمتی سے قاہرہ جانے کے لئے بس تیار تھی۔ میں تیزی سے اس پر سوار ہوا۔ پھر بس چل پڑی۔ میرا دل احساس جرم سے دھڑک رہا تھا۔ کہیں بوڑھا طارنوش منوف مجھے راستے میں ہی نہ مل جائے۔ میں خوف کے منجدھار میں ڈوبا بخیریت قاہرہ پہنچ گیا۔ جب میں جہاز میں سوار ہو چکا تو میرے دل پر گہرا اطمینان چھا گیا۔ جانے کب میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ جب میں بیدار ہوا تو جہاز لاہور کے ائیر پورٹ پر اترنے کی تیاری کر رہا تھا..... اپنا وطن..... ایک خوشگوار سا احساس میرے دل میں کروٹیں لے رہا تھا۔''

''وکیل صاحب!'' سیف اللہ خان بولتے بولتے تھک گیا اس کی آواز میں نقاہت

نمایاں تھی۔ ''ایک گلاس پانی اور دیجئے۔''

حسن مراد اس کی بات پر چونک سا گیا۔ وہ اس کی داستان سننے میں اس قدر منہمک تھا کہ یہ جملہ اس کے انہماک کو توڑ نہ سکا لیکن پھر ہوش میں آ کر اس نے تیزی سے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔ سیف اللہ خان تھکے تھکے انداز میں پانی پینے لگا۔ پانی پیتے ہوئے اس کے ماتھے پر پسینے کی کئی بوندیں پھوٹ پڑیں۔ اس نے میز پر پڑے ٹشوز بکس میں سے ٹشو پیپر نکالا اور ماتھا صاف کرنے لگا۔ پانی پینے کے بعد جانے کیوں اس کی سانس پھول گئی۔ حسن مراد بھی اس نئی تبدیلی پر پریشان دکھائی دینے لگا۔

''پھر کیا ہوا؟''..... حسن مراد نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔ اسے ابھی تک اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکا تھا۔ بہرکیف وہ یہ ضرور اندازہ لگا چکا تھا کہ اس کہانی کا انجام اب ہونے والا ہے کیونکہ سیف اللہ خان جن دنوں کے الیکشن کی بابت بتا رہا تھا وہ ابھی منعقد ہونا تھے۔

''پھر.....!!!'' وہ دیوار میں نظریں گاڑتا ہوا بولا۔ ''وطن میں پہنچ کر میں ان سب باتوں کو محض ایک ایڈونچر سمجھ کر فراموش کر گیا حالانکہ کبھی کبھی میں جب تنہائی میں ہوتا تو گذرے ہوئے پراسرار واقعات میرے جسم میں ایک مرتبہ سنسنی ضرور دوڑا دیا کرتے۔ آپ جانتے ہیں کہ الیکشن سر پہ ہیں لہٰذا میں یہاں آ کر الیکشن کی تیاری میں جت گیا۔ میرے قدآور سیاسی آقا نے جو کہ میرا دوست بھی ہے۔ اس نے مجھے لاہور کی ایسی نشست پر کھڑا کر دیا جہاں سے میرا جیت جانا معمولی بات تھی۔ میں نے ملکہ راب شامخ کی تصویر کو اپنے فلیٹ کے بیڈروم میں آویزاں کر دیا۔ میں اکثر رات کے وقت اس تصویر کو غور سے دیکھتا مگر اب اس میں ایسی بات نہیں دکھائی دی کہ وہ زندہ عورت ہو۔ میں نے بیتے ہوئے اُن سب حالات کو طارنوش منوف کی پراسرار قوتوں کا منبع قرار دیا جو میری نظر کا خلل بنیں۔

پچھلے دنوں جب میں الیکشن کے سلسلے میں ایک جلسے میں شرکت کے لئے اپنے حلقے میں پہنچا۔ وہاں سب لوگ میری آمد پر بے حد مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ میں ان کی نادانی پر زیر لب مسکرایا کہ وہ جس شخص کی آمد پر اس قدر خوش ہیں وہ جیتنے کے بعد شاید ہی انہیں دکھائی دے۔ میں کوئی سوشل ورکر ٹائپ کا بندہ نہیں ہوں کہ الیکشن جیتنے کے بعد علاقے کی خدمت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں جت جاتا بلکہ یہ الیکشن تو میں اپنی حفاظت کے پیش نظر لڑ رہا تھا۔ میرے جرائم کی فہرست کہیں دوبارہ کھل نہ جائے۔ اسی خدشے کے پیش نظر میں اپنے سیاسی آقا کی ہر بات تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ اسے بھی وزارت عظمیٰ کی ہوس ہے اور یہ ہوس اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب اس کے پاس اپنے زرخرید نمائندے ہوں جو بوقت ضرورت اس کی ہر بات کو اپنی بند آنکھوں سے تسلیم کر سکیں۔

میں نے جلسے میں اپنے حامیوں کی دھواں دار تقریریں سنی تو دل ہی دل میں عش عش کر اُٹھا۔ اگر سب لوگ ان باتوں پر درحقیقت پوری دیانتداری سے عمل کریں تو شاید اس ملک کی قسمت سنور جائے مگر یہ باتیں صرف دل پر خوش کرنے اور ذہن کو طفل تسلی دینے کے لئے ایسے جلسوں میں کی جاتی ہیں۔ جب میری باری آئی تو بڑے رعب سے اُٹھا اور مائک کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ لوگ میرے نام کے نعرے یوں لگا رہے تھے جیسے وہ میرے دیوانے ہوں۔ میں نے اپنے دل میں عجیب سی تقویت محسوس کی۔ میری انا کو اس مرحلے پر تسکین مل رہی تھی۔ میں ابھی تقریر شروع کرنے بھی نہیں پایا تھا کہ لوگوں میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ لوگ وسط میں سے یوں دور ہٹتے چلے گئے جیسے کائی پھٹتی ہے۔ میں حیران و ششدر کھڑا نئی پیدا ہونے والی عجیب سی صورت حال میں خود کو بالکل چغد محسوس کرنے لگا۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک ساتھی سے کہا کہ وہ فوراً وہاں جا کر دیکھے کہ کیا مسئلہ ہے؟

کہیں کسی نے بم وغیرہ تو نہیں رکھ دیا۔ لوگوں کے چہروں پر خوف و پریشانی سے میں نے یہی اندازہ لگایا۔ یہ بات اور تھی کہ بم کے خیال سے میں اندر ہی دہل کر رہ گیا۔ چند ہی لمحوں میں مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کسی نوجوان لڑکی کی لاش موجود ہے جس کے جسم سے تازہ خون بہہ رہا ہے۔ میں نے فوری اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ کا گھیراؤ کر لیں جب تک پولیس نہیں آ جاتی کسی کو بھی اس طرف نہ آنے دیں۔ خیر جلسہ کا رنگ تو پھیکا پڑ گیا مگر میرے ساتھیوں نے اسے مدمقابل کی شرارت قرار دے کر میری مقبولیت میں مزید اضافہ کر دیا۔

میں اسٹیج سے اتر کر اس جانب بڑھا جہاں لڑکی کی لاش موجود تھی۔ لوگ حقیقت جاننے کی غرض سے میرے پیچھے لپک رہے تھے۔ جنہیں میرے حواریوں نے بڑی مشکل سے روکا۔ میں چلتے چلتے انہیں لاش سے دور رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔ میں جب اس جگہ پہنچا تو میں نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی منہ کے بل زمین پر پڑی ہے اس کی کمر میں دستے تک خنجر گھونپا گیا ہے اور خون ابھی تک بہہ رہا تھا۔ میں اس پر جھک گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے اس لئے غیر ارادی طور پر میں نے اس کی کلائی تھامی اور نبض کی رفتار ڈھونڈنے لگا مگر وہ تو کب کی ڈوب چکی تھی۔

اچانک مجھے ایسا احساس ہوا کہ جیسے یہ بازو میرے جانے پہچانے ہیں۔ میں اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ اس کا چہرہ دیکھوں یا پولیس کے آنے تک اسے اسی حالت میں رہنے دوں۔ میرے ہاتھ غیر شعوری طور نوجوان لڑکی کی لاش کو سیدھا کرتے چلے گئے۔ اس کا شناسا چہرہ دیکھتے ہی مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے تیزی سے اپنے قریب کھڑے کسی ساتھی کے جسم پر ہاتھ رکھ کر خود کو گرنے سے بچایا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں اس وقت کس کیفیت سے دوچار تھا اب بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے غیر شعوری طور پر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ ہے۔ میں نے نہایت احتیاط سے اس کے ہاتھوں میں ایک کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ میری اس حرکت کا کسی کو بھی نہیں پتہ چل سکا۔ لوگ اوپر ٹوٹ رہے تھے جبکہ میں اب کچھ کہنے سے بھی قاصر تھا۔"

سیف اللہ خان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، ایسا لگتا تھا کہ اس نوجوان لڑکی سے اسے بے حد لگاؤ تھا جس کا صدمہ وہ اپنے اس آخری وقت میں بھی برداشت نہیں کر پایا۔

"کہیں تم اس پراسرار لاش کا ذکر تو نہیں کر رہے جس کا مختصر ذکر دو ایک دن اخباروں میں بھی آیا تھا مگر اس کا کوئی وارث نہیں مل سکا اور اسے نامعلوم قرار دے کر مردہ خانے بھجوا دیا گیا اور اس قتل کی فائل بند کر دی گئی۔" حسن مراد چونک کر بولا۔

"جی ہاں وکیل صاحب!" سیف اللہ خان اپنی آنکھیں خشک کرتا ہوا بولا۔ "آپ شاید جاننا چاہیں گے کہ وہ لاش کس کی تھی؟"

"شاید نہیں یقیناً......!" حسن مراد جلدی سے بولا۔

"وہ لاش میری آخری مہربان اور مجھ پر فریفتہ ہونے والی بدنصیب مور تیب کی تھی۔ میں اس کی لاش دیکھ کر بڑے صدمے سے دوچار ہوا۔ اتنے میں پولیس آ گئی۔ اس نے اپنی رسمی

کارروائی پوری کی اور لاش وہاں سے اٹھوا لی گئی۔ اس سلسلے میں پولیس نے کئی حربے استعمال کئے مگر وہ کوئی سراغ نہ لگا سکی۔ آخر وہ سراغ کیسے لگاتی اسے یہ تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ لڑکی پاکستانی ہی ہے یا کوئی غیر ملکی۔ میں دو دن تک اپنے کمرے میں بند رہا۔ اس کا معصوم چہرہ اور شرارتیں میرے دل پر چرکے لگاتی رہیں۔ میں نے اس تمام واقعے کا ذمہ دار راب شانخ کی اس تصویر کو ٹھہرایا جو کہ میں وہاں سے چرا لایا تھا۔ شاید بوڑھے مصری طارنوش منوف نے اسے اسی بات کی سزا دی تھی۔ اس لاش کا یہاں ملنا صاف ظاہر کرتا تھا کہ وہ خبیث بوڑھا یہاں پہنچ چکا ہے اور اس نے جان بوجھ کر اسے ہلاک کر کے میرے ہی حلقے میں پھینکوایا۔ میں نے تمام لوگوں سے معذرت کی جو کہ الیکشن کے سلسلے میں روز میرے گھر کی چوکھٹ پر حاضری دیتے۔ طبیعت کی خرابی کا عذر پیش کر کے انہیں چلتا کیا۔ اسی دن میں نے ٹھان لیا کہ اب الیکشن نہیں لڑوں گا۔ میں نے اپنا فیصلہ دوٹوک انداز میں اپنے سیاسی آقا کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ میری اس حرکت پر جہاں حیران و پریشان ہوا۔ وہیں اس نے خاصی برہمی کا مظاہرہ بھی کیا اور مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھجوا دینے کی دھمکی بھی دی۔ میں اب اتنا ٹوٹ پھوٹ چکا تھا کہ زندہ رہنے کی حسرت دل کے کسی کونے میں باقی نہیں رہی۔ میں نے اپنے سیاسی آقا سے انگلینڈ جانے کی اجازت مانگی تو اس نے ایک عجیب سی شرط میرے سامنے رکھ دی جس پر میں بھڑک اٹھا۔ حالانکہ یہ کام میں پہلے بڑی دلچسپی سے کیا کرتا تھا مگر اب جانے کیوں اس سے بھی طبیعت اچاٹ ہو چکی تھی۔ اس نے کہا کہ میں اس کے مدمقابل حریف کو اغوا کر لوں اور اسے اس وقت تک رہا نہ کروں جب تک وہ میرے حق میں بیٹھ جانے کا اعلان نہ کر دے۔ صرف یہی صورت تھی۔ میں اس کے چنگل سے اور ملک سے ہمیشہ کے لئے باہر نکل جاتا۔ میں نے کافی بحث کی مگر وہ کسی اور صورت میں تیار ہی نہیں تھا لہٰذا مجھے طوعاً و کرہاً اس کی بات ماننا پڑی۔ میں نے اگلے ہی دن اپنا کام شروع کر دیا۔ اپنے سیاسی آقا کے حریف کو اس صفائی سے اغوا کیا کہ کسی کو محسوس ہی نہ ہو سکا کہ وہ اتنی دیر تک محبوس رہا ہو گا۔ اس پر ایسا شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ خود ہی میرے ساتھ گیا اور اپنے کاغذات نکلوا کر میری منشاء کے مطابق اعلان کر کے الیکشن سے دستبردار ہو گیا۔ اس خوشی میں مجھے میرے سیاسی آقا نے انگلینڈ کا ویزہ نکلوا دیا۔ میں اب انگلینڈ جانے کے خواب دیکھنے لگا کم از کم میں اس خبیث طارنوش منوف کے پنجے سے تو محفوظ رہ سکوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گا۔

پھر ایک دن میرے پاس میرا ایک پرانا دوست چلا آیا۔ وہ بھی الیکشن میں حصہ لینا چاہتا تھا مگر اس کے باپ نے اسے سختی سے منع کر رکھا تھا حالانکہ وہ خود قومی اسمبلی کی سیٹ پر امیدوار کھڑا تھا۔ وہ میرے پاس آ کر جب بے حد رویا چلایا تو مجھے اس پر بے حد ترس آیا۔ میں نے اسے ایک ایسی ترکیب بتائی کہ وہ حیرانگی سے میرا منہ دیکھنے لگا۔ اس کے گھر کے تھوڑے بہت حالات میرے علم میں تھے۔ جدید حالات سے آگاہی کے بعد میں نے اسے ایک پورا منصوبہ بنا کر دیا جس پر وہ میرا بے حد مشکور ہوا۔ اگلے دن اس نے منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے امیدوار باپ کو قتل کروا دیا اور سارا الزام حریف امیدوار پر ڈال دیا۔ جس سے بڑی افراتفری مچی۔ خیر اس کے باپ کا مخالف امیدوار تو اس الزام سے بچ گیا پولیس نے اپنی تفتیش کے بعد ایک معصوم نوجوان کو دھر لیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ سارے حالات و واقعات اس نوجوان کے خلاف ثابت ہوئے۔"

"کہیں تمہارا اشارہ مقتول عبدالرحمٰن چغتائی کی طرف تو نہیں ہے؟" حسن مراد نے چونک کر پوچھا۔ اس کے چہرے پر پڑی شکنیں گہری ہو گئیں۔

"یار وکیل صاحب! کبھی کبھی تم لوگ مجھے جادوگر لگتے ہو کہ لفظ دوسرے کے منہ میں ہوتے ہیں اور تم نتیجے تک پہنچ جاتے ہو۔" سیف اللہ خان ہنستا ہوا بولا۔ یہ الگ بات تھی یہ ہنسی اس کے لئے مفید ثابت نہیں ہوئی۔ اسے کھانسی کا دورہ پھر پڑ چکا تھا۔ حسن مراد نے تیزی سے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھایا۔ جسے وہ بڑی بے صبری سے اپنے حلق میں انڈیلتا چلا گیا۔ کچھ لمحوں بعد اس کی طبیعت بہتر ہوئی تو اس نے اپنی بات کو آگے بڑھایا۔ حسن مراد نے اس معاملے پر مزید کوئی بات نہیں کی جو سوال وہ جاننا چاہتا تھا وہ اسے مل چکا تھا۔

"ہاں میرا وہ دوست عبدالرحمٰن چغتائی کا ہی بیٹا ہے۔ خیر وہ اپنی کامیابی کی اطلاع دینے خود میرے گھر آیا تھا۔ میں نے اس معاملے میں کامیابی کو خوش آئند قرار دیا۔ اور اپنے مرحوم باپ کی نشست پر کاغذات جمع کرانے کی ہدایت دی۔ وہ میرے پاس زیادہ دیر نہیں رکا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں قیلولہ کرنے کی نیت سے بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے ابھی انگلینڈ جانے کے لئے ٹکٹ خریدنا تھا جو کہ حالات کی کشاکش اور زندگی کے نہ ختم ہونے والے ہنگاموں کے پیش

نظر روز رہ جاتا تھا۔ لیٹا لیٹا میں اتنا بے خبر ہوا کہ خواب خرگوش کے مزے لینے لگا۔

شام کے وقت میری آنکھ کھلی تو کمرے میں عجیب سی خوشبو محسوس ہوئی۔ میں چونک کر بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی ذی روح دکھائی نہ دیا اتفاقاً میری نگاہ راب شامخ کی تصویر پر جا پڑی۔ مجھے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میرا پورا وجود خوف سے لرز گیا۔ وہ ایک بار پھر مجھے زندہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں متحرک تھیں اور ان سے شعلے برس رہے تھے۔ ملکہ راب شامخ کو پہلی بار میں نے غصے کی حالت میں دیکھا۔ وہ کینہ توز نگاہوں سے مجھے گھور رہی تھی۔ میں دم بخود ساکت کھڑا تھا میرے اندر ہلنے جلنے کی ذرا سی ہمت نہ تھی۔ اچانک مجھے یوں لگا جیسے وہ تصویر اپنے فریم سے ایک انچ تک باہر نکلی ہوئی ہے۔ میں اس ناگہانی آفت پر اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ بے ہوش ہو کر زمین بوس ہو گیا۔ جانے کتنی دیر تک میں بے ہوش رہا۔ جب مجھے ہوش آیا تو ایسا کچھ نہیں تھا۔ ملکہ راب شامخ کی تصویر پہلے کی طرح بے جان و ساکت اسی انداز میں موجود تھی۔ میں نے اسے اپنا وہم قرار دیا اور کسی بھیانک خواب سے تشبیہ دی۔ میں نے اس شام کافی بوجھل پن اور تھکاوٹ کا غلبہ خود پر محسوس کیا۔ میں اب اس انتظار میں تھا کہ وہ خبیث بوڑھا طارنوش میرے پاس آئے تو میں یہ تصویر اسے دے کر اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں اور ہمیشہ کے لئے انگلینڈ میں جا بسوں۔ میں روز روز کی پہیلیوں سے تنگ آ چکا تھا۔

اسی رات جب میں بستر پر دراز تھا کہ میں نے ایک لڑکی کی غم آلود آواز سنی جو سرگوشیوں کے عالم میں کچھ بول رہی تھی میں گھبرا کر تیزی سے اُٹھا اور پورے گھر کو چھان مارا مگر وہاں کوئی ہوتا تو مجھے ملتا۔ واپس آ کر میں نے بغور ملکہ راب شامخ کی تصویر کو دیکھا مگر اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اُٹھ کر اپنی بغلی کھڑکی کھول دی باہر چاندنی رات تھی ہر شے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں اب گھر میں ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے میں صحن میں جا نکلا۔ اسی لمحے مجھے کسی عورت کی واضح آواز سنائی دی۔

"میں اب چلی جاؤں گی..... میں اب یہاں اور نہیں رہ سکتی۔"

کچھ دیر تک تو میرے ذہن پر دہشت طاری رہی بعد میں یہ گمان کر کے کہ شاید یہ میرا وہم کا کرشمہ ہو۔ میں دوبارہ کمرے میں چلا آیا۔ ایک اچٹتی سی نگاہ تصویر پر ڈالی۔ پھر اطمینان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے بستر پر لیٹ گیا اس رات کافی دیر تک میرا ذہن اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا اور پھر نجانے کس لمحے میری آنکھ لگ گئی۔ میں اب یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ آواز ملکہ راب شامخ کی ہی تھی جو میری اس حرکت پر مجھ سے خفا ہو گئی تھی جو میں نے اپنے دوست کو مشورہ دے کر...... کی تھی۔

رات کے کس پہر میری آنکھ کھلی میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مجھے اپنے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں جلدی سے آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ کمرے میں زیرو کا بلب جل رہا تھا۔ میری نظر دروازے پر پڑی جہاں ایک شخص موجود تھا میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر سرہانے کی جانب حرکت کرنے لگا۔ جہاں میرا ریوالور پڑا تھا۔ مگر جونہی میں نے اس شخص کو غور سے دیکھا تو میری آنکھوں سے غنودگی و سستی کافور ہو گئی۔

وہ طارنوش منوف تھا......!

اس کا چہرہ غصے میں تمتمایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں خون ٹپکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میرا سارا بدن اسے دیکھتے ہی پسینے سے شرابور ہوتا چلا گیا۔ طارنوش منوف کے ہاتھ میں ایک سیاہ عصا تھا۔ وہ میری جانب شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ میں اسے اس حالت میں دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہوا۔ میرے ہاتھ پاؤں بے جان سے ہو گئے۔ حرکت کرنا میرے لئے محال تھا۔ ہم دونوں کب تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، اس کا احساس مجھے نہیں ہو سکا۔ کمرے کی خاموشی اس کی گرجتی ہوئی آواز سے ٹوٹی۔ اس کے ارادے اچھے دکھائی نہیں پڑتے تھے۔

''تم...... تم ایک انتہائی گری ہوئی ذہنیت کے مالک ہو۔''

وہ کھا جانے والے لہجے میں غرایا۔

''میں نے تمہیں اپنا محسن سمجھا اور تم محسن کش نکلے۔ میں نے تمہیں اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دی اور تم میرا گھر ہی لوٹ کر چلتے بنے۔ میں نے تمہیں کھانے کو دیا۔ تمہاری ہر ضرورت کو پورا کیا اور تم نے نمک حرامی کی...... تمہارے خمیر میں ریاکاری اور دغابازی کا عنصر موجود تھا جسے میں پہچان نہیں پایا۔ میں نے تم پر بے حد اعتماد کیا مگر افسوس تم نے ہی مجھے لوٹ لیا۔ چور...... ڈاکو...... مکار لٹیرے!''

وہ شدت اشتعال میں بول رہا تھا اور میں اس کی باتوں پر شرمندہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ میں جہاں لرزہ براندام تھا وہیں خوف سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈال پایا تھا۔

''تم نے جب راب شامخ کے محافظ کو ہلاک کیا تھا تو میں سمجھا تھا کہ تم میرے اپنے ہو مگر تم نے میرے اعتماد کو ڈس لیا۔ تم میری اس قیمتی تصویر کو لے کر فرار ہو گئے، جس کی حفاظت میں چار ہزار سال سے مسلسل کرتا آیا تھا۔ تم نے میری معصوم لڑکی کو اپنے جھوٹے پیار میں پھنسا کر اپنا دل لبھایا اور اس سے وہ راز لے گئے جو صرف میرے اور اس کے سینے میں دفن تھا۔ یہ اس کی لغزش تھی جس کی سزا میں نے اسے دے دی ہے۔ اس کا حشر تم دیکھ چکے ہو۔ اب تمہاری باری ہے۔ تم میرے قہر و غضب سے کبھی نہیں بچ سکو گے۔ چاہے دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ۔ یاد رکھو جو دادا اپنی پوتی کو اپنے مقصد پر قربان کرنے میں عار نہیں سمجھتا۔ اس کے سامنے تم کیا چیز ہو؟ تم اپنے بدترین انجام کے لئے تیاری کر لو کیونکہ میں اب تمہارے پاس آرہا ہوں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں بوڑھا ہوں۔ کمزور ہوں۔ ناتواں ہوں۔ مجھ سے کچھ بن نہ سکے گا۔ مگر تم بھول گئے کہ میں عظیم خوفو کا پجاری ہوں اور تم جیسے مکاروں کو سبق سکھانا خوب جانتا ہوں۔ تم نے محض اس لالچ میں یہ تصویر چرائی کہ اسے بیچ کر امیر کبیر بن جاؤ گے تو یہ تمہاری بھول ہے کیونکہ دنیا کا کوئی فرد اسے بیچ نہیں سکتا۔ یہ کبھی بک ہی نہیں سکتی کیونکہ میں ہر خریدار کو خریدنے سے پہلے ہی ہلاک کر دوں گا۔ میرا انتظار کرو...... میں جلد ہی تمہارے پاس واپس لوٹوں گا اور تمہیں اس زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دوں گا...... لیکن جو زندگی تمہیں اس کے بعد ملے گی وہ قید تنہائی ہو گی۔ ایک طویل قید جس میں تم ہر روز مرو گے اور ہر روز زندہ ہو گے۔ صرف فریاد کر سکو گے۔ دوسرا کوئی راستہ تمہارے پاس باقی نہیں رہے گا اور اس زندگی کا بااختیار مالک میں ہوں گا۔ تمہیں ہر فریاد میرے حضور کرنا ہو گی۔ میں تمہاری روح کو قید کر لوں گا۔ میں تیرے ملک میں وارد ہونے والا ہوں...... تم کسی دن ضرور مجھے پالو گے...... اور پھر تمہاری یہ تیرہ روح...... صرف میرے اختیار میں ہو گی اور میں جو کروں گا...... تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔''

اس وقت میرے ہونٹوں پر مہر سی لگ گئی میں بالکل خاموش طارنوش کی دھمکیاں سنتا رہا۔ اس کا چہرہ نفرت کی حدت سے آلودہ ہونے لگا۔ اس کی غصیلی آواز میں قہر و غضب کی بجلیاں پنہاں تھیں۔ اس کی کڑکتی ہوئی آواز میری پسلیوں میں گھستی محسوس ہوئی۔ خوف کے مارے میرے دل کی دھڑکنیں بے قابو تھیں۔ وہ بوڑھا مصری خاموش کھڑا کینہ توز نگاہوں سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے دیکھتا ہوا میری آنکھوں کے سامنے اوجھل ہوگیا۔ اس کا جسم کس طرح ہوا میں گھل گیا، یہ کچھ سمجھ نہیں سکا۔ میں اسے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر میری زبان جیسے گنگ ہوکر رہ گئی۔ میں تیزی سے اُٹھا اور دروازے کی جانب لپکا۔ وہ بدستور بند تھا۔ کمرے میں اب میرے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔

''ہاہاہا..... بزدل محافظ..... ہاہاہا!''

کمرے میں نسوانی آواز گونجی۔ میں اپنی جگہ سے یوں اچھلا جیسے مجھے بچھو نے کاٹا ہو۔

میں نے جلدی سے ملکہ راب شامخ کی تصویر کی جانب دیکھا مگر اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اپنا سر تیزی سے جھٹکا۔ میں کن وسوسوں اور توہمات کا شکار ہوتا جا رہا ہوں۔ یہ سب اس خبیث مصری کے پھیلائے ہوئے گورکھ دھندے ہیں جو میری زندگی میں آہستہ آہستہ زہر گھول رہے ہیں۔ میں نے کوئی آیت پڑھنا چاہی مگر میرا ذہن اس قدر منتشر تھا کہ کوئی بھی آیت میری یادداشت میں نہیں تھی۔ میں درحقیقت بڑے عذاب میں پھنس گیا تھا۔ یہ تصویر میرے لئے کسی تکلیف دہ مصیبت سے کم نہیں تھی۔ کبھی تو وہ خود میرے حواس پر حملہ آور ہوتی اور کبھی وہ بوڑھا خبیث مجھے دھمکیوں سے خوفزدہ کرتا۔ میں ذہنی خلفشار کا شکار ہوگیا۔ میں نے رات بھر آنکھ موند کر نہ دیکھی۔ کمرے میں سکوت بدستور رہا۔ میں بستر پر پڑا طرح طرح کے خیالوں میں گم رہا۔ میں نے ناحق یہ مصیبت خرید لی تھی۔ کاش میں اسے وہاں سے اپنے ساتھ نہ لاتا..... خوشیوں کے گہوارے میں پرسکون مورتیب ..... یوں اپنے دادا کی درندگی کا شکار نہ ہوتی۔ گو کہ میں اس رات ایک پل کے لئے نہیں سو پایا لیکن تصویر جوں کی توں ہی رہی۔ یہاں تک کہ میرے کانوں میں مؤذن کی آواز پڑی۔ میرے لبوں سے اطمینان کی سانس خارج ہوئی۔ وہ ہولناک رات بیت چکی تھی۔ میں اس رات اس قدر خوفزدہ ہوا کہ مجھے یہ اندیشہ ہونے لگا کہیں میری آنکھ لگے اور وہ خبیث مصری میرا نرخرہ ہی نہ دبا دے۔ گو کہ وہ اس وقت میرے کمرے میں تو نہیں تھا مگر اس کی آمد کسی بھی وقت ہوسکتی تھی۔ وہ جاتے ہوئے مجھے کئی دھمکیاں دے گیا تھا۔ میں کسی زمانے میں لوگوں کو دھمکاتا تھا اور کسی کی جرأت نہیں تھی کہ وہ میری جانب آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھتا مگر میں ان مافوق العقل حالات میں خود کو بے حد کمزور

محسوس کر رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے رونما ہونے والے ناقابل یقین حالات نے مجھے باطنی طور پر مفلوج کر ڈالا تھا۔ جب میرے کانوں میں پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں پڑیں تو میں نے بستر کو چھوڑا اور کمرے کا دروازہ ڈرتے ڈرتے کھولا۔ میں اب بھی سہما ہوا تھا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ میں نے سہمے ہوئے دل و دماغ سے تمام گھر چھان مارا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنے کپڑے نکالنے کے لئے جونہی اپنی الماری کھولی تو ایک نامعلوم سیاہ رنگ کی شے میرے کپڑوں پر سے پھسل کر زمین پر گرتی چلی گئی میں اس قدر ہراساں تھا کہ کمرے میں اچھلتا ہوا بیڈ جاگرا۔ کچھ لمحوں بعد میرے اوسان بحال ہوئے تو میں نے اس گری ہوئی بے جان چیز کو غور سے دیکھا تو ایک پتھر کا ٹکڑا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے اس کی جانب بڑھا۔ اسے زمین سے اُٹھا کر میں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ اچانک میرے ذہن کے کسی گوشے سے سرگوشی سی ابھری کہ یہ تو اس مصری کی دکان میں پڑے ایک مجسمے کا پاؤں کا ٹکڑا ہے۔ اسی لمحے وہ میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر جاگرا۔ میں لمحہ بھر کے لئے حیران و پریشان ہوگیا۔ میں نے اسے پاؤں کی ٹھوکر سے اپنے گھر سے باہر اُچھال دیا۔ میرے دل پر نامعلوم سا خوف اور جسم پر رعشہ سا طاری تھا۔ میں اب خود کو بالکل غیر محفوظ سمجھ رہا تھا۔ کمرے کو مقفل کرنے کے بعد میں گھر سے نکلا۔ سارا دن میں نے انتہائی بیزاری اور اوسنگھ کر گذارا۔ گھر سے نکل کر میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے گذری ہوئی رات پر ٹھنڈے دماغ سے غور کیا تو میری اپنی ہنسی نکل گئی۔ میں کس قدر ڈرپوک ہوگیا تھا۔ محض ایک ڈراؤنا خواب دیکھ کر اسے حقیقت سمجھ بیٹھا۔ اس وقت میں اسے خواب ہی سمجھا تھا۔ میرے دوستوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو سبب دریافت کرنے لگے۔ میں نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے ذہنی تکان کا بہانہ کیا۔ وہ سب میری حالت سے بے خبر اپنے اپنے کاموں میں مگن رہے میں شام کے وقت ان کے پاس سے نکلا اور گھر کی راہ لی۔ میں نے ابھی گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ کسی عورت کی کھنکتی ہنسی نے میرے اعصاب کو ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے اسی لمحے سوچا کہ گھر کو تالا لگا کر آج کی رات کسی ہوٹل میں گذار لوں..... میں انہی خیالوں میں کھویا ابھی یہ فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ کس ہوٹل میں رات گذاری جائے ایک نسوانی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ جس پر میں چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''بزدل کیا ڈر گئے؟..... اپنا گھر کیوں چھوڑتے ہو؟ میں ہی چلی جاتی ہوں۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں بری طرح خوفزدہ ہوگیا اور اپنے چاروں جانب اسے تلاش کرنے لگا جس نے مجھے مخاطب کیا تھا مگر کمرے میں کوئی ہوتا تو دکھائی دیتا۔ میری نظریں خود بخود اس مصری تصویر پر جا پڑیں۔ وہ ساکن اور بے جان تھی بالکل کسی تصویر کی طرح۔ یہ شاید میرے اعصاب پر چھائی ہوئی رات کی بدحواسی کا ردعمل ہے۔ اس خیال نے میرے دل کو قدرے ڈھارس بخشی۔ میں کمرے سے ملحقہ بالکونی میں جا بیٹھا۔ باہر گہرے بادل شام سے ہی موجود تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان بادلوں میں اضطراب سا پھیل گیا۔ وہ اس بے دردی سے چیخے چلائے کہ ان کے پیمانے کرب و ابتلا سے بارش بن کر چھلک اُٹھے۔ بجلی کے چمکنے سے اور بادلوں کے گرجنے سے سونے سونے ماحول میں خوشگوار تغیر رونما ہونے لگا۔ بچوں کے لئے یہ منظر کسی تحفے سے کم نہیں تھا۔ میرے اعصاب پر چھائی اداسی و بوجھل پن کے لئے یہ بارش بڑی مفید ثابت ہوئی۔ میں خود اب قدرے سنبھل چکا تھا۔ بارش کی بوندوں کی پھوار کبھی کبھار بالکونی میں داخل ہو کر میرے بدن کو بھی چھو جاتی تو ایک لطیف سا احساس میرے رگ و پے میں سرایت کر جاتا۔ میں بیتی سب باتوں سے فی الوقت غافل سا ہوگیا۔

میں خاموشی سے بیٹھا موسم سے محظوظ ہونے لگا۔ اچانک نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی میرے سامنے پھیلتی چلی گئی۔ بجلی کی ایک آتشی لکیر میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں چیختا ہوا اپنی کرسی سمیت پیچھے کی جانب الٹ گیا۔ خیال تھا بجلی میرے گھر پر گری ہے اور اب میں یقیناً جل کر بھسم ہو جاؤں گا لیکن چند لمحوں کے بعد مجھے احساس ہوا کہ سب خیریت ہی ہے لیکن یہ اندازہ میں نے ضرور لگا لیا کہ کہیں بہت نزدیک ہی بجلی گری ہے جو مجھے بھی متاثر کر گئی۔ میں زمین سے اُٹھا اور کرسی سیدھی کر کے بالکونی میں سے نیچے جھانکنے لگا۔ نیچے سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ جو لمحہ بھر کے لئے میری حیرت کا موجب بنتا چلا گیا۔ خیر میں دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ نصف گھنٹے کے بعد بارش خلاف توقع رک گئی اور سیاہ بادل تیزی سے چھٹنے لگے۔ یوں معلوم ہونے لگا کہ گویا دیکھتے ہی دیکھتے مطلع صاف ہو جائے گا۔ میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ایک سرگوشی سی میرے کانوں میں گونجی۔

''بزدل محافظ!..... میں اب رخصت ہو رہی ہوں۔''

میں نے آواز کی سمت کا اندازہ لگاتے ہوئے اپنے بستر کی جانب دیکھا۔ جہاں دیوار

ملکہ راب شامخ کی تصویر آویزاں تھی۔ جونہی میری نگاہ وہاں تک پہنچی تو خوف کی ایک ٹھنڈی لہر مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں چلتی محسوس ہوئی۔ ملکہ راب شامخ کا جسم اس تصویر میں سے باہر نکلتا آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر زہریلی سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ میں خوف سے گنگ کھڑا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ میری عقل اس ماورائی منظر کو دیکھ کر سکتے کا شکار ہونے لگی۔

وہ میری نگاہوں کے سامنے اُس تصویر سے باہر اُمڈ آئی۔ اگرچہ اس کے اور میرے درمیان فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا۔ میں چاہتا تو آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیتا مگر میں اس وقت اتنا دہشت زدہ ہو گیا کہ میرے قدم زمین سے چپک کر رہ گئے۔ وہ فریم میں سے پوری طرح باہر نکل چکی تھی۔ ملکہ راب شامخ جس کے بارے میں، میں نے مورتیب کی زبانی سنا کہ وہ چار ہزار سال سے زندہ ہے..... وہ میرے سامنے زندہ حیات موجود تھی اور میں اسے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ میری جانب دیکھ کر دلفریب انداز میں مسکرائی۔ میرے اعصاب پر چھائے ہوئے خوف میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ قدرے کمی ہونا شروع ہوگئی۔ اس نے میری نگاہوں کے سامنے ایک قاتل ادا انگڑائی لی۔ میں فرط حیرت سے دم بخود کھڑا اسے تکے جا رہا تھا۔ اسی لمحے بیرونی دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی میں نے چونک کر اس جانب دیکھا وہاں بوڑھا مصری طارنوش منوف کھڑا کھا جانے والی نگاہوں سے ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میری گھگھی بندھ گئی۔ میں ملتجیانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں ملکہ راب شامخ پر گڑ گئیں۔ وہ بھی اسے دیکھ کر قدرے خوفزدہ ہوگئی۔ میں ملکہ راب شامخ کے چہرے پر پھیلتی بدحواسی دیکھ کر چونکے بنا نہ رہ سکا۔

''بے وقوف محسن!'' مجھے اپنے کانوں میں طارنوش منوف کی آواز سنائی دی۔ ''جلدی کرو اور کوئی سیاہ کپڑا اس ساحرہ پر ڈھانپ دو۔ ورنہ یہ فرار ہو جائے گی۔ وقت ضائع نہ کرو..... ورنہ میں تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی موت بے حد بھیانک کر دوں گا۔''

میں اس کی دھمکی سن کر بوکھلا سا گیا اور بدحواسی میں اپنے گرد سیاہ چادر ڈھونڈنے لگا۔ حالانکہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے گھر میں سیاہ رنگ کا کوئی کپڑا سرے سے ہی موجود نہیں۔ کیونکہ میں نے کبھی سیاہ رنگ کو اچھا نہیں سمجھا مگر میں ناگہانی حالات میں ایسا الجھا کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میری عقل پر جیسے پتھر پڑ گئے۔ میری اس تلاش پر ملکہ راب شامخ کا چہرہ بھی متغیر ہونے میں سب باتوں سے غافل اپنی الماری کو الٹ پلٹ کرتا رہا۔

''مم..... مم..... میرے پاس ..... سیاہ رنگ کا کوئی کپڑا نہیں ہے۔'' میں گھگھ طارنوش منوف مجھے پہلے ہی شعلہ بار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے غصے میں ہاتھ میں پکڑ عصا میری جانب دے مارا میں نے اس سے بچنے کی کوشش کی مگر وہ میری ٹانگ پر بے حـ سے لگا۔ میں درد سے دوہرا ہوتا چلا گیا۔ اسی لمحے مجھے ملکہ راب شامخ کا قہقہہ سنائی دیا۔

''بڈھے پجاری! آخر تو ہار گیا..... میں تیری قید سے آزاد ہو گئی ہوں.....''

''خاموش رہ!'' طارنوش منوف چلایا۔ ''میں تجھے کسی بھی صورت میں فرار نہیں دوں گا..... میں خدائے آمن رع کا محافظ ہوں۔''

''بڈھے! تیری عقل ماری گئی ہے..... تو خدائے آمن رع کا نہیں بلکہ شیطان ہے۔ تو نے مجھے میرے محبوب سے صرف اپنی شیطانی قوتوں سے جدا کر رکھا ہے۔ میں اسے پالیا ہے اور میں اب اس کے پاس جا رہی ہوں..... اگر تم میں ذرا سی بھی طاقت ہو روک کر دکھاؤ۔'' ملکہ راب شامخ اس کی جانب دیکھ استہزائیہ انداز میں بولی۔ میں نے ا چہرے پر طارنوش منوف کے لیے سخت نفرت موجزن دیکھی۔ میں ان کی لڑائی میں پریـ کھڑا تھا۔

وہ بوڑھا مصری طارنوش منوف اپنی جگہ ہی تلملا کر رہ گیا۔ ملکہ راب شامخ آگے بڑ اس کے جسم میں سے گذرتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی اور وہ محض ہاتھ جھلاتا رہ گیـ اب اس کی جانب خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ملکہ راب شامخ کے جانے کے بعد جانب متوجہ ہوا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر میرا دل بیٹھنے لگا۔

''جلدی کرو ..... اس کے تعاقب میں جاؤ..... اور اسے کسی سیاہ کپڑے میں لپـ ڈالو۔ ورنہ وہ ایسی تباہی مچا دے گی کہ تمہاری سرزمین اس کے سحر انگیز فتنوں سے محفوظ نہیں سکی گی۔ یاد رکھو! اگر تم اسے نہ پکڑ سکے تو میرے بھیانک انتقام سے کبھی نہیں بچ پاؤ گے۔ تمہیں ایسی بھیانک موت کا مزہ چکھاؤں گا کہ تمہاری روح تک کانپ اُٹھے گی۔'' وہ جانب دیکھ کر بری طرح چلایا۔

''مم..... مگ..... مگر تم اسے نہیں پکڑ پائے تو میں اسے کیسے پکڑ سکوں گا؟''

میں نے اپنی ہمت باندھ کر کہا۔ میں اب کچھ کچھ حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''احمق..... !'' اس کی آواز میرے کان کے پردے پھاڑتی چلی گئی۔ ''اگر میں اس کمرے میں موجود ہوتا تو وہ کبھی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ میں خود ہمیشہ سیاہ لباس صرف اسی کے لئے پہنتا تھا۔ میں یہاں نہیں ہوں بلکہ مصر میں ہوں تم صرف میری روح کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو۔ وقت ضائع نہ کرو تیزی سے اس کا تعاقب کرو اور اس پر کسی قسم کا کوئی بھی سیاہ کپڑا ڈال دو اس طرح وہ خود بخود اسی فریم میں مقید ہو جائے گی۔''

اس کی بات سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں تیزی سے کمرے میں سے نکلا اور ملکہ راب شامخ کے تعاقب میں دوڑا۔ کئی گلیوں کا کیچڑ چھاننے کے بعد وہ اچانک مجھے دکھائی دے گئی۔ میں نے اسے اپنی خوش قسمتی جانا اور تیزی سے اس کے پاس جا پہنچا۔ اس نے میری صورت جونہی دیکھی تو اس نے اپنی رفتار بڑھا دی اور قریباً بھاگنے لگی اور پھر وہ آپ کے دفتر میں آگھسی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اب بیرونی جگہ پر اپنی کسی پراسرار قوت کو استعمال نہیں کرے گی۔ جس سے اُس کی پراسرار شخصیت کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی مگر جو کچھ بھی ہوا..... وہ میں نے آپ کے سامنے ہی دیکھا۔''

سیف اللہ خان خاموش ہو گیا۔ حسن مراد سراسیمگی کی حالت میں خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ کئی لمحے تک کمرے میں خاموشی طاری رہی پھر حسن مراد نے گہرے سکوت کو توڑا۔

''پھر کیا ہوا؟..... کیا وہ تمہیں مل گئی؟''

''نہیں!'' سیف اللہ خان نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''اس رات سے لے کر مجھ پر جو بیتا وہ الگ ہی کہانی ہے۔ کیا تم وہ سننا چاہو گے؟''

''ہاں..... ہاں..... بتاؤ پھر کیا ہوا؟'' حسن مراد اشتیاق بھرے لہجے میں بولا۔

''میں جب گھر پہنچا تو اس بوڑھے مصری طارنوش منوف کو اپنا منتظر پایا۔ وہ میری شکل دیکھتے ہی مجھ پر برس پڑا۔ اس نے مجھے بے حد برا بھلا کہا اور سخت عذاب کی دھمکی دے کر لوٹ گیا۔ میں نے اسے لاپروائی سے اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور سوچا جب وہ خبیث یہاں آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ مگر دوسری ہی رات اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر میں مبہوت رہ گیا۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے کمرے میں وارد ہوتے ہی میرے جسم پر خنجر سے چرکے لگانے شروع کر دیے۔ میرے جسم پر جہاں خنجر لگتا وہاں آگ سی لگ جاتی۔ میں نے اس سے بے حد بچنا چاہا مگر میں ناکام رہا میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر اس کا کوئی جسم ہوتا تو میں اسے پکڑ پاتا۔ وہ روح کی شکل میں آیا تھا۔ میں نے اس سے منت سماجت کی۔ اپنی بے گناہی اور لاعلمی کا رونا رویا مگر وہ سنگ دل شخص میری ایک بھی سننے پر تیار نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ عذاب میں نے کب تک سہا جب اس نے مجھے چھوڑا تو میں زمین پر گرا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ میرے تمام بدن میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ وہ میری جانب خونخوار نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''تم نے جو ستم مجھ پر ڈھایا ہے اس کے سامنے یہ سزا کچھ بھی نہیں مگر یہ مت سمجھو کہ اس کے بعد تمہیں مزید سزا نہیں دی جائے گی۔ میں کل پھر آؤں گا اور تمہیں اسی طرح زدوکوب کروں گا۔ تم اگر پاتال میں جا کر چھپ جاؤ۔ میں وہاں بھی پہنچ جاؤں گا۔ یہ سزا تمہیں اس وقت تک ملتی رہے گی جب تک میں اس سرزمین پر پاؤں نہیں رکھ لوں گا۔ میں اگر اپنے آقاؤں کے سامنے مجبور نہ ہوتا تو اُڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاتا۔ میں پیدل سفر کرنے پر مجبور ہوں اس دوران جتنی صعوبتیں مجھے اُٹھانی پڑیں گی۔ ان کا حساب میں روزانہ آ کر تم سے ضرور لیا کروں گا اور جب میں یہاں پہنچوں گا تو تمہارے لئے ایک اور نہ ختم ہونے والا عذاب شروع ہو جائے گا۔''

یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گیا۔ میں دوسرے دن خوف کے مارے اپنے گھر ہی نہیں گیا بلکہ ایک دوست کے گھر میں جا چھپا۔ مگر اپنے مخصوص وقت پر وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور میری اس حرکت کا قہقہے لگا کر تمسخر اُڑانے لگا۔ میں اب خود کو اس کے سامنے بے حد بے بس محسوس کرنے لگا۔ اس نے گذشتہ رات کی طرح اپنے نوک دار خنجر سے مجھے اتنا زخمی کر دیا کہ میں ساری رات تکلیف سے تڑپتا رہا۔ صبح اُٹھ کر میں نے اپنا جسم دیکھا تو اس پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا مگر میرے انگ انگ میں درد کی شدید ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ میں اس تکلیف کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ میں ڈاکٹر کے پاس گیا اور اپنی ساری کیفیت اسے بتائی اس نے مجھے ہر انداز سے ٹٹولا مگر کوئی مرض تشخیص نہ کر سکا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کسی ذہنی امراض کے ڈاکٹر سے ملوں۔ شاید اسے میری ذہنی حالت پر شک ہوا تھا۔ میں نے ان دنوں میں کئی ڈاکٹروں سے

رجوع کیا مگر سب نے مجھے بالکل تندرست قرار دیا۔ میں روزانہ اس خبیث بوڑھے کا تکلیف دہ عذاب سہتا رہا۔ کل رات وہ جب میرے پاس آیا تو اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی محسوس ہوئی۔ اس نے مجھے بتایا میں تمہارے ملک کی سرزمین پر قدم رکھ چکا ہوں اور دو دن کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ یہ سن کر میرا رنگ فق پڑ گیا۔ اس نے حسب معمول مجھے خنجر سے گھائل کیا اور جاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک دو دن بعد میں تمہارے جسم سے روح کو نکال کر ہمیشہ کے لئے قید کر لوں گا اور تمہارا جسم تمہارے سامنے جلا ڈالوں گا..... اور میں اب دونوں کا منتظر ہوں جب میری روح اس کے قبضے میں چلے جائے گی اور میں اس دنیا کے لئے محض افسانہ بن جاؤں گا۔''

''اس معاملے میں تم نے کسی اللہ والے سے رجوع کیا۔''

حسن مراد اس کی جانب تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ سیف اللہ خان کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں..... میں نے ساری زندگی اللہ کا نام نہیں لیا تو اللہ والوں کو کہاں ڈھونڈتا؟''

''اگر میں نے اس لڑکی کو اپنے سامنے یوں غائب ہوتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہاری داستان سننے کے بعد شاید تمہیں پاگل قرار دیتا مگر میں خود پریشان ہو گیا ہوں۔ کئی سوال میرے ذہن کے دروازوں پر دستک رہے ہیں..... تمہاری داستان واقعی حیرت انگیز ہے۔ میں اس معاملے میں تمہاری کچھ مدد کرنا بھی چاہتا ہوں مگر کیسے کروں، یہ سمجھ نہیں پا رہا۔''

حسن مراد اس کے خاموش ہونے پر اس سے مخاطب ہوا۔

سیف اللہ خان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ داستان سنانے کے بعد مزید بے رونق اور سست پڑ گیا۔ حسن مراد کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا کہ وہ اس کے لیے کیا کر سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی بدولت اسے اپنے ایک اہم مقدمے میں بنیادی نکتہ مل گیا تھا۔ اس نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی چار بج چکے تھے۔

''کیا آج رات بھی وہ آئے گا؟'' حسن مراد کے لبوں پر ایک سوال ابھرا۔

''یقیناً.....!!!'' سیف اللہ خان نے بے بسی کے عالم میں سر اثبات میں ہلایا۔

''اُٹھو..... میرے ساتھ چلو۔ انشاء اللہ! آج کے بعد وہ تمہاری زندگی میں کبھی داخل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہیں ایک ایسی جگہ چھپا دوں گا جہاں اس کی پرچھائی تک نہیں پہ
سکتی۔'' حسن مراد نے اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ وہ سیف اللہ خان کے بارے میں ک
فیصلہ کر چکا تھا۔ اسی لئے اس کا چہرہ بے حد مطمئن دکھائی دیا۔

''شاید تم اس خبیث بوڑھے کی پراسرار قوتوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو سکے۔''

سیف اللہ خان نے بے چارگی سے حسن مراد کی جانب دیکھا۔

''اگر تم اس خبیث سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارہ پانا چاہتے ہو تو ایک دفعہ میری بات ما
کر دیکھو۔'' حسن مراد نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔ سیف اللہ خان نے ایک لمحہ
سوچا۔ پھر امید بھری نگاہوں سے حسن مراد دیکھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ حسن مراد اپنے ذہن
مستحکم ارادہ باندھ چکا تھا۔ وہ اس بھٹکے اور ٹوٹے پھوٹے انسان کو زندگی کی رنگینیوں کے لئے
ہمت اور نئی جہت سے آشنا کروانا چاہتا تھا۔ وہ خود بھی اس ان دیکھی لڑائی میں کود پڑا۔

جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایک نوجوان زمین پر لیٹا بے بسی سے آدھ بجھے سگریٹ
کش لگانے میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے پر پڑے نیل چیخ چیخ کر پولیس کے حسن سلوک
داستان سناتے تھے۔ آنکھوں تلے موجود سیاہ حلقے اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ وہ کئی
سے صحیح طرح پوری نیند سو نہیں پایا۔ بڑھی ہوئی شیو اور چہرے پر چھائی ہوئی زردی اس
دگرگوں حالی کی گواہ تھی۔ وہ خلا میں عجیب سی نظروں سے گھورنے میں محو تھا۔ وہ کوئی عام ش
نہیں تھا بلکہ متمول صاحب حیثیت شخص تھا مگر وقت نے اسے اس دوراہے پر لا کھڑا کیا کہ
وہ دفعہ تین سو دو کا ملزم تھا۔ اس پر ایک ایسے شخص کے قتل کا الزام تھا جو کہ اسے بے حد عزیز
وہ اسے اپنا بزرگ اور سب کچھ سمجھتا تھا۔

اس پر الزام ثابت ہو رہا تھا۔ تمام حقائق اس کے خلاف تھے حالانکہ وہ قتل کی وارد
کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ گواہوں کی طویل فہرست عدالت میں داخل کر دی گئی جو
ہر قیمت پر سزا دلوانے کے خواہش مند دکھائی دیتے تھے۔ اخباروں میں اس کے خلاف جا
کیا کچھ لکھ ڈالا۔ قتل کی واردات کو اس قدر سنسنی بخشنا اخبار والوں کے لئے کوئی نئی بات
ہے۔ قاتل اور مقتول کے خاندان بارونق اور معروف علاقے میں رہائش پذیر تھے جو کہ

لوگوں کی رہائش کے ہی قابل سمجھا جاتا۔ غریب آدمی وہاں سے گذرتے بھی گھبراتا تھا۔ قتل کا
ملزم اور مقتول دونوں کے بنگلوں کے درمیان فاصلہ برائے نام ہی تھا۔ حادثہ قتل سے صرف چھ
ماہ پہلے ان دونوں میں کسی معاملے میں سخت مقدمہ بازی بھی ہو چکی تھی۔ جو بالآخر مقتول کے
حق میں ڈگری ہو کر نمٹ گئی تھی۔ قتل میں یہ بات بھی ایک محرک تھی۔

مقتول عبدالرحمٰن چغتائی ایک غیر معمولی دولت مند اور باوقار سیاسی شخصیت کا مالک تھا۔
اس کی عمر پینسٹھ سال کے لگ بھگ تھی مگر اس کے عزائم نوجوانوں جیسے دکھائی دیتے تھے۔ وہ شہر
بھر میں اپنی نیک نامی کے باعث مشہور و معروف تھا۔ وہ صرف سیاسی حیثیت کا ہی حامل نہیں تھا
بلکہ اس کے دل میں لوگوں کے لئے بے حد ہمدردی پوشیدہ تھی۔ وہ مخیر ہونے کی وجہ سے لوگوں
کی وقتاً فوقتاً امداد بھی کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام لوگوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔ اس سے
جڑے لوگ قاتل کو جلد از جلد پھانسی کے پھندے پر لٹکا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ قاتل اور مقتول
کے درمیان جو کشیدگی کچھ عرصہ سے قائم تھی۔ وہ اب کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ اخبارات
نے ایسے ایسے واقعات نکال باہر کئے کہ شاید مقتول کی روح بھی بلبلا اٹھی ہو۔

ملزم کا نام نعمان حیدر تھا۔ وہ ایک امیر باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ امارت و خوشحالی اسے
وراثت میں ہی ملی تھی۔ ایسے نوجوان اکثر دولت کے نشے میں بہک جاتے ہیں مگر اس میں ایسی
کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ اور عملی قسم کا نوجوان تھا۔ اس کا باپ مقتول عبدالرحمٰن
چغتائی کا دیرینہ دوست تھا۔ دونوں کی یہ خواہش تھی کہ یہ دوستی کسی طرح رشتہ داری میں بدل
جائے مگر یہ قدرت کو منظور نہیں تھا نعمان کی چڑھتی جوانی میں ہی اس کے باپ کا انتقال ہو گیا
اور وہ یتیم ہو گیا۔ ابھی وہ ایک صدمے سے پوری طرح سنبھل نہیں پایا تھا کہ اس کی شفیق ماں
بھی اپنے شوہر کے غم میں اسے داغ مفارقت دے گئی۔ وہ اس بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا۔
اس نے اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے باپ کا تمام کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے باپ
کا ایک پرانا منیجر اس کا بھرپور ساتھ دینے لگا۔ دوسرے لفظوں میں تمام کاروبار اسی نے سنبھالا
تھا۔ نعمان تو محض مالک تھا۔

اس دوران عبدالرحمٰن چغتائی نے اسے بے حد حوصلہ دیا۔ نعمان اکثر و بیشتر ان کے گھر
جاتا رہتا تھا۔ عبدالرحمٰن کی نوجوان بیٹی عنبر سنجیدہ طبیعت کے مالک نعمان کو دل ہی دل میں اپنا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

محبوب تصور کرنے لگی تھی۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھی کہ اس کے باپ کی دلی خواہش بھی یہی ہے۔ نعمان اور عنبر دونوں یونیورسٹی میں تیسرے سال میں تھے۔ دونوں میں روزانہ ملاقات معمول کی بات تھی۔ نعمان اس کی قربت کو سمجھتا تھا مگر وہ اسے وہ مقام نہیں دے پایا جو وہ چاہتی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد نعمان نے کلی طور پر اپنے باپ کا کاروبار سنبھال لیا اور عنبر تعلیم سے فراغت پر گھر بیٹھ کر نعمان کی بارات کا انتظار کرنے لگی۔

عبدالرحمٰن چغتائی کچھ عرصہ تک خاموش رہا لیکن مسلسل خاموشی پر اس نے نعمان کے باپ کے بوڑھے منیجر سے بات چیت کی کہ وہ نعمان کو عنبر سے شادی کا احساس دلائے۔ اس کے مرحوم دوست کی بھی یہی خواہش تھی لہٰذا وہ جلد از جلد اس کا عندیہ معلوم کرے۔ بوڑھے منیجر دوست خان نے جب عبدالرحمٰن کی بات سنی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اسے زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ وہ ایک سونے کے انڈے دینے والی مرغی کا محافظ ہے۔ ایک جوان بیٹی اس کے گھر میں بھی موجود ہے کیا وہ نعمان کی بیوی نہیں بن سکتی؟

اس ازلی حرص نے ان دونوں کے درمیان فاصلے بڑھا دیئے اور کئی اختلافات کو جنم دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے عدالت میں آپہنچے۔ وہ جو ایک تھے اب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں دکھائی دیتے تھے۔ اس مقدمے کی ہار نے نوجوان نعمان کے ذہن پر بے حد برا اثر ڈالا۔ وہ اپنی شکست سے اس قدر بھڑک اُٹھا کہ کسی بھی جگہ عبدالرحمٰن کی صورت دیکھنے کو تیار نہیں تھا۔

عبدالرحمٰن کے قتل سے ایک ماہ قبل نعمان اپنی گاڑی میں آرہا تھا کہ کسی نے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ جس میں وہ شدید زخمی ہوگیا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی۔ عبدالرحمٰن کو جب اس حادثے کا علم ہوا تو وہ سب باتیں بھلا کر اس کے پاس چلا آیا مگر نعمان کے پاس موجود منیجر دوست خان نے حملہ کرانے کی ساری ذمہ داری اس پر عائد کر کے اسے وہاں سے دھکے دے کر نکلوا دیا۔ نعمان نے اس معاملے میں کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ یہ بات بھی قتل کے مقدمے میں اس کے خلاف گئی۔

ایک ہفتہ ہسپتال میں گزارنے کے بعد جب وہ دوبارہ اپنے دفتر پہنچا تو عبدالرحمٰن ایک بار پھر اس کے پاس چلا آیا اور پرانی باتوں کو بھول کر اپنے باپ کی دلی خواہش کو پورا کرنے کے

لئے زور دیا۔ اس نے ہر طرح کی قسم کھائی کہ وہ حملہ اس نے نہیں کرایا۔ اسے بھلا ایسی حرکت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایک جانب تو وہ اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اور دوسری جانب اس کو قتل کرانا۔ دونوں باتیں متضاد تھیں۔ مگر نعمان کے ذہن پر گرہ لگ گئی۔ اس نے صاف لفظوں میں انکار کر کے عبدالرحمٰن کو اپنے دفتر سے نکل جانے کے لئے کہا۔ اسی دوران منیجر دوست خان ایک کار حادثے میں ہلاک ہوگیا۔ جسے سب لوگوں نے عبدالرحمٰن کی شرارت قرار دیا۔ ان تمام معاملات کے بعد اسے قاتل ٹھہرایا جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

پھر الیکشن کا دور آگیا۔ عبدالرحمٰن چغتائی ہمیشہ کی طرح اپنی نشست سے امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہوگیا۔ اس کے منتخب ہو جانے میں کوئی شک نہیں تھا کہ ایک رات جلسے سے واپسی پر کسی نے اسے گھر سے ایک فرلانگ دور اُس طرف قتل کر ڈالا، جدھر نعمان کا بنگلہ تھا۔ یہ کیسا اتفاق تھا کہ اسی جگہ ایک مہینہ قبل نعمان خود گولیوں کی زد میں آکر زخمی ہوا تھا۔

قتل کے کچھ ہی لمحوں بعد نعمان کو محض شک کی بنا پر حراست میں لے لیا گیا۔ جب اسے فرد جرم معلوم ہوئی تو وہ دم بخود سا رہ گیا۔ اس کے مسلسل انکار کے باوجود اسے ہی ملزم سے مجرم بنانے کی تیاری شروع کردی گئی۔ اگلی صبح اخبارات نے اس خبر کو کچھ ایسے انداز میں شائع کیا گویا یہ قتل نعمان نے ہی کیا ہو۔ پھر روز بروز کوئی نہ کوئی ایسی خبر شائع ہوتی جو حقیقت کم اور من گھڑت زیادہ ہوتی۔ ایک اخبار نے اس قتل کا سبب عنبر اور نعمان کے معاشقے کو قرار دیا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق دونوں میں لو افیئر چل رہا تھا۔ جس کا علم ''معصوم'' باپ کو بروقت نہ ہوسکا۔ جب اسے آگاہی ہوئی تو پانی سر سے بلند ہو چکا تھا۔ نعمان عنبر کی خوبصورتی و جوانی سے محظوظ ہو کر اسے خیر باد کہہ چکا تھا۔ غیور باپ نے اپنی بیٹی کو رسوائی سے بچانے کے لئے اس پر بے حد دباؤ ڈالا۔ جس پر اس نے کورا جواب دے دیا۔ غیور باپ نے اس انکار کو اپنی عزت و شرافت کے گال پر بدنامی کا بھیانک طمانچہ سمجھا۔ وہ اپنی بے عزتی اور توہین کا بدلہ لینے پر تل گیا۔ نعمان پر گولیوں سے حملہ اسی سلسلے میں کرایا گیا۔ اس طرح نہ صرف دونوں میں موجود رنجش مزید بڑھ گئی بلکہ آپس کے تعلقات نہایت ہی کشیدگی اختیار کر گئے۔ جس کے نتیجے میں اس نے ایک غیرت مند باپ کو ہمیشہ کے لئے گہری نیند سلا ڈالا۔

یہ وہ واقعات تھے جن کی بنا پر اس قتل کا تمام الزام نوجوان نعمان کے سر تھوپ دیا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نعمان کے قریبی گہرے دوست نے شہر کے معروف نوجوان بیرسٹر مرزا حسن مراد کو نعمان کے سلسلے میں منتخب کیا۔ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ آج تک اپنی زندگی کا کوئی مقدمہ نہیں ہارا۔ حسن مراد ضروری معاملات کے سلسلے میں دوبار اس سے مل چکا تھا۔ نعمان نے بڑی بے چارگی میں اپنے اوپر ہونے والے تشدد کے بارے میں بتایا تو حسن مراد محض منہ بنا کر رہ گیا۔ وہ اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ پولیس کا ''پیدائشی'' حق تھا۔ نعمان نے اپنے بارے میں تمام باتوں سے اسے بھرپور طریقے سے آگاہ کیا۔ اس نے کھلے لفظوں میں الزام قتل کی صحت سے اُنکار کر دیا..... مگر استغاثہ یا عدالت کو اس کے انکار کی نہیں بلکہ ٹھوس ثبوت کی ضرورت تھی جو اسے اس مشکل سے نجات دلاتا۔

نعمان نے حسن مراد کو بتایا کہ وہ اور عنبر دونوں صرف اچھے دوست تھے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ عنبر اس سے دلی لگاؤ رکھتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ بتدریج یہ لگاؤ بڑھنے لگا مگر وہ اسے کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہتا تھا جس سے وہ اپنے دل کی کیفیت کھول پاتی۔ نعمان نے پہلی مرتبہ اس معاملے میں حسن مراد کو بتایا کہ وہ ایک عرصہ سے اپنے لئے آئیڈیل کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔ عنبر اگرچہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب سیرت بھی ہے مگر وہ اس کی آئیڈیل کبھی نہیں بن سکی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ مقتول اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہا حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ مقدمہ بازی کا سلسلہ اسی کی جانب سے شروع ہوا تھا۔

تمام واقعات کی روشنی میں حسن مراد نے یہ اندازہ لگایا کہ قاتل جو کوئی بھی ہے۔ اس نے ان دونوں کی ناراضگی اور غلط فہمی کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہے مگر وہ کون تھا؟ اس بارے میں حسن مراد بھی اندھیرے میں تھا۔ نعمان کی سچائی نے اسے اتنا متاثر کیا کہ وہ پوری طرح کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح اس کی بے گناہی کو کمرۂ عدالت میں ثابت کر سکے۔ اس نے اپنے طور پر بھی واقعات کی خوب چھان بین کی۔ قانون کی موٹی موٹی کتب میں باریکیاں تلاش کیں۔

تاریکی..... مایوسی..... مشکلات میں گرفتار حسن مراد ابھی تک پرعزم تھا کہ وہ بالآخر اس مقدمے کو بھی جیت جائے گا۔ بی کا یہ عالم تھا کہ خود نعمان کے قریبی دوست بھی اس کی برأت کے سلسلے میں پُرامید نہیں دکھائی دیتے تھے۔ جبکہ حسن مراد کے دوست وکلاء کا کہنا تھا کہ اس نے جس کیس کو بھی ہاتھ میں لیا ہے وہ ہمیشہ جیتا ہے مگر یہ کیس اس کے سابقہ ریکارڈ کو

داغدار کر دے گا کیونکہ قتل کے واضح ثبوت اور قاتل کے خلاف مضبوط دلائل موجود ہیں۔

حسن مراد کے لئے یہ مقدمہ درحقیقت مبارزت (چیلنج) سے کم نہیں تھا۔ وہ خود بھی اس میں ذاتی دلچسپی لینے لگا۔ جہاں وہ قانونی موشگافیوں کے خلاف جواب تلاش کر رہا تھا اور الجھی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش میں جتا تھا، وہیں اس نے دیگر ذرائع سے بھی کام لینے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ اسی کوشش میں رہا کہ کسی ایسے شخص کے بارے میں اسے معلوم ہو جائے جس پر قتل کا الزام عائد کیا جا سکے اس طرح مقدمے میں طول پیدا ہو جاتا اور یہ بات اس کے حق میں بہتر ثابت ہو پاتی۔ یہ سب کچھ وہ اس لئے کر رہا تھا کہ نعمان اس کی نگاہ میں درحقیقت اصلی قاتل نہیں تھا۔ اس نے اصلی قاتل کی تلاش میں اپنی بساط کے مطابق کچھ اقدام بھی کئے۔ اس کے علاوہ وہ نعمان کی ذہنی کیفیت سے بھی باخبر رہنا چاہتا تھا۔

اور پھر حقیقت اس کے سامنے سیف اللہ خان کی زبانی کھل گئی۔

قاتل کون تھا؟

یہ تو وہ جان چکا تھا مگر اس کے خلاف ٹھوس ثبوت کی ضرورت ابھی باقی تھی۔ قتل کا اصلی محرک بھی سامنے آ گیا تھا۔ وہ اب تیزی سے اس امر کی ضرورت محسوس کرنے لگا کہ اصلی قاتل کو جلد از جلد قانون کی سلاخوں کے پیچھے پہنچایا جا سکے۔

حسن مراد کی موٹر بائیک ایک چھوٹی سی گلی میں آ کر رک گئی۔ اس کے عقب میں بیٹھا ہوا سیف اللہ خان حیرت سے اس جگہ کو دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے باہر ایک شکستہ سی نیم پلیٹ لگی تھی۔ اس نے غور سے اس پر منقش نام پڑھا۔

''حکیم عبدالمجید ثمر قندی۔''

حسن مراد نے اپنی موٹر بائیک کھڑی کرنے کے بعد اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے عقب میں مقناطیسی انداز میں چل پڑا۔ وہ حسن مراد کے پراسرار رویئے پر تذبذب کا شکار تھا۔ گلی میں زیادہ رونق تو نہیں تھی پھر بھی کچھ بچے ایک طرف کوئی کھیل کھیلنے میں مصروف تھے۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ کئی لوگ سر پر ٹوپیاں رکھتے ہوئے مسجد کی جانب جاتے دکھائی دیئے۔ حسن مراد نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلنے پر اسے معلوم ہوا کہ حکیم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب نماز کے لئے قریبی مسجد میں جا چکے ہیں۔ ان سے اب ملاقات نماز کے بعد ہی ہو سکے گی۔ یہ اطلاع ایک چھوٹے سے بچے نے دی تھی۔ حسن مراد نے اس کے ہاتھ اندر پیغام بھیجا کہ بیرونی بیٹھک کا دروازہ کھول دیا جائے۔ ہم ان کی آمد تک یہیں انتظار کریں گے۔ سیف اللہ خان نے حسن مراد کے کہنے پر ملکہ راب شامخ کی تصویر کا فریم اپنے گلے سے اتار کر اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ جونہی بیٹھک کا دروازہ کھلا تو حسن مراد بے تکلفی سے اندر گھستا چلا گیا۔ اس نے دروازے کھولنے والے فرد سے دو کپ گرم گرم چائے کی بھی فرمائش کر ڈالی۔ سیف اللہ خان اس کی بے تکلفی پر باطنی طور پر شرمندگی محسوس کرنے لگا حالانکہ اس کے چہرے پر کھوکھلی سی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔

وہ چھوٹی سی بیٹھک دراصل حکیم عبدالمجید کا خاص مطب تھا۔ جہاں زمین پر چھوٹی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی اور قریب ہی ایک طاق میں دواؤں کی شیشیاں پڑی تھی۔ حسن مراد اپنی پینٹ کو اوپر کھسکاتے ہوئے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ سیف اللہ خان نے بھی اس کی تقلید کی۔

"وڑائچ صاحب!" حسن مراد اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ "وہ سب باتیں تو میرے علم میں آ گئیں مگر اس خالی فریم کو گلے میں یوں لٹکائے پھرنا میری عقل سے باہر ہے۔"

"یہ محض دل کو تسلی دینے والی بات ہے!" وہ گہری آہ بھر کر مسکرایا۔ "اسے میری خوش فہمی کہہ لیجئے کہ میں یہ اس لئے گلے میں ڈالے پھرتا ہوں کہ شاید میری حالت پر رحم کھا کر وہ تصویر ایک بار پھر اس فریم میں خود ہی لوٹ آئے اور میں اس خبیث مصری کے عذاب شب کی اذیت سے بچ جاؤں..... حالانکہ کبھی ایسا نہیں ہوا ہے۔ بھلا کوئی قیدی رہائی پانے کے بعد دوبارہ سابقہ قید قبول کرتا ہے؟" اس کے لہجے میں گہری تلخی تھی۔

حسن مراد اس کی بات پر دل مسوس کر رہ گیا۔ مگر اس کے چہرے پر چھایا اطمینان اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ سیف اللہ خان اب مزید اذیت کا شکار نہیں ہوگا۔

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟ حالانکہ میں نے یہ واضح کر ڈالا ہے کہ مجھے کوئی جسمانی مرض لاحق نہیں ہے۔" سیف اللہ خان نے طاق میں پڑی ادویات کی جانب دیکھ کر منہ بسورا۔

"تم اگر کچھ دیر صبر کر لو تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا مرض یہیں تشخیص ہو جائے گا اور اس کا شافی علاج بھی یہیں ملے گا..... انشاء اللہ۔" حسن مراد نے یقینی

انداز میں کہا۔

حسن مراد بظاہر اس کی ڈھارس بندھا رہا تھا مگر باطنی طور پر وہ بھی قدرے پریشان تھا کہ اگر اس جگہ سے اسے شفا نہ مل سکی اور آرام نہ نصیب ہوا تو شاید پھر کہیں سے بھی وہ اس کے لئے شفا نہیں تلاش کر پائے گا۔ وہ وقت سے پہلے ہی اسے کوئی آس امید نہیں دلانا چاہتا تھا۔ سیف اللہ خان بے زار وہاں بیٹھا رہا۔ اسے خود بھی کوئی آس امید اب نظر نہیں آ رہی تھی۔ طارنوش منوف کا خیال آتے ہی اس کے دل بری طرح دھڑک اٹھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک عمر رسیدہ شخص دروازے پر نمودار ہوا۔ اس نے اپنے سر پر رکھی ہوئی ٹوپی اتار کر بڑی نفاست سے تہہ کر کے جیب میں ڈالی اور کندھے پر پڑے صافے کو سر کے گرد لپیٹ لیا۔ حسن مراد اُسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ سیف اللہ خان کو بھی اس کی تقلید میں کھڑا ہونا پڑا۔ باریش نووارد حکیم عبدالمجید شمرقندی تھا گو کہ وہ شمرقند سے نہیں آیا تھا مگر اس کے اسلاف کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ مغلوں کے دور میں تبلیغ اسلام کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر اس سرزمین پر آن بسے تھے۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی ان دونوں کو سلام کیا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ حسن مراد کو دیکھتے ہی مسکرایا اور اس سے خیریت طلب کی۔ یوں لگتا تھا کہ وہ حسن مراد کا دیرینہ واقف ہو کیونکہ اس کے لب ولہجہ میں کوئی تکلف یا انجانا پن نہیں تھا۔ جب حکیم عبدالمجید اپنی نشست پر براجمان ہو گیا تو حسن مراد سیدھا ہوتا ہوا مخاطب ہوا۔

"میاں جی! ایک مریض لایا ہوں اس دیکھئے اور اچھا کر دیجئے کیونکہ یہ زندگی سے بالکل مایوس ہو چکا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ دو دن بعد مر جائے گا۔"

"صاحبزادے!" حکیم عبدالمجید تیز لہجے میں بولا۔ "اللہ اللہ کرو..... کیسے کفرانہ کلمات ادا کر رہے ہو۔ جو زندگی بخشتا ہے۔ ہر بیماری اسی کی طرف سے ہوتی ہے اور پھر وہی شفا دیتا ہے۔ میں اور تم بھلا کس کھیت کی مولی ہیں۔"

"میاں جی! معافی چاہتا ہوں۔ میرا مطلب درحقیقت یہ نہیں تھا۔ اسے میری زبان کی پھسلن سمجھئے۔ میں اللہ سے اپنے الفاظ کی معافی مانگتا ہوں۔" حسن مراد جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔ حسن مراد کے چہرے پر پھیلی شرمندگی سے سیف اللہ خان کے چہرے پر سختی سی چھا گئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ اس کے خیال میں یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی جس پر ناراضگی کا اظہار کیا جاتا یا معافی مانگی جاتی۔

''لاؤ..... برخوردار! اپنی نبض ذرا دکھاؤ۔'' حکیم عبدالمجید نے سیف اللہ خان کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ سیف اللہ خان اس عجیب سی شخصیت سے متاثر ہونے کے بجائے چڑ کھائے بیٹھا تھا۔ اس نے طوعاً و کرہاً اپنا بازو اس کی جانب بڑھا دیا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

حکیم عبدالمجید نے اس کی نبض پکڑی اور ایک لمحے کے لئے سیف اللہ خان کی جانب دیکھا۔ حکیم عبدالمجید کا سر مستی کے عالم میں جھومنے لگا۔ سیف اللہ خان دل ہی دل میں حسن مراد کو اب کوسنے لگا کہ وہ اسے کس ڈھونگی کے پاس لے آیا ہے۔ جہاں اس کا علاج تو درکنار اس کے مرض بھی تلاش نہیں کیا جاسکتا۔

''میاں وکیل!'' حکیم عبدالمجید منہ بنا کر بولا۔ ''تمہارے مریض میں تو یقین و اعتقاد کی کمی ہے۔ اسے اپنے اللہ پر کوئی بھروسہ ہی نہیں ہے۔ یہ تو اپنی ہی دھن میں رہنے والا متکبر شخص ہے اور تم کہتے ہو کہ میں اس کا علاج کروں..... جس مریض کا مرض ہی آمن رع کی ذات ہو بھلا اس کا علاج میں کیا کرسکتا ہوں؟''

سیف اللہ خان اپنے بارے میں اظہار خیال پر دل ہی دل میں کھول اٹھا مگر آخری جملے پر وہ شدت حیرت سے گرتے گرتے بچا۔ حسن مراد کے چہرے پر حکیم عبدالمجید کی بات سن کر فرط جوش کی سرخی چھانے لگی۔ وہ بے تابی سے حکیم عبدالمجید سے مخاطب ہوا۔

''تو پھر اس کا علاج آج سے ہی شروع کر دیجئے..... قبلہ مریض میں جو بھی کمی دکھائی دے اسے پورا کر کے اللہ کے حضور سرخرو ہو جایئے۔ مریض آپ کے سامنے موجود ہے اور اسے شفا دینا تو اللہ ہی کا کام ہے اس کے ذہن پر چھائے غبار کو دھو ڈالئے.....!!!''

''کیوں برخوردار!'' حکیم عبدالمجید مسکرا کر سیف اللہ خان کی جانب متوجہ ہوا۔ ''علاج کراؤ گے یا عذاب شب کو مزید سہنا چاہتے ہو؟'' سیف اللہ خان کے چہرے پر غیر یقینی کیفیت کو طاری دیکھ کر حکیم عبدالمجید دوبارہ مسکرایا اور اوپر کی جانب انگشت شہادت کھڑی کرتا ہوا بولا۔

''اس میں پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں..... میں کوئی علم غیب نہیں جانتا۔ یہ سب اس

کائنات کی ہی دین ہے۔ میں تو صرف بھولے بھٹکے لوگوں کو نشان دیتا ہوں۔ اپنی منزل کا تعین وہ خود کرتے ہیں۔ تمہاری منزل بھی سامنے ہے۔ تمہیں بھی ایک چھوٹا سا نشان دے دیا ہے تاکہ تمہیں اپنے اللہ پر یقین آجائے۔''

''مم..... مم..... مگر آپ کو کیسے پتہ چلا، میں آمن رع کے بارے میں کچھ جانتا ہوں؟ حالانکہ اس بارے میں میں اور وکیل صاحب ہی جانتے تھے۔'' سیف اللہ خان کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ وہ اب جانے کیوں حکیم عبدالمجید کی نگاہوں سے براہ راست نگاہیں نہیں ملا پایا۔

حکیم عبدالمجید نے باتوں کے درمیان طاق میں پڑی ایک شیشی اُٹھائی اور اس میں سے گہرے رنگ کا سیال ایک چھوٹے سے چمچے پر انڈیلا اور پھر اس میں زمین پر پڑی چھوٹی سی تھیلی میں سے سفوف نکال کر ملانے لگا۔ حسن مراد خاموشی سے بیٹھا یہ منظر دیکھتا رہا۔

''خیر..... ان باتوں کو چھوڑو!..... لو یہ دوا پی لو!'' حکیم عبدالمجید سیف اللہ خان کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔ ''اب اللہ ہوالشافی پڑھنا نہ بھولنا۔''

سیف اللہ خان نے کانپتے ہاتھوں سے دوا لی اور یہ چھوٹی سی خوراک اپنے حلق میں اتار لی۔ دوا جونہی حلق سے نیچے اتری تو اسے اپنے وجود میں آگ بھڑکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ شدت تکلیف سے اس کی آنکھیں ابل آئیں۔ چہرہ پسینے سے شرابور ہوگیا۔ یہ حالت کچھ ہی دیر قائم رہی پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت اعتدال پر آنے لگی۔ اب اس کی پُرشکوہ نگاہیں حکیم کی جانب اٹھیں۔

''روح کو زخمی کر کے میرے پاس آئے ہو۔ اب اس کے زخموں کو مندمل بھی تو کرنا ہے۔ صبر سے کام لو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ جانتے ہو کہ آمن رع کون ہے؟'' حکیم عبدالمجید کی آواز میں تلخی سی عود کر آئی۔ سیف اللہ خان نے نفی میں گردن ہلائی۔ جس پر حکیم عبدالمجید نے ایک جھرجھری سی لی اور گویا ہوا۔

''آمن رع مصریوں کے خدا کا نام ہے جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ وہی آمن رع جو موسیٰ کا بھی رب ہے۔ وہی آمن رع جو ہمارا بھی رب ہے۔ محض نام سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ کہو یا یہواہ۔ آمن رع کہو یا پرمیشور..... خدا تو ایک ہی ہے..... وہ خبیث بڈھا درحقیقت آمن رع کا پجاری نہیں۔ شیطان کا پجاری ہے۔ خیر اللہ کے حکم سے اب وہ تمہارا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ تم اب اس وقت تک میرے پاس رہو گے جب تک میں تمہیں یہاں
جانے کی اجازت نہ دوں..... اگر اپنی مرضی کرنا ہے تو تم آج ہی جا سکتے ہو۔'' حکیم عبدالا
استفہامیہ نگاہیں اس کی جانب اُٹھیں۔

''نہیں..... میں اب کہیں نہیں جاؤں گا۔ مجھے اپنے معالج کی تلاش تھی اور اب وہ
مل گیا ہے اگر میں مر بھی گیا تو مجھے افسوس نہیں ہوگا کہ میں نے اپنے طور پر کوشش نہیں
سیف اللہ خان جذباتی ہو گیا۔ اس کا چہرہ اس بات کی غمازی کرنے لگا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا
اس پر اس کا دل دماغ دونوں متفق ہو چکے ہیں۔

''میاں وکیل!'' حکیم عبدالمجید اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ''اب تم جاؤ اور اپنا کام کرو
کام کے پیچھے لگے ہو..... لگے رہو..... کامیابی تمہیں مل کر رہے گی۔ اور ہاں یہ فریم ا
لے لو اور اسے اپنے گھر میں لے جا کر لگا دو۔ وہ ایک بار پھر تمہارے پاس آئے گی مگر
مت۔ وہ کوئی بدروح نہیں ہے بلکہ ستم کا شکار ایک بھولی بھالی روح ہے۔ اس سے تمہیں
نہیں ہے بلکہ تمہیں کسی سے بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ خبیث بڈھا تیرے پاس بھی آئے
تجھے دھمکائے گا۔ تیرے کاموں میں حرج کرے گا مگر ڈرنا مت کیونکہ تم مسلمان ہو.....
بھی مسلمان پر فتح نہیں پا سکتا۔''

''مگر میاں جی! یہ بھی تو مسلمان ہی ہے؟'' حسن مراد نے چونک کر سیف اللہ خا
جانب اشارہ کیا۔ خود سیف اللہ خان بھی اس بات پر چونک اُٹھا۔

''مسلمان میں ایمان اور اعتقاد مضبوط ہوتا ہے۔ اسے اپنے رب پر کامل بھروسہ
ہے۔ یہی چیز اسے دوسروں پر ظلم کرنے سے روکتی ہے۔ جب یہ چیز اس کے اندر سے
جاتی ہے تو وہ ظالم بن جاتا ہے۔ شیطانی چیلوں میں شمار ہوتا ہے..... محض مسلمان ہونے کا
سجا لینے سے ہر کوئی سچا مسلمان تھوڑی بن جاتا ہے۔'' حکیم عبدالمجید کی آواز میں بلا کی
تھی۔

سیف اللہ خان کی گردن خود بخود ندامت سے جھکتی چلی گئی۔ حسن مراد نے اس
پر مزید کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ سیف اللہ خان کے ہاتھوں سے وہ آبنوسی فر
کر مطب سے نکل آیا۔ سیف اللہ خاں اب اس حکیم کے ساتھ اکیلا رہ گیا تھا۔

وہ دونوں ٹہلتے ٹہلتے عمارت کے دائیں جانب آ نکلے۔ ان کے جسم پر موجود مخصوص وردی
معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں اس عمارت کے پہرہ دار ہیں۔ یہ عمارت شہر کا سب سے بڑا جیل
تھی۔ جہاں بے گناہ اور مجرم دونوں ہی یکساں طرز کی قید کاٹنے پر مجبور تھے۔ دنیا میں رہتے
ہے بھی وہ دنیا سے کٹے ہوئے تھے۔ وہ چل پھر سکتے تھے مگر صرف اسی عمارت کی حدود تک۔
سے باہر نکلنے کی کسی کو بھی اجازت نہیں تھی۔ اگر کوئی قیدی اس عمارت کے ساختہ اصولوں کی
ورزی کرتا تو وہ ان دیکھی گولیوں کا نشانہ بن کر ہمیشہ کے لئے گہری نیند سو جاتا یا پھر زخمی
کئی کئی دن تک ہسپتالوں میں پڑا رہتا اور جب اسے شفایابی کی نوید ملتی تو ساتھ ہی عرصہ قید
ضافے کا بوجھ بھی برداشت کرنا پڑتا۔ یہ سب ہمارے ہی بنائے قانون قاعدے ہیں۔
افتہ ضابطے ہیں کہ ہم ہر ملزم یا مجرم کے ساتھ ایک سا سلوک روا رکھتے ہیں۔ اسے اس
رم کی سزا ایسی دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمت ''آزادی'' سے محروم رہ جاتا

وہ دونوں سپاہی آپس میں کسی معاملے پر سرگوشیوں میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی حدود
ہل رہے تھے۔ رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ ہر سو چودھویں کے چاند کی دلفریب
پھیلی ہوئی تھی۔ عمارت کے تمام گوشے اس شفاف چاندنی میں نہائے صاف دکھائی
تھے۔ ان دونوں سپاہیوں کے علاوہ اور کئی پہرے دار اس عمارت کے اطراف میں اپنی
ذمہ داری نبھا رہے تھے۔ اچانک ان پہرے داروں میں سے ایک سپاہی نے اپنے ساتھی
جانب مبذول کرائی۔ پھر وہ دونوں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس طرف دیکھنے لگے۔
وہ کوئی پری دکھائی دیتی تھی۔ ایک خوبصورت نوجوان دوشیزہ جانے کب اس جانب
اس کا سفید لباس اسے چاندنی رات میں بے حد دلکشی بخشے ہوئے تھا۔ وہ دونوں اسے
ٹھک گئے۔ ایک لڑکی کا آدھی رات کے وقت جیل کی عمارت میں موجود ہونا ایسے ہی تھا
کھے کے سر پہ سینگ نکل آئیں۔ اس کے علاوہ وہ ایسے چل پھر رہی تھی کہ جیسے یہ کوئی
خانہ نہ ہو بلکہ اس کا اپنا گھر ہو۔

''کک..... سیٹی بجاؤ..... جلدی کرو۔'' ایک سپاہی بدحواسی میں بولا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''نہیں..... اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے جانے دو صرف یہ دیکھو کہ یہ کہاں
چاہتی ہے؟ اب جیل سے بھاگنے سے تو رہی.....!'' دوسرے سپاہی نے اپنی عقلمندی بگھار
''ہونہہ.....!!!'' پہلا سپاہی گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''میرا تو خیال ہے کہ اتنی خ
صورت لڑکی انسان نہیں ہوسکتی۔ یہ یقیناً کوئی چڑیل ہے۔''

''بے وقوفوں جیسی باتیں مت کرو.....!'' دوسرا سپاہی منہ بنا کر بولا۔

وہ حسین وجمیل لڑکی اپنے کھلے بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتی ہوئی ان کے بالکل قریب
گذر گئی۔ وہ اسے اپنی جانب آتا دیکھ کر ایک آڑ میں چھپ گئے تھے۔ لڑکی کو اندازہ ہی
ہوسکا کہ اسے کسی نے دیکھ لیا اور اس کی راہ میں کوئی چھپا بیٹھا ہے۔ وہ لڑکی اب بھی سپا
سے بے خبر جیل کی راہداری میں چل رہی تھی۔ کچھ ہی لمحوں میں جیل کی عمارت کے سب
اس لڑکی سے باخبر ہوگئے۔ اس طرح خاموشی اور آزادی سے کسی بھی لڑکی کا جیل خانے
گھومنا بڑی عجیب سی بات تھی۔ وہ سب سپاہی اس کے عقب میں چھپتے چھپاتے اس کی
بڑھنے لگے۔ جیل خانے کی حفاظت کو فراموش کئے ان سب کی نظریں اس پراسرار لڑکی
تعاقب میں تھیں۔

لڑکی اس طرح چل رہی تھی کہ جیسے وہ تمام راستوں سے اچھی طرح واقف ہے
کے چہرے پر چھائے اطمینان اور عمارت میں اس آزادی سے گھومنا پھرنا سب سپاہیوں
لئے باعث حیرت تھا۔ ان میں سے کچھ سپاہی توہمات کا شکار تھے اور دل ہی دل میں
قرآنی کا ورد کرنے لگے۔ ان کے خیال میں یہ لڑکی انسانی مخلوق ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ لڑ
ہوئی ایک کوٹھری کے سامنے آرکی۔ شاید یہاں کوئی اہم قیدی بند تھا۔ سپاہی تیزی
برآمدے کی جانب بڑھے جہاں وہ لڑکی کچھ ہی لمحے قبل داخل ہوئی تھی۔

اچانک ان سب کے چہروں پر بدحواسی چھا گئی۔ اس برآمدے میں کسی لڑکی کا
دکھائی نہیں دیا۔ لڑکی کہاں غائب ہوگئی؟ اس بارے میں کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا
سب ایک دوسرے کی جانب حیرت و پریشانی سے تکنے لگے۔ چہ میگوئیوں کا نہ رکنے والا
شروع ہوگیا۔ ہر کوئی اپنی ہانکنے لگا۔

کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ بدروح تھی تو کوئی کہہ رہا تھا کہ بدروح نہیں چڑیل تھی۔ کو

اسے پچھل پیری پکارا۔ جانے کیا کیا توہمات اس کی جانب منسوب کی گئیں؟ کچھ کمزور دل
سپاہی تو فرط خوف سے کانپنے لگے۔ وہ زیادہ دہشت زدہ دکھائی دیتے تھے۔ اسی اثنا میں جیل کا
سپرنٹنڈنٹ اس طرف آنکلا۔ وہ ان سب سپاہیوں کو ایک جگہ اکٹھا دیکھ کر حیران سا ہوا۔ اس
کے استفسار پر اسے جب حقیقت سے آگاہ کیا گیا تو وہ الٹا ان پر برس پڑا اور فوراً تمام بیرکوں کی
چیکنگ کا حکم جاری کیا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی مجرم کے ساتھی نے کوئی سائنسی شعبدہ دکھا کر
یہاں سے کسی اہم قیدی کو فرار کرایا ہے۔

اتنا سننا تھا کہ سب سپاہی بوکھلاہٹ میں ادھر اُدھر بھاگنے لگے ایک ہی پل میں تمام
عمارت روشنی میں نہا گئی۔ چپے چپے میں تلاشی شروع کردی گئی۔ کچھ سپاہی بیرکوں میں جھانک
کر سوئے ہوئے قیدیوں کو جگا جگا کر ان کی شکلیں دیکھنے لگے۔ وہ لڑکی جو کہ روپہلی چاندنی میں
جیل میں داخل ہوئی تھی اس کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں مل سکا۔

ایک گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد یہ عقدہ کھلا کہ ایک قیدی اپنی بیرک میں موجود نہیں
ہے۔ یہ سننا تھا کہ سب سپاہیوں کی جان پر بن گئی۔ ان کی شامت آگئی۔ سپرنٹنڈنٹ نے ان
سب کی خوب خاطر تواضع کی اور اس قیدی کی فائل منگائی تاکہ معلوم ہوسکے کہ وہ کتنا اہم قیدی
تھا۔

جب فائل اس کی میز پر لائی گئی تو وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا کیونکہ مفرور قیدی کوئی عام نہیں
بلکہ ایک انتہائی اہم مقدمے میں مطلوب شخص تھا۔ وہ ایک نامزد قاتل تھا جس نے حال ہی میں
شہر کی ایک سربرآوردہ شخصیت کو قتل کیا تھا۔ اس کا نام نعمان حیدر تھا۔ جب یہ اطلاع سپاہیوں
میں عام ہوئی تو وہ سراسیمگی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک لڑکی انہیں اتنا بڑا
فریب دے گئی۔ یہ سوچ سوچ کر انہیں ہول آرہا تھا کہ اب ان کی ملازمت کا کیا بنے گا؟

سپرنٹنڈنٹ جیل نے جیل کا کونا کونا چھان مارا مگر وہ قیدی نہ مل سکا۔ اس قیدی کی بیرک
کو جب کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مقفل ہے۔ اندر نہ کوئی روشندان ٹوٹا تھا اور نہ ہی کوئی سرنگ
کھدی ملی۔ قیدی کس طرح اس بیرک میں سے فرار ہوا، یہ سب کے لئے معمہ بن گیا۔ پھر اسی
رات میں دوسری تمام بیرکیں کھول کر دیکھا گیا کہ شاید وہ کسی دوسری بیرک میں جا چھپا ہو مگر
اس مرحلے میں بھی انہیں سخت ناکامی کا سامنا ہوا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہر کیف تمام رات جیل میں ہنگامی صورت حال نافذ رہی۔ سپاہیوں کی بھاگ دوڑ کے ساتھ ساتھ سپرنٹنڈنٹ کی بدحواسیاں بھی جاری رہیں۔ اسی دوران صبح ہوگئی۔ یہ خبر کوئی ایسی نہیں تھی کہ اسے دبا لیا جاتا۔ اخبارات کو رات میں ہی صرف یہی سن گن ملی کہ کوئی قیدی رات کو فرار ہوگیا ہے مگر انہیں قیدی کا نام نہیں معلوم ہوسکا۔ صبح آٹھ بجے اعلیٰ حکام جیل میں آدھمکے۔ وہ اخبارات کی اس خبر کی تصدیق چاہتے تھے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ شہر کی مشہور اور ہردلعزیز شخصیت عبدالرحمٰن چغتائی کا قاتل نعمان فرار ہوا ہے تو وہ بھی بری طرح بوکھلا اُٹھے۔ انہیں قاتل کے فرار ہونے سے زیادہ اپنی عزت پر اُٹھنے والی ان انگلیوں کی فکر لاحق ہوگئی۔ جو ان کی ملازمت کو ختم کرا سکتی تھی۔

اعلیٰ حکام کا غصہ ان بے چارے سپاہیوں پر نکلا۔ ان سب سپاہیوں کو محکمہ سے برطرفی کا حکم سنا ڈالا گیا۔ وہ سب منہ لٹکائے کھڑے تھے۔ ان کی نگاہوں میں رحم بھری درخواست جھلکنے لگی مگر اعلیٰ حکام کیا کرتے حالات نے ہی کچھ ایسی کروٹ لی تھی کہ یہ اقدام لازمی ہوگیا تھا۔ پھر چند لمحوں بعد اعلیٰ حکام کی معیت میں یہ جیل کا عملہ اس مقام تک پہنچا جہاں سے وہ اہم ترین قیدی فرار ہوا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر بیرک کا دروازہ کھولا اور اندر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''سر وہ قیدی یہاں بند تھا اور یہاں سے.....!!!؟''

وہ بولتے بولتے اچانک ہڑبڑا کر رک گیا جیسے اسے اندر کوئی عجوبہ دکھائی دے گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اندر موجود قیدی کو دیکھنے لگا۔ جو سب باتوں سے بے خبر زمین پر پڑا سو رہا تھا۔ پھر سب نے آگے بڑھ کر باری باری اسے دیکھا۔ اعلیٰ حکام بھی اس پہیلی پر پریشان ہوگئے۔ رات کو فرار ہونے والے قیدی کا خود بخود واپس لوٹ آنا بڑی عجیب بات تھی۔ لڑکی والا بیان بھی سنا جا چکا تھا جسے سپاہیوں کی بے خوابی قرار دیا جا چکا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نے رات کو خود اپنی آنکھوں سے یہ بیرک خالی دیکھی تھی۔ اب یہاں نعمان کو دیکھ کر وہ ہکا بکا سا رہ گیا۔

اعلیٰ حکام اس سے جواب طلب کرنے لگے مگر اس کے پاس حیرت کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ تمام سپاہیوں میں اس واقعے نے گہری سنسنی پھیلا دی تھی کئی سپاہی اب بھی دبے لفظوں میں اسے بھوتوں کی کارستانی سے تشبیہ دے رہے تھے۔ بالآخر یہی طے پایا کہ قیدی

براہ راست استغفار کیا جائے کہ وہ رات کو کہاں گیا؟

نعمان کو بیدار کیا گیا اور منہ ہاتھ دھلا کر اسے حکام کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ وہ اس طلبی اور اپنے سامنے افسروں کی قطار دیکھ کر قدرے ہراساں دکھائی دینے لگا۔

''نوجوان!'' ایک افسر کڑک دار لہجے میں بولا۔ ''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم رات کے وقت جیل سے غائب ہو جاتے ہو اور دن کے وقت واپس چلے آتے ہو کیا یہ سچ ہے؟''

''سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اتنی بڑی عمارت میں سے سپاہیوں کی نگاہوں سے بچ کر باہر نکلنا اور واپس آجانا کم از کم میرے بس کا تو روگ نہیں ہے۔'' نعمان سٹپٹا کر بولا۔

''تو پھر کل رات تم کہاں تھے؟'' سپرنٹنڈنٹ جیل دانت پیس کر بولا۔

''کیا مطلب؟..... میں نے کہاں جانا ہے میں اسی بیرک میں پڑا سو رہا تھا!!!'' نعمان کے چہرے پر گہری حیرت چھا گئی۔ وہ باری باری ان سب کے چہروں کو دیکھ رہا تھا جو سوالیہ انداز میں اسے گھور رہے تھے۔ اس کے چہرے پر چھائی حیرت اور معصومیت سب کو یہی یقین دلا رہی تھی کہ یہ نوجوان سچ بول رہا ہے۔

''مگر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کل رات تم اپنی بیرک میں موجود نہیں تھے۔'' سپرنٹنڈنٹ جیل غراتے ہوئے بولا۔ اسے اب نعمان کے انکار پر اعلیٰ حکام کے سامنے شرمندگی اُٹھانا پڑ رہی تھی۔

''مسٹر سپرنٹنڈنٹ!..... مجھے لگتا ہے کہ آپ یا تو کل رات نیند میں تھے یا پھر یقیناً شراب کے نشے میں ڈوبے ہوں گے۔ میرے پاس نہ بیرک کی چابی ہے نہ ہی کوئی ایسا اوزار۔ جس کی مدد سے میں بیرک کا آہنی دروازہ کھول سکتا..... ایسی صورت میں مَیں کہاں جا سکتا ہوں۔ میں انسان ہوں کوئی جن نہیں ہوں۔'' نعمان کے لہجے میں ناگواری عیاں تھی۔ سپرنٹنڈنٹ اپنی اس بے عزتی پر تلملا کر رہ گیا۔ اس نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح وہ نعمان کے منہ سے اگلوا لے کہ وہ واقعی رات کو غائب ہوا تھا مگر نعمان کا سخت ردعمل اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی تھا۔

اعلیٰ حکام نے محکمہ پولیس کی بدنامی کے ڈر سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ رات کے اس سنسنی خیز معاملے کو دبا دیا اور تمام عملے کو بے خوابی کی زیادتی کا شکار ہونے کا سبب قرار دے کر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جبراً برطرف کر دیا گیا۔ وہ سب لوگ اپنی بے گناہی میں محض چیختے چلاتے رہے مگر ان کی ایک نہیں سنی گئی۔

حسن مراد عدالت میں کھڑا اپنے مؤکل نعمان حیدر کا انتظار کر رہا تھا۔ ملزم کو آج پولیس نے عدالت کے روبرو پیش کرنا تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ حسن مراد نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ وہ صبح کے دس بجنے کا اعلان کرنے لگی۔ پولیس کو اسے ساتھ لے کر صبح آٹھ بجے تک عدالت میں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ حسن مراد نے سوچا۔ اس کی نگاہ ایک طرف کھڑے صحافیوں پڑی جو کسی نئی خبر کی تلاش میں منتظر دکھائی دیتے تھے۔ ساڑھے دس بجے پولیس کی بڑی گاڑ نعمان حیدر کو ساتھ لئے عدالت کے احاطے میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ خلاف معمو سپاہیوں کی تعداد کچھ بڑھا دی گئی تھی۔ وہ سپاہیوں کے نرغے میں گاڑی سے نکلا تو صحافی اس جانب لپکے مگر پولیس کے ''شیر جوانوں'' نے انہیں اس کے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیا۔ حسن م تیزی سے نعمان کے پاس آیا اور خیریت طلب کی۔ نعمان نے آنکھ دبا کر اسے فی الوقت خامو رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ ایک سپاہی اسے پیچھے ہٹاتا ہوا بولا۔

''پلیز سر! جو بات کرنا ہے، وہ کمرۂ عدالت میں کیجئے گا۔ ہم اس وقت مجبور ہیں۔''

حسن مراد کے چہرے پر ناگواری سے ایک رنگ آ کر گذر گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور کو بات ہوئی ہے۔ جسے اس سے چھپایا جا رہا ہے۔ کمرہ عدالت میں استغاثہ نے اپنی بھر دلیلوں کی بھرمار کی۔ جس کی مخالفت میں حسن مراد نے صرف یہ کہہ کر عدالتی کارروائی کو کرا دیا کہ اس مقدمے میں میرے مؤکل کو بلاوجہ کھینچا جا رہا ہے۔ پولیس کی تفتیش نامکمل ہے قاتل کوئی اور ہے۔ اس بارے میں کچھ خبریں میرے پاس پہنچی ہیں میں انہیں کچھ ثبوت ساتھ عدالت میں پیش کروں گا۔ اس کے لئے تھوڑا سا وقت لگے گا۔ عدالت نے اس کی استد منظور کرتے ہوئے اسے مزید وقت دے دیا۔

کمرہ عدالت سے باہر نکلنے پر حسن مراد ایک بار پھر نعمان کے پاس آیا مگر پولیس محافظوں نے اسے ایک بار پھر ملنے سے روکا۔ جس پر وہ طیش میں آ گیا۔ حسن مراد تیزی کمرہ عدالت کی جانب واپس لوٹا تا کہ وہ عدالت کے نوٹس میں پولیس کے معاندانہ رو

لا سکے جس پر قانون کے شیر جوان قدرے سہم گئے اور منت سماجت کرنے لگے۔ حسن مراد ان کے حصار سے نعمان کو لے کر بار روم میں چلا آیا۔ بار روم کے دروازے پر پولیس کے محافظ مستعد انداز میں بیٹھے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں نعمان انہیں جل دے کر نکل نہ جائے۔ حسن مراد نے اس سے اس اچانک سختی کا سبب پوچھا تو اس نے تمام واقعہ کھول کر بیان کر دیا۔ حسن مراد نے بڑی حیرت کا اظہار کیا۔

''تم جانتے ہو کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ میں صرف تمہارا وکیل ہی نہیں بلکہ دوست بھی ہوں لہٰذا تم اب حرف بہ حرف تمام سچائی بیان کرو..... کہ کل رات کیا واقعہ پیش آیا؟'' حسن مراد نے اس سے پوچھا۔ نعمان اس کی جانب دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا۔

''کل کی رات میری زندگی کی سب سے حسین رات تھی۔ وہ آخر کار میری زندگی میں آ ہی گئی جس کا میں برسوں سے انتظار کر رہا تھا.....!'' وہ بولتے بولتے دور خلاؤں میں کہیں کھو گیا۔

''کون؟..... کس کی بات کر رہے ہو؟'' حسن مراد نے اسے ٹہوکا مار کر پوچھا۔ جس پر وہ یوں چونکا جیسے اسے کسی نے عالم خواب سے زبردستی باہر کھینچ نکالا ہو۔

''مرزا صاحب!'' نعمان کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ''وہ میری آئیڈیل..... جس کا میں برسوں سے انتظار کر رہا تھا، وہ کل رات میرے خواب میں آ گئی۔ اس نے مسکرا کر میری جانب دیکھا تو میں اسے ایک ہی پل میں پہچان گیا۔ وہ میرے لئے جانے کہاں سے آئی۔ وہ دبے قدموں میری بیرک میں داخل ہوئی اور مجھے تسلی دینے لگی۔ وہ جوں جوں میرے قریب آتی گئی میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔ مجھ پر غنودگی سی چھا گئی۔ جب مجھے کچھ ہوش آیا تو میں اور وہ دریا کے کنارے پر موجود تھے۔ چاندنی رات میں دریا کا بل کھاتا پانی کسی اجڑے مکین کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا..... میں اس رات کی کیف بھری فضا کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ میرے سامنے تھی اور میں اس کی زلفوں کا اسیر بنا بیٹھا تھا۔ اس کی معصوم آنکھیں ابھی تک میرے سامنے موجود ہیں۔ جانے کیوں ان میں کوئی کرب پنہاں تھا جسے میں کوئی نام نہیں دے پایا۔ اس نے میری جانب دیکھا اور دلکشی سے مسکرائی تو مجھے اپنے گرد پریاں رقص کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس نے مجھے کہا کہ جس نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تم پر زیادتی کی ہے...... وہ ایک دن خود تمہارے سامنے اپنا اقبال جرم کرے گا اور اس دن تم آزاد ہو گے...... میں آزاد ہوں گی۔ تب میں تمہارے پاس دوبارہ آؤں گی ہمیشہ کے لئے۔ اور پھر میں اس کی جھولی میں سر رکھے کب سو گیا، میں نہیں جانتا۔ جب مجھے سپاہی نے بیدار کیا اور مجھ سے رات بھر غائب رہنے کا سبب طلب کیا تو میں دنگ رہ گیا۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ ایک خواب تھا مگر یہ حقیقت ہو سکتا ہے، میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔“

حسن مراد اس کے چہرے پر بدلتے رنگ دیکھ کر الجھن کا شکار ہو گیا اس نے اس واقعے کو خواب ہی قرار دے کر اپنے دل کو تسلی دی۔ نعمان کے ذہن پر تصوراتی لڑکی کے وجود سے وہ پہلے ہی آگاہ تھا۔ اس لئے اس نے یہ واقعہ اس کے شدید ذہنی دباؤ کا نتیجہ قرار دیا۔ جہاں تک پولیس والا معاملہ تھا اسے وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اس کی زندگی میں یہ کیسے عجیب و غریب واقعات رونما ہونے لگے ہیں۔ ابھی وہ مصری لڑکی کے سحر سے نہیں نکل پایا کہ ایک دوسری لڑکی نعمان کی زبانی اس کے سامنے آ گئی۔ حالات و واقعات کے دریا کا بہاؤ جانے اب کس طرف جا نکلا تھا...... اس کا ذہن نہایت سنجیدگی سے اس تانے بانے کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ نعمان کب کا اس سے اجازت لے کر پولیس کے ساتھ جا چکا تھا مگر حسن مراد بار روم میں انہی خیالوں میں گم بیٹھا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا......

اگر وہ لڑکی واقعی نعمان کے تخیل میں سے نکل کر باہر آ چکی ہے تو وہ اس کی کیسے مدد کر سکتی ہے؟ اگر وہ اسے جیل سے فرار ہونے میں مدد دے گی تو یہ بات حقیقت کا روپ دھار لے گی کہ اصل مجرم نعمان ہی تھا۔ یہ کسی طرح سے بھی اس کے حق میں مناسب نہیں تھا۔ اصلی قاتل ان کی نگاہوں میں آ چکا تھا مگر اس کے خلاف ٹھوس ثبوت کی ضرورت باقی تھی۔ حسن مراد نے اس لغو خیالات کو اپنے ذہن پر سے جھٹکا اور پھر دوسرے کیسوں میں مشغول ہو گیا۔

دوسرے دن حسن مراد نعمان کے پاس پہنچا اور اس سے کئی معاملوں پر سوال جواب کئے۔ یہ سوال وہ اصلی قاتل کو بے نقاب کرنے کی ایک کوشش کے ضمن میں کئے گئے۔ نعمان نے اسے ضروری معلومات فراہم کرنے کے بعد اپنی خیالی محبوبہ کی باتیں شروع کر دی۔ حسن مراد نے برا سا منہ بنایا مگر وہ پھر بھی اس کی باتیں سنتا رہا کہ شاید ان میں سے کوئی کام کی بات

اسے مل جائے۔ نعمان اپنی مستی کی رو میں اس محبوبہ کے قصیدے سناتا رہا۔ اس نے اس کے حسن کو یوں بیان کیا کہ جیسے وہ اس دنیا کی سب سے پہلی یا آخری حسین لڑکی ہو۔ وہ اس کا حلیہ بیان کرنے لگا۔ اس کے سادہ سے لباس پر لفظوں کے کوزے خالی کرنے لگا۔ وہ اس وقت قاتل کے بجائے کوئی لٹا پٹا شاعر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا انداز بیان ہی کچھ ایسا تھا کہ اس لڑکی کا سراپا حسن مراد کی آنکھوں کے سامنے آتا چلا گیا۔ حسن مراد تصویر حیرت بنتا چلا گیا۔

وہ اب بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نعمان جس لڑکی کے حسن و جمال کے قلابے ملانے کی کوشش میں محو تھا...... وہ کوئی اور نہیں وہی مصری ملکہ راب شانخ تھی۔ جسے حسن مراد اپنی نگاہوں سے دیکھ چکا تھا۔ اس کا خاص لباس اور بکھری زلفیں حسن مراد کو اب بھی اسی طرح یاد تھیں۔ نعمان کے منہ سے اس کا ذکر سن کر وہ شدید الجھن کا شکار ہو گیا۔ وہ وہاں سے جب نکلا تو اس کا ذہن بے حد پراگندہ ہو چکا تھا۔ طرح طرح کے وسوسے اس کے ذہن کی پرسکون سطح پر طوفان برپا کئے ہوئے تھے۔

مصری تصویر...... نعمان کی آئیڈیل حسینہ...... کیا وہ اس تصویر کو اپنا جیون ساتھی بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے؟

......زندہ تصویر

......خیالی لڑکی

......ملکہ راب شانخ۔

عجیب سی تکون بن چکی تھی۔ ایک عجیب و غریب ہستی جو خود اسرار و بھید کے عالم میں غرق تھی۔ اب نعمان کی پرسکون زندگی میں بھی داخل ہو چکی تھی۔ سیف اللہ خان اس کے باعث عجیب و غریب حالات کا شکار ہو کر موت کے منہ تک جا پہنچا۔ حسن مراد خود اس حسین و جمیل دوشیزہ کی جلوہ افروزی دیکھ کر کئی راتوں تک سو نہیں سکا۔

نوجوان نعمان جو زندگی و موت کے بھنور میں پھنسا ہے۔ جس کی رہائی [illegible] کے لئے حسن مراد نے اپنا آرام و سکون کھو دیا۔ وہ بھی اس حسینہ کے سحر میں پھنس جائے گا۔ وہ اپنی آئیڈیل کی تلاش میں ملکہ راب شانخ کا اگلا شکار بن جائے گا؟ اس کے دل میں ایک خیال ابھرا۔ اس خیال کے آتے ہی اس کا دل جانے کیوں بیٹھنے لگا۔ حسن مراد نے اب نعمان کو بھی

اس سحر سے بچانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اپنی اتنی محنت کو یوں رائیگاں جاتے دیکھ کر بے حد ملول ہوا تھا۔

اسرار بڑھتے جارہے تھے اور مشکلات میں ہر گام پہ اضافہ ہونے لگا تھا۔ ایک منحوس جال تھا کہ جو ہر سو پھیلتا ہی جارہا تھا۔ دماغ پر امید سے زیادہ بار مسلط ہو چکا تھا۔ وہ انہی الجھنوں میں گھرا بار روم سے نکلا اور اپنے دفتر کی جانب چل پڑا۔ اس کا دفتر تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ اس نے اپنی گاڑی پر جانے کے بجائے پیدل ہی چلنے کا قصد کیا۔ اس نے سوچا کہ گاڑی وہ بعد میں ملازم سے منگوالے گا۔ وہ ان عجیب وغریب خیالات کی دلدل میں کھویا چلنے لگا کہ کسی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے اپنے سامنے کھڑے بوڑھے شخص کو دیکھا جو کہ شکل وصورت سے عجیب سا لگا۔ اس کی حالت فقیروں جیسی تھی اور بڑھا ہوا ہاتھ دیکھ کر حسن مراد نے اپنی جیب ٹٹولی اور ایک سکہ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

اس نے سکے کو یوں لپک کرلیا جیسے اسے واقعی اس کی بے حد ضرورت ہو۔ سکہ اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے وہ یاس بھری نگاہوں سے حسن مراد کا چہرہ دیکھنے لگا۔ حسن مراد کو جانے کیوں وہ چہرہ شناسا سا لگ رہا تھا۔ وہ اپنے ذہن پر زور ڈالنے لگا کہ وہ کون ہوسکتا ہے؟

''کیوں اپنے ذہن کو تھکاتے ہو؟ جو پوچھنا ہے مجھ سے ہی پوچھ لو۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

حسن مراد اس کی جانب عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔ یہ فقیر اس کی ذہنی کیفیت کیسے جان گیا؟ ایک نئے سوال نے سر اُٹھایا۔

''تم مجھے کیسے جانتے ہو؟'' حسن مراد نے پوچھا۔

''میں وہی ہوں جس کا انتظار تمہیں تھا.....!'' وہ بوڑھا فقیر ہنستا ہوا بولا۔ اس کی ہنسی میں حسن مراد کو کراہیت کا احساس ہوا۔ نفرت کی شدید لہر اس کے جسم میں دوڑنے لگی۔

''میں ابھی تک تمہیں پہچان نہیں سکا۔ اگر مناسب سمجھو تو اپنا تعارف خود ہی کرادو۔''

حسن مراد نے اپنی یادداشت کی بے بسی پر اسے مخاطب کیا۔ یہ حقیقت تھی کہ ذہن پر بے حد زور دینے کے باوجود وہ اس شخص کو پہچان نہیں پایا کہ اسے کہاں اور کب دیکھا تھا؟

''آپ نے میرے محسن کش چور..... کو کہاں چھپایا ہے؟'' وہ بوڑھا کھل گیا۔ اس کے لہجے میں چھپی درندگی حسن مراد کو محسوس ہونے لگی۔ وہ اسے پہچان چکا تھا کہ یہ وہی خبیث بوڑھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مصری طارنوش منوف ہے جو کہ سیدھا یہاں آپہنچا ہے۔

''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' حسن مراد نے بناوٹی لہجے میں اسے آنکھیں دکھائیں۔ جس پر طارنوش منوف کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے حسن مراد کو دیکھا اور پھر خود ہی بڑبڑایا۔

''کوئی بات نہیں جہاں بھی چھپا بیٹھا ہے۔ میں اسے ایک دن کھوج ہی نکالوں گا..... آخر کتنے دن تک چھپے گا۔ ایک دن تو اسے مرنا ہی ہے۔ میں اسے زمین کی سات تہوں سے بھی نکال لوں گا۔ اسے شاید میری طاقت کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ میں اب جارہا ہوں پھر ملاقات ہوگی۔''

اس سے پہلے کہ حسن مراد اسے کچھ کہتا۔ وہ فقیروں کی طرح سر ہلاتا ہوا اس کی نگاہوں کے سامنے اوجھل ہوگیا۔ اس نئی واردات نے حسن مراد کو ذہنی طور پر بالکل مفلوج کردیا۔ وہ کردار جو اس نے سیف اللہ خان کی زبانی سنے تھے۔ جنہیں وہ اس کا تخیل سمجھا تھا۔ اب ایک ایک کرکے اس کی نگاہوں کے سامنے حقیقت کا روپ دھارنے لگے تھے۔ حسن مراد نے اس جگہ نظر دوڑائی تو قریب ہی ایک چھوٹا سا کھوکھا دکھائی دیا۔ وہ سیدھا اس کے پاس چلا گیا۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا ملا۔

''معاف کرنا بھائی!'' حسن مراد اس سے مخاطب ہوا۔ ''یہ فقیر جو ابھی ابھی یہاں سے گذرا ہے اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو کہ یہ کب سے یہاں دکھائی دے رہا ہے؟''

''وکیل صاحب! آپ کو اس سے کیا لینا دینا..... یہ مجذوب لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ نہ ہی یہ روز روز کسی ایک جگہ پر آتے ہیں۔ یہ بھی انہی میں سے ایک ہے کبھی کبھار ادھر آنکلتا ہے۔ ویسے سچی بات ہے کہ میں نے اسے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا۔''

وہ دکاندار اپنی سی کہے جارہا تھا۔ حسن مراد اسے بولتا ہوا چھوڑ کر اپنے دفتر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے ذہن میں اس دوکاندار کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں ہوا تھا۔ لوگوں کی ذہنیت کس حد تک گر چکی ہے کہ وہ بدحال اور پیشہ ور قسم کے لوگوں کو بھی مجذوب کا درجہ عطا کرنے سے باز نہیں آتے۔ انہیں مجذوبیت کے بارے نہ تو کچھ پتہ ہے کہ وہ کیا ہوتی ہے اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ ان کے دین میں مجذوبیت کا سرے سے ہی کوئی تصور نہیں ہے۔ جو کسی بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقام پر اول فول بکے، عورتوں کے سامنے فحش گالیاں دیتا دکھائی دے، کپڑوں سے بیگانہ ہو..... وہ مجذوب ہوتا ہے۔ واہ رے انسان! تیرا یہ کیا معیار ہے کسی کو پیر و فقیر بنانے اور سمجھنے کا.....! حسن مراد بڑبڑا رہا تھا۔

کمرۂ عدالت کھچا کھچ بھرا پڑا تھا۔ آج مقتول عبدالرحمٰن کے قاتل کا مقدمہ شنوائی کے لئے مقرر تھا۔ لوگوں کو امید تھی کہ آج دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ قاتل کو سزا سنادی جائے گی یا پھر کوئی نیا انکشاف سننے کو ملے گا۔ اسی لئے صبح سویرے سے ہی لوگ کمرۂ عدالت میں جمع ہو چکے تھے۔ حالانکہ ابھی تک جج بھی عدالت نہیں پہنچا تھا۔ عام لوگوں کے علاوہ صحافیوں کی بڑی تعداد وہاں موجود تھی۔ گو کہ انتظامیہ نے اس مقدمے کے لئے خاص انتظام کیا تھا مگر وہ سب انتظام لوگوں کے ہجوم کے سامنے دھرے کا دھرا رہ گیا۔ آٹھ بجے جب حسن مراد کمرۂ عدالت کی جانب آرہا تھا تو کئی صحافیوں نے اسے گھیر کر طرح طرح کے سوالات کی بھرمار کر دی۔ جن سے بمشکل وہ جان چھڑا کر کمرۂ عدالت میں پہنچا۔ وہ اپنے مخصوص کٹہرے میں جا بیٹھا تب اسے سکون کی سانس نصیب ہوئی۔ اس جگہ کسی عام فرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی ورنہ صحافی حضرات اس کی جان نہ چھوڑتے۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھا اب جج کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جج اپنے چیمبر میں سے نکل کر کمرۂ عدالت میں داخل ہوا تو سب لوگ اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ وہاں موجود وکلاء نے کورنش بجایا۔ اس کے بعد مقدمے کی رسمی کارروائی کا آغاز ہوا۔ استغاثہ کی جانب سے ایک ادھیڑ عمر وکیل کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کر ایک کاغذ جج کی جانب بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' جج نے حیرت سے استفہام کیا۔

''جناب اعلیٰ! یہ میرا وکالت نامہ ہے۔ میں مقتول کی جانب سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ وکیل مؤدب لہجے میں بولا۔ اس کی آواز سے حسن مراد چونک پڑا۔ وہ اپنی فائل کے مطالعے میں اس قدر محو تھا کہ اسے معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ استغاثہ کی جانب سے کوئی وکیل پیش ہو گیا ہے۔ آواز میں اجنبیت نہیں تھی اسی لئے اس نے ارادی طور پر سر اُٹھا کر دیکھا۔ اس نے

اپنے سامنے ایک ادھیڑ عمر وکیل کھڑا پایا۔ اس کی پشت چونکہ حسن مراد کی جانب تھی۔ اس لئے وہ ابھی تک نہیں پہچان پایا کہ کون اس کی مخالفت میں سامنے آیا ہے؟

''تو کیا کارروائی اگلی پیشی پر ملتوی کر دی جائے؟'' جج نے تیز نگاہوں سے ادھیڑ عمر وکیل کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ لوگوں میں اس بات پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ جس سے کمرہ عدالت میں شور پیدا ہونے لگا۔

''تمام حضرات سے گذارش ہے کہ عدالت کا احترام کرتے ہوئے خاموش بیٹھیں ورنہ سب کو کمرۂ عدالت سے باہر نکال دیا جائے گا۔'' جج کی غصیلی آواز گونجی جس پر کمرۂ عدالت میں یک لخت سکوت طاری ہو گیا۔ جج خاموشی چھانے کے بعد دوبارہ استفہامیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''قابل احترام جج صاحب! آپ مقدمے کی کارروائی شروع کیجئے۔ میں پوری تیاری کر کے آیا ہوں۔'' ادھیڑ عمر وکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جس پر جج کے کھنچے ہوئے چہرے پر سکون سا چھا گیا۔ وہ ادھیڑ عمر وکیل جونہی گھوم کر پلٹا تو حسن مراد کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی نگاہیں جو دیکھ رہی تھیں وہ دنیا کے ساتویں عجوبے سے کم نہیں تھا۔ ادھیڑ عمر وکیل اس کی جانب دیکھ کر زہر آلود انداز میں مسکرایا۔ حسن مراد نے اپنا سر کئی بار جھٹکا مگر یہ حقیقت ہی تھی۔

طارنوش منوف اور وکیل..... اس کا ذہن بری طرح سے پٹخنیاں کھانے لگا۔ سیاہ پینٹ کوٹ اور سفید شرٹ میں ٹائی لگائے طارنوش منوف کسی بھی طرح کوئی عام شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ چند دن قبل دکھائی دینے والا بدحال فقیر ایک دم وکیل بن کر اس کی نگاہیں خیرہ کئے ہوئے تھا۔

''می لارڈ!'' حسن مراد اُٹھتا ہوا بولا۔ ''فاضل عدالت میں پیش ہونے کے لئے مخصوص لائسنس کا ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے جہاں تک میری معلومات ہیں میرے فاضل دوست اس سہولت سے محروم ہیں لہٰذا میری عدالت سے درخواست ہے کہ وہ ان کا لائسنس ایک بار ضرور دیکھ کر اپنی تسلی کرے۔''

حسن مراد کے اٹھائے نقطے پر لوگوں میں بھی سراسیمگی پھیل گئی۔ بوڑھا طارنوش اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اعتراض پر مسکراتے ہوئے اُٹھا اور ایک چھوٹا سا کاغذ حسن مراد کے سامنے لہراتا ہوا جج
دکھانے لگا۔ حسن مراد کی نگاہیں اس لائسنس پر پھیلتی چلی گئیں۔ وہ ایک بڑی ایسوسی ایشن
جانب سے اسے دیا گیا تھا جس کا سربراہ بھی وہاں موجود دکھائی دیا۔ حسن مراد کی نگاہیں جر
اس سے ٹکرائیں تو اس کے چہرے پر چھائی بدحواسی اور پریشانی کو بھانپ گیا۔ اس کے ذہ
میں طارنوش منوف کی پراسرار قوتوں کا خیال کوندا۔ حسن مراد نے بے بسی میں ہاتھ مسلے اور
کرسی پر بیٹھ گیا۔ جج نے اعتراض مسترد کر دیا۔ کارروائی کے مؤخر نہ ہونے پر لوگوں کے چہرو
پر گہرا اطمینان جھلکنے لگا۔

طارنوش منوف اپنا لائسنس حسن مراد کے ہاتھ سے لیتے ہوئے سرگوشی کے انداز
بولا۔

''ابھی بھی وقت ہے! مجھے اس ذلیل شخص کا پتہ بتا دو، تم نے اسے کہاں چھپا
ہے؟..... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی زندگی میں کوئی مقدمہ نہیں ہارے۔ کہیں ایسا
کہ آج کا مقدمہ تمہاری شکست کا باعث بن جائے۔''

''میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' حسن مراد کی زبان سے غیر شعوری طور پ
جملہ نکلا۔ طارنوش منوف کے چہرے پر ناگواری سی چھا گئی۔ وہ اس کی جانب غصیلی نگاہ ڈالتا
آگے بڑھ گیا۔ حسن مراد دل ہی دل میں اپنے اللہ کو پکارنے لگا۔ یہ مقدمہ اب واقعی اس
لئے کسی مبارزت سے کم نہیں رہ گیا تھا۔

بوڑھا طارنوش منوف اپنی نشست سے اُٹھا اور مقدمے پر روشنی ڈالنے لگا۔ اس
معلومات حیرت انگیز طور پر بے حد عمدہ تھیں۔ اس نے ایسے ایسے دلائل کی بھرمار کی کہ لوگوا
پختہ یقین ہونے لگا کہ اب یہ مقدمہ حسن مراد کسی بھی صورت میں نہیں جیت سکے گا۔ حسن
نہایت تحمل سے بیٹھا اس کی دھواں دھار تقریر سنتا رہا۔ اس کی زبان بار بار خشک ہونٹوں پر
لگتی۔ حلق میں کانٹے چبھتے محسوس ہونے پر اس نے کئی بار پانی پیا۔ جب طارنوش منوف
بھرپور بحث ختم کر کے بیٹھ گیا تو حسن مراد اللہ کا نام لے کر اُٹھا۔ اس کے ذہن میں حکیم عبدا
کا وہ فقرہ بار بار دستک دے رہا تھا ''اس خبیث بڈھے سے مت گھبرانا وہ تمہارا کچھ نہیں
سکے گا۔''

''می لارڈ!'' حسن مراد کی اطمینان بھری آواز کمرہ عدالت میں گونجی۔ ''میرے فاضل
دوست نے جن امور پر روشنی ڈالی..... وہ محض مفروضے ہیں۔ میں ان کے حسن کلام اور انداز
بیان سے بے حد لطف اندوز ہوا ہوں۔ میرے خیال میں یہ کسی فلم میں کام کریں تو انہیں زیادہ
شہرت کے مواقع مل سکتے ہیں۔ ان کا انداز فلمی زیادہ اور حقیقی کم ہے، ان کے دلائل..... دلائل
کم اور فلمی ڈائیلاگ زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔ کسی بھی بے گناہ شخص کو پھانسی کے پھندے تک
پہنچا دینا شاید ان کے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے عدالت کا بے حد
وقت ضائع کیا ہے۔ ایک بھی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا جس سے یہ اندازہ ہو کہ میرا مؤکل قاتل
ہے!..... پولیس جن خطوط پر تفتیش کرتی ہے وہ سب جانتے ہیں۔ محض کسی کے ذاتی معاملات کو
تختۂ مشق بنا کر انہی میں سے کسی کو گرفتار کر لینا اور پھر اسے قاتل نامزد کر کے کمرہ عدالت میں
پیش کرنا تو اس کا روز کا وطیرہ ہے۔ پولیس کو جس انداز میں کارروائی کرنا چاہئے وہ کیوں نہیں
کرتی..... اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہنا چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے مؤکل کے
خلاف ایک بھی عینی گواہ نہیں پیش کیا گیا۔ پولیس آج تک آلۂ قتل برآمد نہیں کر سکی۔ ماضی میں
ہوئی چند رنجشوں کو لے کر میرے مؤکل کو قاتل ثابت کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ قاتل کوئی اور ہے۔
اس کا مقصد قتل کیا ہے؟ یہ جاننے کی کوشش پولیس نے کبھی نہیں کی۔ معاشرے کا ایک
کردار وہ شخص قتل ہو چکا ہے۔ مجھے اس پر بے حد رنج ہے۔ وہ اگر عام آدمی ہوتا تو بھی مجھے
اس کی ہلاکت پر اتنا ہی دکھ ہوتا۔ پولیس نے اگر کچھ اور لوگوں کو بھی دائرۂ تفتیش میں شامل
کیا ہوتا تو شاید حالات کچھ مختلف دکھائی دیتے..... قاتل اب پوری طرح پرسکون ہو چکا ہے کہ
قانون کے آہنی پنجے اس کی گردن تک اب کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس کے کئے ہوئے جرم
میں ایک بے گناہ شخص کو پھانسی کی سزا ہو جائے گی اور وہ خوشگوار زندگی کے مزے لوٹے گا.....
میں عدالت سے پھر استدعا کرتا ہوں کہ ظاہری ثبوت اور دلائل کی بنا پر اصلی قاتل کی تلاش
ترک نہ کی جائے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ سزا صرف اسی شخص کو ملنی چاہئے جو کہ اس کا خطاوار
ہو، جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہو..... میرے مؤکل نے آج تک اس قتل کی ذمہ داری قبول
نہیں کی۔ نہ ہی کوئی ایسی واضح نشانی ملی ہے کہ قتل اس کے ہاتھوں ہوا ہے۔ خاندانی رقابت یا
رنجش..... کوئی ایسی معقول شہادت نہیں ہے جسے قتل جیسا جرم ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے۔ اگر مفروضوں پر فیصلے کرنا مقصود ہیں تو میں اس عدالت میں یہ مفروضہ پیش کرتا ہوں
مقتول کے بیٹے نے اپنے باپ کا قتل کرایا ہے اس کی وجہ اسے الیکشن میں کھڑے ہونے
اجازت نہ ملنا ہے تو کیا اسے پکڑ کر پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا جائے گا۔''

حسن مراد کی بات پر پوری عدالت میں عجیب سا شور مچ گیا۔ لوگ اس نئی بات پر
و پریشان ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جج نے کئی بار خاموشی کا حکم دیا تو وہ سب نہ چا
ہوئے بھی خاموش ہوئے۔ جج نے الجھے ہوئے انداز میں حسن مراد کی جانب دیکھا۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں کہ قتل مقتول کے بیٹے نے کیا ہے؟''

''می لارڈ!'' حسن مراد ہنستا ہوا بولا۔ ''میں نے یہ کب کہا ہے کہ واقعی قتل مقتول
بیٹے ہی نے کیا ہے۔ میں نے صرف ایک خط کھینچا ہے کہ پولیس نے اس ضمن میں تو
کارروائی نہیں کی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ باپ کے قتل ہونے کے بعد اس
چہرے پر ملال نہیں الیکشن کا جنون دکھائی دے رہا ہے۔ ممکن ہے کہ اسے اپنے باپ کی نشہ
کسی اور کو جاتی ہوئی اچھی نہ لگے۔ اس لئے اس نے خود کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا مگر کیا یہ
ہونا چاہئے تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے باپ کے قاتل کو ڈھونڈتا اور اسے سزا دلاتا۔ پولیس
اپنا دباؤ ڈالتا۔ کم از کم آج تو کمرۂ عدالت میں موجود ہوتا۔ یہ سب مفروضے ہیں جن کی
میں وہ مشکوک قرار پاتا ہے۔ اب ذرا میرے مؤکل کی جانب دیکھئے۔ اس پر بھی اسی قسم
مفروضے قائم کئے گئے ہیں۔''

حسن مراد نے توقف کرتے ہوئے پانی کا گلاس اُٹھا کر جلدی سے پیا۔ بول بول کر
کا حلق خشک ہونے لگا۔ عدالت میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب لوگ ایک دوسرے
جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟

''می لارڈ'' حسن مراد کھنکارتا ہو بولا۔ ''لڑائی اور مقدمہ بازی کوئی انوکھی بات
ہے۔ بھائیوں کے درمیان مقدمے ہوتے ہیں۔ پڑوس میں تنازعہ اُٹھتے ہیں۔ سڑکوں
کوچوں میں روزانہ بے شمار جھگڑے ہوتے ہیں۔ مگر ان کے خاتمے کے بعد صلح ہو جاتی ہے
دلوں سے میل نکل جاتا ہے یا پھر دیرینہ رنجش باقی رہ جاتی ہے۔ اس طرح کے اقدام قتل
ہوا کرتے۔ مقتول کا قتل صاف طور پر دکھائی دیتا ہے کہ کسی تشکیل دی گئی منصوبہ بندی کا

ہے۔ اور یہ منصوبہ بندی اس کے روزمرہ معمول سے آشنا کسی شخص کے ذہن میں پیدا ہو سکتی
ہے۔ میرا مؤکل تو کاروباری الجھنوں اور بکھیڑوں سے ہی فرصت نہیں پاتا ہے۔ اس کے پاس
فارغ وقت ہی نہیں کہ وہ مقتول کے معمول پر نظر رکھ سکے۔ میرا مؤکل ایک پڑھا لکھا اور ہوشمند
جوان ہے۔ میرے خیال میں معمولی لڑائی جھگڑوں میں مبتلا ہو کر کوئی بھی ذی شعور نوجوان
قتل نہیں کر سکتا..... فاضل عدالت ان مفروضوں کے بجائے عینی گواہ طلب کرتے ہوئے
مقدمے کا فیصلہ کرے تو یہ انصاف کے عین مطابق ہوگا۔''

''وقفے کا وقت ہوا چاہتا ہے باقی کارروائی وقفے کے بعد نبٹائی جائے گی۔'' جج نے
مزید دلائل سننے سے بچنے کے لئے کرسی چھوڑ دی۔ لوگ اب آزادانہ چہ میگوئیاں کرنے میں
مصروف تھے۔ حسن مراد کی طرف کئی صحافی بڑھے مگر وہ ان سے گریز کرتا ہوا باہر نکلنے کی کوشش
کرنے لگا۔

اچانک ایک مضبوط سا ہاتھ اسے اپنے کندھے پر محسوس ہوا حسن مراد چونک کر اس
سمت دیکھنے لگا۔ وہ کوئی اور نہیں ایک پولیس انسپکٹر تھا۔ اس کے چہرے پر استعجاب دیکھ کر حسن
مراد نے بھنوؤں کے اشارے سے استفسار کیا تو اس نے ایک طرف ہو کر بات سننے کی
درخواست کی۔

حسن مراد اس کے ساتھ ایک بڑے سے ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ حیرت سے

''وکیل صاحب! کیا آپ کو واقعی یقین ہے کہ یہ قتل مقتول کے بیٹے ہی نے کرایا ہے؟''

''میرے پاس اگر کوئی ثبوت ہوتا تو میں عدالت میں پیش کر دیتا حالانکہ یہ سچ ہے کہ یہ
سارا کی ایما پر ہوا ہے۔ اگر تم لوگ دیانتداری سے تفتیش کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ تمہیں
اس کے غافلانہ اور مطمئن رویئے کا احساس نہ ہو جاتا۔''

''وکیل صاحب اگر آپ کو پہلے ہی شک ہو گیا تھا تو کم از کم ہمیں تو بتا دیتے۔ ہم صحیح
خطوط پر تفتیش کرتے۔ یہ بددیانتی ہے ہمارے ساتھ۔ جب ہم آپ کے ساتھ اتنا تعاون کرتے
ہیں تو کم از کم کسی وقت ہماری جانب بھی نظر کرم کر لیا کریں۔'' پولیس انسپکٹر کے لہجے میں شکوہ
در آیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ٹھیک ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قاتل وہ ہے تو کیا تم مجھ سے اس بات کا ثبوت نہیں مانگتے؟ پھر کبھی وقت پڑا تو تمہاری مدد کروں گا مگر میں جانتا ہوں اس وقت تم لوگ سیدھے بات نہیں کیا کرتے۔'' حسن مراد کڑوے لہجے میں بولا۔

وہ پولیس انسپکٹر کھسیانی ہنسی کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوگیا۔ حسن مراد اس وقت تھکان کے ساتھ اپنے ذہن پر بھی بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ بوڑھے طارنوش منوف نے اس مقدمے میں کئی رکاوٹیں کھڑی کردی تھیں۔ اس نے حالات کو کچھ ایسے توڑ مروڑ کر پیش کیا کہ قاتل واقعی نعمان ثابت ہوتا تھا۔ حسن مراد نے بارگاہ الٰہی میں اپنی سرخروئی اور بے گناہ نعمان کے لئے رحم کی دعا کی۔

وقفے کے بعد عدالت دوبارہ لگی تو خلاف توقع گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ خاموش کھڑے تھے۔ حسن مراد کی پُرجوش تقریر اس قدر مضبوط تھی کہ اس کے مخالفین بھی اسے سراہ رہے تھے۔ کئی وکلا اس بات پر متفق ہو چکے تھے یہ بازی حسن مراد لے جائے گا مگر اس کا مخالف وکیل بھی بڑا شاطر دکھائی دیتا تھا۔ وہ کسی بھی صورت میں حسن مراد کو جیتنے نہیں دے گا۔ اب یہ مقدمہ دونوں وکیلوں کی ذاتی لڑائی بن چکا تھا۔ جونہی جج نے اپنی نشست سنبھالی تو طارنوش منوف اپنی جگہ سے اُٹھا اور آگے بڑھا۔ اس کے اُٹھنے پر دبی دبی آوازیں کچھ ہی لمحوں کے لئے پھیلیں۔

''می لارڈ!'' طارنوش اپنی ٹائی سیدھی کرتا ہوا بولا۔ ''میری مخالف کونسل نے نہ صرف میرے پیش کئے دلائل کو رد کیا بلکہ مجھے بھی تختہ مشق بنانے سے گریز نہیں کیا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں صرف عدالت کے سامنے وہ شواہد پیش کروں گا جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسی نوجوان نے جو اس وقت کٹہرے میں کھڑا ہے، اس قتل کا باقاعدہ منصوبہ بندی سے ارتکاب کیا ہے۔ عدالت اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ مقتول اور قاتل دونوں میں تعلقات ایک عرصہ سے کشیدہ تھے۔ کئی بار دونوں میں بدتمیزی کی بھی نوبت آئی۔ ملزم نے ایک بے بنیاد مقدمہ دائر کیا جس میں جان بوجھ کر عبدالرحمٰن کو ملوث کیا گیا اور پھر اسے منہ کی کھانا پڑی۔ جب عدالت نے اس مقدمہ کا فیصلہ مقتول کے حق میں کرتے ہوئے مقدمے کو ختم کردیا۔ دراصل اسی دن سے قاتل بدلے کی آگ میں جلنا شروع ہوگیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اسے دوران کوئی موقعہ نہیں مل سکا۔ الیکشن کا زمانہ ایسے کاموں کے لئے بے حد موزوں تھا۔ اس

چند دن میں یہ منصوبہ تیار کیا اور اس میں کسی دوسرے کو شریک کرنا خطرے سے خالی نہیں سمجھا۔ بیس جولائی کی رات کو جب مقتول ایک جلسے سے واپس لوٹ رہا تھا اور اپنے گھر کے نزدیک پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو الوداع کہا کیونکہ وہ بے حد تھک چکے تھے۔ دوسرا وہ اپنے گھر کے قریب تھا۔ تیسرا اس کے ذہن میں کوئی ایسا خدشہ نہیں تھا کہ اسے جان کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ جب وہ قاتل کے گھر کے سامنے سے گذرا تو ملزم کا اسے دیکھ کر مشتعل ہوجانا فطری بات تھی۔ اس نے فوری طور اپنے گھر سے تیز دھار چھری اٹھائی اور اس کے عقب میں پہنچ کر اس کے منہ پر مضبوط ہاتھ رکھ کر اس کے پہلو میں چھریوں کے پے در پے وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس دوران اس نے خاص خیال رکھا کہ کہیں خون کے چھینٹے اس کے کپڑوں پر نہ پڑیں۔ اس مرحلے پر وہ مقتول کو تڑپتا ہوا چھوڑ کر تیزی سے اپنے گھر داخل ہوگیا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ کم از کم ایک گھنٹہ تک اس راستے سے کوئی نہیں گذرا اور مقتول تڑپتا ہوا جاں بحق ہوگیا۔ اس ایک گھنٹہ میں آلہ قتل کو چھپانا یا کپڑوں کو ضائع کردینا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ جب اس تک پولیس پہنچی تو وہ تمام کاموں سے فارغ ہو چکا ہوگا کیونکہ پولیس نے قتل کے دو گھنٹے کے بعد مقتول کو گرفتار کیا تھا۔ یہ بات اس کے حق میں جاتی ہے کہ جس وقت اس نے قتل کیا۔ اس جگہ پر بھرپور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کوئی اسے دیکھنے کی کوشش میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقتول کے چہرے پر سخت ہاتھ ڈالے گئے جن میں دستانے پہنے گئے تھے تاکہ انگلیوں کے نشان نہ مل سکیں یہی بات اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ باقاعدہ منصوبہ بندی سے کیا گیا قتل ہے۔ مخالف کونسل اسے فرضوں کا نام دے کر مقدمے کی نوعیت بدلنے کی کوشش کر رہی ہے بلکہ وہ مکھن میں سے بال کی طرح ملزم کو نکالنا چاہتی ہے۔ میں ایک لمحے کے لئے یہ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ قتل اس نوجوان نے نہیں کیا ہے۔ یہ قتل کسی اور نے کیا ہے یا کرایا ہے۔ تو اسے کیا فائدہ پہنچے گا؟ مخالف امیدوار بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ مقتول کو وہ نہیں ہرا سکتا ہے کیونکہ اس کی شہرت اور کردار صاف ہے۔ گر وہ اسے قتل کرتا ہے یا کراتا ہے تو اس کی اپنی شہرت داغدار ہوجاتی ہے اور الیکشن کی کامیابی کے بجائے پھانسی کا تختہ اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ کم از کم وہ ایسے قدم سے یقیناً گریز کرے گا۔ اگر مقتول کا بیٹا یہ قدم اُٹھاتا ہے تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی بڑی وجہ ہونا چاہئے۔ الیکشن میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھڑے ہونے کی اجازت نہ دینا میرے خیال میں کوئی سنگین وجہ نہیں ہے۔ جائیداد کا وہ مالک ہے ہی۔ اگر اس کا باپ الیکشن جیت جاتا تو وہ سب اختیارات اسے بھی حاصل ہوتے جو کرار کے مقتول باپ کو حاصل تھے۔ ایسے میں کوئی ایسا آدمی ضرور ہے۔ جس سے مقتول کی دشمنی تھی تو وہ ملزم ہی تھا۔ اس کے علاوہ پورے شہر میں کوئی اس کا ایسا دشمن نہیں تھا۔ حالات و واقعات سب ہی اسی نوجوان کی جانب اشارہ کررہے ہیں۔ قتل اس کے گھر کے بالکل نزدیک ہوا جو اس کے لئے موزوں جگہ تھی۔ یہاں سے وار کر کے فرار ہونا آسان تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ملزم اس وقت بھی اپنے گھر میں موجود تھا جب قتل ہوا۔ اگر وہ اپنی موجودگی کہیں اور ثابت کر دیتا تو ممکن ہے کہ اسے محض شک کی نگاہ ہی سے دیکھا جاتا۔ اس کے پاس اپنی بے گناہی کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ میری عدالت سے استدعا ہے کہ وہ ملزم کے معصوم چہرے کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے اقدام قتل پر پھانسی کی سزا دے..... تھینک یو!''

طارنوش کی زہر فشانی پر حسن مراد پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ عدالت کو کسی فوری فیصلے پر پہنچنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اپنی کرسی سے اُٹھا اور آگے بڑھ کر سر خم کرتے ہوئے بولا۔

''می لارڈ! میرے فاضل دوست کی کیا بات ہے؟ ان کی دھواں دار تقریر سے تو یہ دکھائی دے رہا ہے کہ قاتل یہی نوجوان ہے مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔ میں نے کچھ لمحے پہلے جو رائے اپنے فاضل دوست کے متعلق دی تھی وہ بالکل صحیح ہے۔ انہیں کسی فلم میں کام کرنا زیادہ بہتر ہوگا کمرہ عدالت ان کے لئے بالکل غیر موزوں جگہ ہے۔ یہ کسی زندگی کی حفاظت کے بجائے درندگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ ان کے پاس نہ تو کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی کوئی ٹھوس دلیل۔ وہ صرف اسی بات پر بضد ہیں کہ قاتل کو سزا دی جائے..... میں ان سے پوچھتا ہوں کیونکر..... سزا دی جائے۔ اس پر جرم ہی ثابت نہیں ہوتا۔ محض ایک شک ہے کہ اس نے قتل کیا ہوگا۔ پہلی بات یہ ہے کہ میرے فاضل دوست کو یہی معلوم نہیں ہے کہ قتل کس اوزار سے کیا گیا ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ تیز دھار آلہ استعمال کیا گیا۔ اگر فاضل وکیل کی بات پر اعتبار کیا جائے تو گھریلو چھری اتنی تیز نہیں ہوتی۔ اگر ایک لمحے کے لئے اسی بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ قتل گھریلو چھری سے ہی کیا گیا تو پولیس آج تک وہ چھری ملزم کے گھر سے برآمد کیوں نہیں کرسکی۔ ملزم کے گھر کی تلاشی کی اجازت انہیں پہلے ہی حاصل تھی۔ پولیس کا آج

آلہ قتل نہ برآمد کرسکنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ملزم قطعی بے قصور ہے اس کا واردات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قتل کے محرکات محض ان شبہات پر مبنی ہیں جو کہ ملزم اور مقتول کے درمیان پائے گئے۔ انہی کی روشنی میں استغاثہ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ قتل ملزم نے ہی کیا ہوگا..... حالانکہ یہ ثابت نہیں ہے۔ میں عدالت میں دعویٰ کرسکتا ہوں کہ پولیس آج کیا کبھی بھی آلہ قتل برآمد نہیں کر سکے گی۔ اس کے برآمد نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اس نے صحیح خطوط پر تفتیش ہی نہیں کی ہے۔ ملزم کو حراست میں لینے کے بعد اس نے اپنی تفتیش کو مکمل قرار دے دیا۔ اگر ملزم ہی حقیقی قاتل ہوتا تو پولیس کے لئے اس سے آلہ قتل برآمد کروالینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ یہ بات فاضل عدالت بخوبی جانتی ہے۔

می لارڈ! بظاہر ملزم کو قاتل بنانے کے لئے سرکاری وکیل اور میرے فاضل دوست نے جو من گھڑت دلیلوں کا سہارا لیا ہے اور گواہوں کی لمبی چوڑی فہرست عدالت میں پیش کر کے مرعوب کرنے کی سعی کی گئی ہے لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ملزم نہ تو قاتل ہے نہ ہی قتل میں اس کا کوئی ہاتھ ہے۔ وہ سیدھا سادا شریف کاروباری انسان ہے۔ میرے فاضل دوست یہ بات یاد رکھیں کہ سورج جب مشرق سے طلوع ہوگا تو رات کی پھیلی گہری سے گہری سیاہی بھی گلاب میں بکھری کائی کی طرح پھٹ جائے گی..... میں پولیس کو تجویز دیتا ہوں کہ وہ تفتیش کا دائرہ کچھ پھیلائیں۔ صرف ملزم پر ہی اکتفا کرتے ہوئے اصل مجرم کی اعانت نہ کریں بلکہ وہ سے عدالت کے اس کٹہرے میں لا کھڑا کریں جس میں آج ایک بے گناہ نوجوان کھڑا ہے۔''

حسن مراد اپنے دلائل پیش کرنے کے بعد سر خم کرتے ہوئے اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ جج اس مرحلے میں خاصی بے چینی محسوس کررہا تھا اس نے عدالت کو کچھ دیر کیلئے برخاست کردیا۔

''عدالت کچھ دیر کے ملتوی کی جاتی ہے۔'' جج کی آواز کمرہ عدالت میں پھیل گئی۔ جج اُٹھ کر اپنے چیمبر میں چلا گیا۔ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ آج اس مقدمے کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ضرور ہوجائے گا۔ حسن مراد کے پروزن دلائل نے لوگوں کو سنسنی خیز قتل کے معاملے میں کم از کم سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ اخبارات کے ذریعے نعمان کے بارے میں جو رائے ان کے ذہنوں پر نقش ہوچکی تھی کہ قاتل نعمان ہی ہے اور اس کے اسباب دیرینہ رنجش ہیں۔ اب اس بارے میں ان کی سوچ میں نمایاں تبدیلی پیدا ہونے لگی تھی۔ نعمان کے دوستوں کی بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ ہمت بندھی تھی کہ نعمان جلد ہی اس مصیبت سے رہائی پالے گا۔ ان کے پژمردہ چہروں پر امید کی سرخی پھیلنے لگی۔ نعمان کا چہرہ بھی آج کی کارروائی سے بے حد مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اگر اس عدالت میں کوئی مضطرب دکھائی دیا تو وہ طارنوش منوف تھا جو کسی بھی قیمت پر حسن مراد کو کامیاب دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

طارنوش منوف کے چہرے پر حسن مراد کی بحث سے پریشانی کی شکنیں مزید دبیز ہوتی چلی گئیں۔ وہ اچانک اپنی کرسی سے اُٹھا اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گیا۔ لوگوں کی نگاہیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ وہ دوسری راہداری میں سے ہوتا ہوا اسی جج کے چیمبر کے بیرونی دروازے پر آپہنچا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کچھ سوچتا ہوا چیمبر میں داخل ہوگیا۔ جج چیمبر میں بیٹھا کاغذات کے مطالعے میں مستغرق تھا اس کی آمد پر چونک پڑا۔

''براہ کرم آپ باہر تشریف رکھئے۔ میں کچھ مصروف ہوں۔'' جج نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''مسٹر جج!'' طارنوش منوف کا لہجہ انتہائی پراسرار ہوگیا۔ ''میری خواہش ہے کہ تم اس مقدمے میں ملزم کو ہر قیمت پر پھانسی کی سزا سناؤ۔''

''جب تمام شواہد ملزم کے حق میں ہیں کہ یہ قتل اس نے نہیں کیا ہے تو میں کیونکر اسے ناحق سزا سناؤں۔'' جج کے چہرے پر ناگواری سی پھیل گئی۔

''میں جو ہوں تم نہیں جانتے..... مگر تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں اس کو مان لو اور ملزم کو سزا سنا دو۔'' طارنوش منوف کا لہجہ بے حد سرد ہوگیا تھا۔

''تم مجھے حکم دینے والے کون ہو؟'' جج کا لہجہ بگڑ گیا۔

''کیا تم اپنے گھر، اپنی بیوی بچوں کے پاس خیریت سے پہنچنا نہیں چاہو گے؟'' طارنوش کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہاری دھمکی سے مرعوب ہو جاؤں گا۔ میں تمہارا لائسنس منسوخ کردوں گا اور پھر عدالت کے باہر جوتیاں چٹخاتے دکھائی دو گے تم.....!'' جج کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہونے لگا۔ طارنوش منوف یوں مطمئن بیٹھا تھا کہ جیسے اسے اس امر کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

''مسٹر جج! ابھی بھی وقت ہے سنبھل جاؤ..... تم میری قوتوں سے واقف نہیں ہو میں چاہوں تو تم اس چیمبر میں ہی مردہ پائے جاؤ۔'' طارنوش منوف کا لہجہ انتہائی حد تک خوفناک ہوگیا۔

''تم جیسے وکیل میں نے بہت دیکھے ہیں تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ..... ورنہ میں تمہیں یہاں سے کیا..... ہائی کورٹ سے دھکے دلوا کر باہر نکلوا دوں گا۔''

''مسٹر جج! میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل درآمد کرو..... میرے غصے کو دعوت مت دو۔''

طارنوش منوف کا لہجہ لمحہ بہ لمحہ سرد ہوتا جا رہا تھا۔

طارنوش کے لہجے سے جج کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی، مگر اس نے خود پر قابو پالیا۔ وہ اب اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اسی وقت تمہیں پولیس کے حوالے کردوں؟''

''تم ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتے!!!'' طارنوش اپنی جگہ پر پُرسکون بیٹھا رہا۔ ''میں کوئی وکیل نہیں ہوں یہ یاد رکھو میں خدائے آمن رع کا پجاری ہوں۔ میری قوتیں اس قدر ہیں کہ میں تمہارے اس چیمبر کو الٹ پلٹ کر رکھ دوں اور تمہاری نگاہوں کے سامنے پوشیدہ ہو جاؤں۔ پھر تم کیا کوئی بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتا..... اس لئے میں آخری بار تمہیں کہہ رہا ہوں کہ تم اپنی ضد کو ترک کردو، اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔''

''تم جا سکتے ہو!'' جج کو اپنے لہجے میں بے بسی محسوس ہونے لگی۔

طارنوش نے اپنا ہاتھ اس کی جانب پھیلایا اور اس کے سامنے ہتھیلی کھولی۔ جج الجھی سی نگاہوں سے اب اسے دیکھ رہا تھا۔ طارنوش منوف نے اپنی انگلیاں سمیٹتے ہوئے مٹھی بند کی۔ ایک لمحے کے بعد اس کا ہاتھ کھلا تو اس کے ہاتھ میں ایک جگمگاتا ہیرا موجود تھا۔ جج اس کا کرتب دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ اس کا ذہن طارنوش منوف کی اس حرکت کو کوئی نام نہیں دے پایا۔

''مسٹر جج!'' طارنوش اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا۔ ''میرا خیال ہے کہ بیش قیمت تحفہ تمہیں پسند آئے گا..... فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم یہ تحفہ لینا پسند کرو گے یا پھر زندگی سے ہاتھ دھونے کو ترجیح.....؟'' طارنوش منوف کا لہجہ آخری جملے پر بے حد سرد ہوگیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے، تم یہاں سے چلے جاؤ۔" جج اب ہراساں دکھائی دینے لگا۔

"ٹھیک ہے میں انتخاب تم پر چھوڑتا ہوں..... یہ بیش قیمت تحفہ یہاں رکھ دیتا ہوں۔ اگر تم میری تجویز پر عمل کرو گے تو تمہیں مل جائے گا..... اگر تم نے اپنی مرضی دکھائی تو یہ ہیرا سانپ بن جائے گا اور تمہیں ڈس کر تمہاری زندگی کی لو ہمیشہ کے لئے بجھا دے گا..... تم اب کیا کرتے ہو؟ اس کا انتخاب تمہیں کرنا ہوگا۔" طارنوش منوف نے اس کی جانب زہر خندی سے دیکھا اور پھر چیمبر سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی جج گہری سانس لے کر رہ گیا۔ طارنوش منوف کی شخصیت سے وہ واقعی خوفزدہ ہوگیا تھا۔ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا مگر کسی بے گناہ کو پھانسی کے پھندے پر لٹکانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے اپنے اللہ سے دعا کی کہ اسے صحیح فیصلہ کرنے کی طاقت و ہمت عطا فرما۔

جمیل احسن ایک خوبرو نوجوان تھا۔ اس کے گھونگھریالے سیاہ بال دیکھ کر چلتی لڑکیاں اپنے دل مسوس لیتی تھیں۔ ہر کوئی اسے شہر کی معروف شخصیت عبدالرحمٰن چغتائی کے بیٹے کی حیثیت سے جانتا تھا حالانکہ یہ بات سچ نہیں تھی۔ عبدالرحمٰن کی بیوی تو اپنی پہلی بیٹی عنبر کی پیدائش پر ہی اپنے رفیق حیات کو داغ مفارقت دی گئی۔ بیٹی کی عمدہ پرورش اور ذہنی تربیت کے پیش نظر عبدالرحمٰن نے دوسری شادی نہیں کی۔ اسی دوران اس کی عزیز بہن اپنے شوہر کے ساتھ ایک حادثے کا شکار ہوگئی۔ جمیل اس حادثے میں بچنے والا واحد بچہ تھا جو اس حادثے میں جانبر ہوسکا۔ عبدالرحمٰن چغتائی نے اپنی بہن کی اکلوتی نشانی کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ ان دونوں کو ایک ساتھ پالا۔ اس نے اس راز کو راز ہی رہنے دیا کہ وہ دونوں آپس میں سگے بہن بھائی نہیں ہیں۔ اس راز سے صرف دو شخص واقف تھے جو ابھی تک زندہ تھے۔ ایک گھر کا وفادار نوکر شرف الدین جو کہ شرفو بابا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ دوسرا شخص عبدالرحمٰن کا پرانا منیجر عبدالرزاق تھا۔ یہ دونوں ملازم نہایت شریف اور عبدالرحمٰن کے وفادار تھے۔ عبدالرحمٰن اپنی بیوی کی جدائی کے باعث اندر سے بے حد ٹوٹ چکا تھا مگر اس نے اپنی بے بسی کو دوسروں کے کام میں صرف کر کے روحانی تسکین پانا شروع کردی۔ وہ غریب اور مفلس لوگوں کا خیر خواہ بن گیا۔ سوشل کاموں میں اس حد تک بڑھا کہ وقت نے اسے شہر بھر کی ہردلعزیز شخصیت بنا دیا۔ وقت کے

پہیے کے ساتھ اس کے دونوں بچے جوان ہوگئے۔

وہ راز ایک دن راز نہ رہا۔ عبدالرزاق اس راز سے اپنی بیوی کو باخبر کر چکا تھا اس نے اپنے جوان اوباش بیٹے دلاور حسین کے سامنے کسی وقت یہ راز آشکارا کردیا۔ وہ کافی بگڑا ہوا اور بری صحبت کا شکار تھا۔ مار دھاڑ اور مافیا کی فلموں نے اس کا ذہن مجرمانہ بنا دیا۔ چھوٹی چھوٹی چوریاں اور ہیرا پھیریاں اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گئیں۔ وہ کسی بڑے ہاتھ کے چکر میں رہتا۔ جب اس کے کانوں میں یہ بھنک پڑی کہ اس کے باپ کے خلیق مالک کے دونوں بچے آپس میں سگے بہن بھائی نہیں ہیں تو کون سا اس کے شیطانی دماغ نے پر پرزے نکالنے شروع کیے۔ وہ رات دن اسی منصوبہ بندی میں لگا رہا کہ کون سا داؤ کھیلا جائے۔ اس نے وقت نکال کر اپنے دوستوں کی محفل میں بیٹھنا چھوڑ دیا اور جمیل کی قربت اختیار کرلی۔ وہ اپنے باپ کی نسبت سے اس گھر میں آسانی سے آجاسکتا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ گھر کے سارے نظام سے واقف ہوگیا۔ ایک دن وہ صبح سویرے عبدالرحمٰن کے پاس جا دھمکا۔ عبدالرحمٰن نے اسے دیکھ کر خیریت طلب کی اور ناشتے کا پوچھا۔ اس نے سب معاملوں سے بے زاری ظاہر کرتے ہوئے خاص کام کا اظہار کیا۔

"سیٹھ صاحب!" دلاور سامنے کرسی پر پھیلتا ہوا بولا۔ "مجھے دس ہزار روپے چاہئیں۔"

"بیٹا! خیریت تو ہے اتنی بڑی رقم کی کیا ضرورت آپڑی؟" عبدالرحمٰن شفقت بھرے لہجے میں بولا۔ اس کا چہرہ حیرت سے پھیل گیا کہ اس نوجوان نے ایسی حرکت پہلے تو کبھی نہیں کی۔

"سیٹھ صاحب! خیریت نہیں ہے اسی لئے تو رقم مانگ رہا ہوں۔" دلاور کے انداز میں لاپروائی سی جھلکنے لگی۔

"تمہارے والد تو ٹھیک ہیں!" عبدالرحمٰن کے چہرے پر پریشانی سپھیلی شکنیں گہری ہوگئیں۔ وہ ابھی تک اس نوجوان کی اس حرکت کو کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔

"سیٹھ صاحب! باپ واپ کی بات چھوڑیں..... مجھے رقم دے کر چلتا کریں بس.....!" دلاور نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ جس پر عبدالرحمٰن کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"تمہیں میں کس بات کے پیسے دوں..... ہیں!" عبدالرحمٰن تیز لہجے میں بولا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''پیسے دینا آپ کے ہی حق میں اچھا ہوگا..... سمجھے..... ورنہ میں جو کر گذروں گا اس کا نقصان ساری زندگی بھی پورا نہیں ہو سکے گا۔'' دلاور تلخی سے ہنسا۔

''چلو چلو..... اُٹھو یہاں سے اور باہر نکلو میرے گھر سے۔'' عبدالرحمٰن کا چہرہ اس کی بدتمیزی پر بگڑ گیا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے وہاں سے نکلنے کا اشارہ کرنے لگا۔

''ایک منٹ ٹھہرو ذرا.....!'' دلاور ایک ہی پل میں انتہائی حد تک اخلاقی سطح سے گرتا چلا گیا۔ وہ اپنے باپ پر کی گئی اس محسن انسان کی تمام مہربانیوں کو فراموش کر چکا تھا۔

''اُٹھتے ہو یا میں بلواؤں کسی نوکر کو.....؟'' عبدالرحمٰن کا لہجہ بے حد مستحکم تھا۔

''تو یاد رکھو میں جمیل کو بتا دوں گا کہ تم اس کے سگے باپ نہیں ہو۔'' دلاور کے لہجے میں خنجر سی کاٹ تھی۔ عبدالرحمٰن اس کی بات سن کر یوں اچھلا جیسے اس نے اپنے سامنے سانپ دیکھ لیا ہو۔ اس کی پھٹی پھٹی نگاہیں دلاور کو گھورنے لگیں۔ وہ اپنے قد سے بھی اونچی بات کر رہا تھا۔

''اور ہاں! اگر تم نے پیسے نہ دیئے یعنی ہر ماہ دس ہزار روپے..... مجھے پہلی تاریخ کو نہ ادا کرنا شروع کئے تو یہ راز نہ صرف تمہارے بچوں کی زندگی میں زہر گھولے گا بلکہ اخبارات میں کئی دل جلا دینے والی سرخیوں سے چھپے گا کہ سیٹھ عبدالرحمٰن کے دونوں بچے اس کے اپنے نہیں..... کہاں سے آئے ہیں اس بارے میں اخبارات خود ہی کہانیاں گھڑ لیں گے۔'' دلاور کے چہرے پر مکروہ و شیطانی ہنسی رقصاں ہوگئی۔

عبدالرحمٰن اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس راز کو اب اس لئے منکشف نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ دونوں بچوں میں جو محبت و خلوص پروان چڑھ چکا ہے اس میں کوئی دراڑ نہ پڑ جائے۔ اس بہکے ہوئے نوجوان سے کچھ بعید نہیں تھا کہ یہ ان کی خوشیوں بھری زندگی کو جہنم بن دیتا۔ عبدالرحمٰن کا ہاتھ جانے کس وقت جیب میں چلا گیا اور ہزار ہزار کے کرارے نوٹ نکل آئے۔ دلاور ان نوٹوں کو پا کر مسرت سے دیوانہ ہوئے جا رہا تھا۔ کسی کی مجبوری کا فائدہ اُٹھانے میں کس قدر لطف محسوس ہوتا ہے۔ اس سے آشنائی پانے کے بعد اس کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ وہ اب نئے اور بڑے شکار کی تلاش میں تھا۔

اسی دن عبدالرحمٰن نے اپنے منیجر عبدالرزاق کو اپنے آفس میں بلایا اور ساری صورت حال اس کے سامنے کھول دی جسے سن کر وہ شریف شخص بلک بلک کر رونے لگا۔ جس مالک کی

ہی میں اس نے اتنے برس بیتا دیئے۔ جس کے دم سے ساری زندگی اس کے گھر کا چولہا ..... اسی کے ساتھ اس کے مستقبل کے بازوؤں نے کیا کھیل کھیلا۔ عبدالرحمٰن نے اسے واضح ں میں بتا دیا کہ وہ دس ہزار روپوں پر لعنت بھیجتا ہے مگر وہ آئندہ اس کے منحوس بیٹے کی شکل دیکھنا چاہتا۔ ساتھ ہی اسے اس ملازمت سے بھی برخاست کر دیا۔ وہ اپنی ملازمت کے چلنے جانے پر اپنے حق میں ایک بھی لفظ ادا نہ کر سکا اور خاموشی سر جھکائے وہاں سے یا۔ وہ جب گھر پہنچا اور اس کی بیوی کے علم میں سب معاملہ آیا تو وہ بھی اپنی غلطی پر پشیمانی ہاتھ ملنے لگی مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟

اسی رات دلاور کی خاصی مرمت ہوئی مگر وہ ایسی بے عزتی سے سنبھلنے والا نوجوان نہیں تھا ہی دن وہ جمیل سے تنہائی میں ملا اور اس کے سامنے عبدالرحمٰن کے زندگی بھر کے محفوظ ئے کو عیاں کر دیا۔ جمیل اس کی بات سن کر سکتے میں رہ گیا اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ سچ ! جب دلاور نے ہزار ہزار کے نوٹ اس کی نگاہوں کے سامنے لہرائے اور بتایا کہ یہ اس ن گھڑت باپ نے اس لئے دیے ہیں کہ وہ اپنی زبان بند رکھے تو وہ صدمے سے بے قابو گیا۔

اسی رات جمیل نے اپنی بہن عنبر کے سامنے اس راز کو عیاں کر ڈالا..... عبدالرحمٰن شاید صورت حال سے نبٹنے کے لئے ذہنی طور پر پہلے ہی تیار تھا۔ اس لئے انہوں نے صاف لوں میں حقیقت بیان کر دی اور اس امر کا احساس دلایا کہ انہوں نے اپنے حق ولدیت میں لا کر نہیں چھوڑی۔ جمیل کو اپنے بیٹوں کی طرح پالا۔ جوان کیا۔ تعلیم دلائی..... اگر پھر بھی ا کے دل میں کوئی حسرت رہ گئی ہے تو وہ بتا دے۔ جمیل اس واقعے سے اتنا بدظن ہوا کہ وہ ئے احسان مندی کا مظاہرہ کرتا آہستہ آہستہ عبدالرحمٰن سے دور ہوتا چلا گیا۔ عنبر بھی اس اقعے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جمیل کا ذہن دلاور کی سنگت میں بگڑنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے ذہن میں فتور پیدا کرتا رہا..... وہی کچھ ہونے لگا جس کا اندیشہ عبدالرحمٰن کو تھا۔ ں خوف سے اس نے اس بات کو اتنے برس تک صیغہ راز میں رکھا۔ وہ کھلی تو ہوس و طمع کو راہ ی گئی۔ گھر کے مکینوں میں فاصلے بڑھنا شروع ہو گئے۔ دلاور کی شیطانی ذہنیت نے ایک اور کھیل کھیلا اس نے جمیل کو اکسانا شروع کر دیا کہ وہ عنبر کا سگا بھائی تو نہیں ہے۔ اس سے شادی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر کے وہ گھر کی ساری دولت جائیداد کا واحد مالک بن سکتا ہے۔ حرص و طمع نے اس کی آنکھیں بند کر دیں اور پھر وہ یہ خواب دیکھنے لگا کہ عنبر اس کی بیوی کیسے بن سکتی ہے؟

عنبر قدرت کی جانب سے ہی کچھ ایسی دلکشی اور حسن لے کر آئی تھی کہ گذرنے والا بھی اس کے حسن کی تاب سے پگھل جاتا تھا۔ جمیل کا ذہن جب اس کی جانب مائل ہوا تو اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ وہ سب باتوں، سب رشتوں کو فراموش کر بیٹھا..... عنبر جب اس کے سامنے سے گذرتی تو اس کے دل پر بجلیاں گرنے لگتیں۔ اس کے جسم کے نشیب و فراز اس کی آنکھوں میں چبھنے لگے۔ وہ مرض عشق میں اس قدر دیوانہ ہو گیا کہ دل پر کوئی قابو نہیں رہا۔ رشتوں کی پہچان ختم ہونے لگی۔ آتش ہوس اس قدر بھڑ کنے لگی کہ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ عنبر اس کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ وہ ہر وقت صرف اسی کے خواب دیکھنے لگا۔ عبدالرحمٰن سے ایک عرصہ تک سامنا نہیں ہو پایا اس لئے باپ اپنے بیٹے کی حالت سے بے خبر تھا۔

ایک دن جمیل نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس آگ میں تنہا نہیں جلے گا بلکہ وہ عنبر کے سامنے اپنے دل کی حالت کھول ڈالے گا۔ جب وہ عنبر کے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا تو پہلی بار اسے اپنے باپ کی خفگی کا خیال آیا۔ اور وہ ایک بار پھر اپنے کمرے میں واپس چلا آیا۔ انہی دنوں نعمان کی آمد گھر میں بڑھ گئی اور عنبر اس کی جانب مائل ہوتی چلی گئی۔ یہ صورت حال اس کے لئے بے حد تکلیف دہ تھی۔ وہ کسی بھی صورت میں عنبر کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ دن تیزی سے گذرنے لگے۔ جمیل کی صحت بھی کچھ گر گئی۔ ایک دن جب عبدالرحمٰن نے اس کی حالت دیکھی تو وہ دل ہی دل میں بے حد رنجیدہ ہوا۔ اس نے فوری طور پر اس کے علاج کا بندوبست کیا اور اسے کچھ دنوں کے لئے ایک پرفضا مقام پر بھیج دیا۔

جانے کہاں سے جمیل کے اندر ہمت آئی کہ اس نے وہیں سے ایک خط میں اپنا حال دل لکھ کر عنبر کو بھیج دیا۔ عنبر نے جب اس کا خط پڑھا تو وہ لمحہ بھر کے لئے چکرا کر رہ گئی۔ اس نے ہوشمندی سے کام لیا اور وہ خط اپنے شفیق باپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ عبدالرحمٰن نے جب وہ سب پڑھا جو کہ جمیل نے لکھا تھا تو اسے اپنی دنیا اجڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اس راز کے کھل جانے سے اتنا نہیں لرزا تھا کہ اس نئے بکھیڑے سے اُٹھنے والے طوفان کی آمد سے دہل

گیا۔ لوگوں کی انگلیاں اس کی شرافت پر اُٹھ جاتی۔ دونوں کی شادی..... شرعی لحاظ سے درست تھی مگر زمانے کے اعتبار سے غلط۔

دونوں بچوں کی ولدیت کے خانے میں ایک ہی نام درج تھا یعنی عبدالرحمٰن ان دونوں کا قانونی باپ تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس گھڑی کو کوسا۔ جب اس نے بلا سوچے سمجھے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسرے دن عبدالرحمٰن نے نعمان کو اپنے پاس بلایا۔

"میاں نعمان!" عبدالرحمٰن گھمبیر لہجے بولا۔ "تم ماشاء اللہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو چکے ہو۔ اپنے باپ کا تمام کاروبار سنبھال کر تم نے ایک لائق بیٹے ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ میں اب چاہتا ہوں کہ تم شادی کر لو..... میری اور تمہارے مرحوم باپ کی یہی خواہش تھی کہ دیرینہ دوستی رشتہ داری میں بدل جائے۔ تمہارے بڑوں میں اب کوئی زندہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ بات مجھے مجبوراً تم سے براہ راست کرنا پڑ رہی ہے۔ تمہارے لئے میرا بس اتنا کہنا کافی ہے کہ تم عنبر سے شادی کر کے میرے بوڑھے کندھوں سے یہ بوجھ ہلکا کر دو۔"

"میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں۔ آپ نے میرے والد کی وفات کے بعد مجھے کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی مگر عنبر سے شادی کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔" نعمان بات گھما پھرا کر بولا جسے سن کر عبدالرحمٰن حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔

"میری بیٹی میں ایسی کیا کمی ہے کہ تم یوں اسے مسترد کر رہے ہو؟" عبدالرحمٰن نے الجھے لہجے میں پوچھا۔ نعمان کے انکار سے اس کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

"نن..... نہیں! عنبر میں کوئی ایسی کمی نہیں ہے کہ اس سے شادی نہ کی جائے مگر وہ..... وہ میری آئیڈیل نہیں ہے۔ میں اپنی آئیڈیل لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" نعمان نے سبب بیان کیا۔ وجہ جان کر عبدالرحمٰن کو بے حد مایوسی ہوئی۔ شفیق باپ نے اسی لمحے سوچ لیا کہ یہ شخص خیالوں اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والا ہے۔ یہ بھلا میری بیٹی کو کیا سکھ دے سکے گا؟ ایک ہی پل میں اس نے فیصلہ کر لیا پھر اس دن کے بعد ان دونوں میں فاصلے اس قدر بڑھے کہ دوستی و اکرام دشمنی میں بدل گئے۔ ایک دوسرے پر مقدمہ بازی کی گئی۔ ایک دوسرے کی ذات پر کیچڑ اچھالا گیا۔ باقی رہی سہی کسر نعمان کے منیجر نے نکال دی۔

اس دن کے بعد عبدالرحمٰن نے جمیل کو عنبر سے دور رکھنا شروع کر دیا۔ اسے دوسرے شہر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں بھیج دیا۔ جہاں اس کے پھیلے کاروبار کا ایک ذیلی دفتر موجود تھا۔ وہاں کی کچھ بدعنوانیاں بھی عبدالرحمٰن کے علم میں آئیں جو کہ جمیل سے سرزد ہوئیں مگر روپے پیسے کا ضیاع اس کے سامنے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ وقت گذرتا چلا گیا۔ جمیل عنبر کی جانب سے کوئی پیش قدمی نہ پا کر مایوس ہونے لگا۔ محبت جس تیزی سے اس کے دل میں گھر کر گئی تھی اسی تیزی سے دم توڑنے لگی۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ آفرین نامی لڑکی اس کے قریب ہوتی چلی گئی۔ وہ غریب اور متوسط گھرانے کی بیٹی تھی۔ خودداری اور شرافت اس کی رگ رگ میں رچی تھی۔ اسی خودداری نے جمیل کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ وہ اس کے آفس میں چھوٹی سی جاب کرتی تھی۔ جو کہ چند ہی دنوں میں سیکرٹری کی پوسٹ میں تبدیل ہوگئی۔ جمیل نے تنہائی میں جب اپنے دل کے چھالے اس کے سامنے پھوڑے، تو اسے بھی اس سے ہمدردی پیدا ہونے لگی جو کہ بڑھتی ہوئی قربت میں بدل گئی۔ جب اس نئی صورت حال کا علم عبدالرحمٰن کو ہوا تو جہاں اس کی جانب سے دل کو اطمینان ہوا کہ زمانے کی انگلی اٹھنے کا خدشہ اب ختم ہوگیا ہے۔ جمیل کی توجہ عنبر سے ہٹ کر کسی دوسری لڑکی کی جانب مبذول ہوچکی ہے۔ وہیں عبدالرحمٰن کو اپنے دل پر ٹھیس لگتی ہوئی محسوس ہوئی کہ وہ بچہ جسے انہوں نے بڑے لاڈ و پیار سے پالا ان سے دن بدن دور ہوتا جا رہا ہے۔

عبدالرحمٰن اس معاملے میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ الیکشن کی ہوا چل پڑی اس کی ساری توجہ گھر اور کاروبار سے ہٹ کر صرف الیکشن کی جانب ہوگئی۔ اسی دوران جمیل واپس آ گیا اور دلاور کی فتنہ پردازی کا شکار ہوگیا۔ اس کے دل میں بھی الیکشن میں حصہ لینے کی خواہش کلبلانے لگی۔ وہ اسے اپنی عیاشیوں اور شہرت کا سامان سمجھنے لگا۔ جب اس نے اپنی خواہش دبے لفظوں میں عبدالرحمٰن کے سامنے کھولی تو اس نے اس خواہش کو نادانی گمان کیا اور حدود سے تجاوز قرار دیا۔ سختی سے اس کی بات رد کر دی گئی اور اسے واپس جا کر اسی ذیلی دفتر کو سنبھالنے کا حکم ملا۔

جمیل نے اس رویئے کو اپنی بے عزتی سمجھتے ہوئے یہ خیال کیا کہ چونکہ میں حقیقی بیٹا نہیں ہوں اس لئے میرے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا گیا۔ جب انسان صرف اور صرف منفی سوچنا شروع کر دے تو اس کی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ یہی ہوا، جب یہ معاملہ دلاور کے سامنے آیا تو اس نے خودمختاری اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور باپ سے بغاوت کرنے پر زور دیا۔ انہی

دنوں اس کی ملاقات سیف اللہ خان سے ہوئی جو کہ بدنام زمانہ شخص تھا اور حال ہی میں یورپ سے لوٹا تھا۔ ماضی میں کالج کے دنوں میں وہ اس کا گہرا دوست رہ چکا تھا۔ اس نے جب یہ سارا معاملہ سنا تو اس نے اپنی فطری شرپسندی کے مطابق اسے ایک ایسا مشورہ دیا جو کہ شاید ہی ناکام ہو پاتا۔ اور پھر وہی ہوا کہ جمیل نے ایک دن موقع پا کر اپنے شفیق محسن عبدالرحمٰن کی جان لے کر اسے دنیا کے دکھوں سے بے نیاز کر دیا۔

نعمان کی گرفتاری پر اسے جانے کیوں دلی سکون سا ملا۔ وہ سارا الزام اس کے سر پڑتا دیکھ کر بے حد مسرور ہوا۔ ایک تیر سے دو نشانے ..... واقعی مسرت انگیز بات تھی۔ دن گذرنے لگے اور دل میں موجود خدشہ کہ کہیں وہ پکڑا نہ جائے دم توڑنے لگا۔ اخبارات نے نعمان اور عبدالرحمٰن کی رنجشوں پر ایسے ایسے فیچر شائع کئے کہ اسے روز بروز یقین ہوتا چلا گیا کہ وہ دن دور نہیں جب نعمان اس کی جگہ پھانسی کے تختے پر جھول رہا ہوگا۔

عنبر اس صدمے سے ٹوٹ سی گئی۔ وہ اب بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ جسے وہ اپنا حقیقی بھائی سمجھتی تھی۔ اس نے اظہار محبت کر کے بہن بھائی کے رشتے کو داغ دار کر ڈالا اور بیچ کے فاصلے بڑھا دیئے تھے۔ وہ اپنا دکھ کس سے بیان کرتی ..... بس ایک شرفو بابا ہی رہ گیا تھا جس کے سامنے وہ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ لیتی تھی۔ وہ ہمیشہ اسے صبر کرنے کی تلقین کرتا مگر لفظوں سے کیا ہوتا ہے؟ مرہم تو صرف وقت ہی لگا سکتا ہے۔

ایک دن جمیل اپنے کمرے میں لیٹا ہوا انگلش ناول پڑھنے میں مگن تھا۔ الیکشن میں اس کی دلچسپی اب باقی نہیں رہی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ الیکشن اس نے جیتا ہوا ہے۔ مرحوم عبدالرحمٰن کی نشست پر اس کا کامیاب ہو جانا فطری بات تھی۔

اچانک کمرے میں آہٹ سی محسوس ہوئی۔ جمیل نے چونک کر گردن اٹھائی تو سامنے یک مہ جبیں دوشیزہ کو پا کر دنگ رہ گیا۔ اس کی کھلی زلفیں اس کے کندھوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں اس کی آمد پر عجیب سا کیف و سرشاری چھانے لگی۔ جمیل اس خوبرو حسینہ کو اپنے سامنے پا کر ایسا مخمور ہوا کہ آنکھیں جھپکنا بھول گیا۔ اس نے اک ادا سے اپنے رُخ پر پڑی چند لٹوں کو پیچھے ہٹایا تو جمیل کو اپنا بدن سلگتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ حیرت و استعجاب سے آنکھیں پھاڑے اسے تک رہا تھا۔ وہ لڑکی نہ تو کچھ بول رہی تھی اور نہ ہی اس کے چہرے پر ایسے آثار

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھے کہ وہ اس سے بات کرنا چاہتی ہے۔ کچھ لمحے یونہی بیت گئے تو جمیل چونک کر سیدھا ہوا۔ اب اس کے چہرے پر اس کے جلوؤں کا اثر قدرے کم ہو چکا تھا۔ اس نے نہایت شیریں سے اسے مخاطب کیا۔

''تم کون ہو؟''

وہ لڑکی ایک ادائے دلفریبی سے ہنسی تو اس کی نقرئی آواز کی جھنکار پورے کمرے میں پھیل گئی۔ جمیل اب تشویش بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ منتظر تھا کہ وہ کوئی بات کرے مگر وہ خاموش کھڑی رہی۔ جمیل نے سنبھل کر اسے بیٹھنے کی دعوت دی تو آگے بڑھ کر ایک کرسی پر دراز ہوگئی مگر جب پھر بھی اس کے لبوں پر کوئی بات نہ آئی تو جمیل گھبراہٹ سے بغلیں جھانکنے لگا۔

''تم کون ہو؟ .....کہاں سے آئی ہو؟ .....اور کیا چاہتی ہو؟'' جمیل ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا مگر جواب ندارد۔ جمیل کو اب کوفت سی ہونے لگی، کئی لمحے یونہی خاموشی میں بیت گئے۔

''آخر تم بولتی کیوں نہیں؟'' جمیل بگڑ کر بولا۔

''میں کون ہوں؟ .....یہی جاننا چاہتے ہو تم!'' اس لڑکی کی آواز کمرے میں گونجی۔

''ہہ..... ہا..... ہاں ہاں!'' جمیل سکوت ٹوٹنے پر ہکلا سا گیا۔

''میں وہ ہوں ..... جو تمہیں سزا دینا چاہے تو دے سکتی ہے!'' وہ لڑکی مسکرائی۔

''سزا..... مجھے..... میں کچھ سمجھا نہیں؟'' جمیل تذبذب بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم خود جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے؟ .....اور سزا تمہیں کیونکر دی جائے گی؟'' لڑکی کے چہرے پر یک لخت سنجیدگی چھا گئی وہ اسے اب گھورنے لگی تھی۔

''کون ہو تم؟ ..... مجھے دھمکا کر تمہیں کیا ملے گا؟'' جمیل قدرے سنبھل کر مخاطب ہوا۔

''میں منصف ہوں..... خطا کاروں کو سزا دیتی ہوں اور تم لائق سزا ہو۔'' وہ لڑکی بولی۔

''میں کیونکر سزاوار ہوں، میں نے کیا کیا ہے؟'' جمیل ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا بولا۔

اس صورت حال کو اب سنگین سمجھنے کے بجائے اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''تم ایک قاتل ہو.....!!!'' لڑکی نفرت آمیز لہجے میں ہنکاری۔

''کک ..... کیا..... کیا!!!؟'' جمیل کو اپنا کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ راز جو اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ اس اجنبی لڑکی کے منہ سے سن کر اس کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ استعجابیہ کیفیت میں مبتلا اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''کیوں میں نے غلط کہا..... کیا تم قاتل نہیں ہو؟ تم نے رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر اپنے محسن باپ کو قتل نہیں کیا؟ جو حقیقت میں تمہارا باپ نہیں ماموں تھا۔ اس نے ماموں کے فرائض کو باپ میں تبدیل کر کے تم پر نیکی کی اور تم نے اس نیکی کا بدلہ کیا خوب دیا؟ اس کی جان لے لی۔''

''تم یہ سب کیسے جانتی ہو؟'' جمیل کی حالت بدتر ہونے لگی۔

''میں سب جانتی ہوں کہ ایک بے گناہ شخص کو پھنسا کر تم اپنے انتقام کی آگ کو تسکین دے رہے ہو اور اس رشتے کو زمانے کے سامنے بدنام کر رہے ہو جو بڑا پاک اور مقدس ہوتا ہے۔'' اس لڑکی کے منہ سے سچائی کی کڑواہٹ سن کر جمیل ہراساں ہو گیا۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' جمیل بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تم میرے لیے خطرہ ہو تم اگر زندہ رہی تو کسی بھی وقت میری گردن پھانسی کے پھندے میں پھنسا دو گی۔''

''تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے میں تمہیں تین دن کی مہلت دے رہی ہوں اگر ان تین دن کے بعد تم نے اپنے جرم کا اعتراف سب کے سامنے نہ کیا تو پھر میں کیا کروں گی؟ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔'' لڑکی کے لہجے میں سفاکی جھلکنے لگی۔

جمیل تیزی سے اُٹھا اور دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ اسے باہر جانے کی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا۔

''جب تم سب باتوں سے باخبر ہو تو پھر تمہارا زندہ رہنا واقعی خطرناک ہے۔ تمہیں بھی اپنے باپ کے پاس پہنچنا ہوگا۔'' جانے کہاں سے نکالا ہوا تیز چمکتا ہوا خنجر جمیل کے ہاتھوں میں دکھائی دینے لگا۔ وہ لڑکی خنجر دیکھ کر قدرے مسکرائی اور بڑے اطمینان سے اپنی جگہ سے اُٹھی کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''تم یہاں سے باہر قطعی نہیں نکل سکتی بلکہ کھڑکی سے کود کر تم میری مشکل آسان کر دو گی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیونکہ یہ کمرہ تیسری منزل پر ہے۔ تین منزلوں سے گرنے کے بعد موت جلدی نصیب ہو جاتی ہے۔'' جمیل کے لہجے میں خونخواری نمایاں ہونے لگی۔ وہ لڑکی اس کی بات سن کر پھر دھیما مسکرائی اور دوسرے ہی لمحے اس کا جسم ہوا میں بلند ہونے لگا۔ جمیل یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا اب حیرت بھری نگاہوں سے اس مہ جبیں کے ہلکے پھلکے جسم کو ہوا میں تیرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کا سفید لباس ہوا میں پھڑ پھڑانے لگا۔ جمیل کے ہاتھ سے خنجر کب نیچے جا گرا، اسے کچھ خبر نہیں ہوئی۔

''صرف تین دن..... یاد رکھنا!'' وہ لڑکی ایک بار پھر اسے دیکھ کر ادائے دلفریبی سے مسکرائی اور دوسرے لمحے کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ جمیل دوڑتا ہوا کھڑکی تک آیا مگر باہر اسے کچھ بھی نہیں دکھائی دیا۔ اس کا جسم دہشت سے سرد پڑنے لگا۔ اس نے خود کو بہتیرا سنبھالنا چاہا مگر جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھ لیا تھا وہ اسے کس نظریے سے جھٹلا دیتا۔

عدالت میں لوگ جج کے منتظر تھے۔ طارنوش منوف اطمینان سے واپس آ کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کی استہزایہ نگاہیں حسن مراد کی جانب اُٹھیں۔ جنہیں دیکھ کر حسن مراد نے ناگواری سے منہ دوسری جانب کر لیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد جج اپنے فیصلے کے کاغذات کے ہمراہ عدالت میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ لوگوں نے اس کیفیت کو تھکان پر موسوم کیا۔ اس نے اپنی کرسی سیدھی کی اور بیٹھ گیا۔ لوگوں میں جیسے سانپ سونگھ گیا۔ حسن مراد اپنے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ نعمان کٹہرے میں کھڑا خاموش تھا اس کا چہرہ ہر طرح کے تاثرات سے عاری تھا۔

اچانک لوگوں میں کھلبلی سی مچی۔ جج اور وکلاء سمیت سب کی نگاہیں اس جانب اُٹھیں۔ ایک بدحال سا نوجوان ان لوگوں کی بھیڑ چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ وہ ہذیانی کیفیت میں ایک فقرہ بار بار ادا کر رہا تھا۔ لوگ ہٹ کر اسے راستہ دینے لگے۔

''جج صاحب..... اصلی قاتل میں ہوں..... اصلی قاتل میں ہوں۔''

''کون ہو تم؟..... اور کس قتل کی بات کر رہے ہو؟'' جج کے لہجے میں حیرت اور تجسس ابھرا۔

وہ اب جج کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا۔ وہ چہرے سے پڑھا لکھا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے گھونگھریالے بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

''جج صاحب!'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ''میرا نام جمیل احسن ہے۔ میں مقتول عبدالرحمٰن چغتائی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ میں نے ہی طمع میں مبتلا ہو کر اپنے شفیق باپ کو قتل کیا ہے۔ اس وقت میری آنکھوں پر انتقام و حرص کی پٹی چڑھ گئی تھی..... میں سب کے سامنے اپنا اقبال جرم کرتا ہوں۔''

نوجوان کی آنکھیں ستی تھیں۔ جسم پسینے سے شرابور تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ لمبی مسافت طے کر کے آیا ہے۔ لوگوں میں اس کی بات سنتے ہی طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ آواز اس قدر بلند تھی کہ جج کو کئی بار خاموشی کے لئے حکم دینا پڑا۔ حسن مراد اُس کے اقبال جرم سے اچھل پڑا۔ اسے خواب میں بھی توقع نہیں تھی کہ اصلی قاتل اس طرح سامنے آ جائے گا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاتل وہی ہے مگر ثبوت کی عدم دستیابی کے باعث اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

''یہ اقبال جرم تم کسی دباؤ کے تحت کر رہے ہو شاید؟'' جج غیر یقینی انداز میں بولا۔

''نہیں سر!'' وہ نوجوان گردن جھکا کر بولا۔ ''میں نے جب سے اپنے باپ کو قتل کیا ہے میں اس دن سے ایک رات بھی سکون کی نیند نہیں سو سکا۔ ہر وقت میرے باپ کا چہرہ میرا تعاقب کرتا ہے۔ میں اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ ان حالات میں میرا سکون و اطمینان غارت ہو چکا ہے۔ ایسی زندگی جینے سے بہتر ہے کہ میں خودکشی کر لوں مگر اپنے باپ کے قتل کے بوجھ کے ساتھ ساتھ ایک معصوم بے گناہ کے قتل کا ارتکاب کرنا اب میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ نعمان کے ساتھ ہمارے گھریلو تعلقات اچھے نہیں رہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے باپ کی موت کا الزام اس کے کندھوں پر ڈال کر ماضی کی رنجشوں کا بدلہ لوں۔''

''تم موقعہ واردات کے متعلق بتاؤ۔'' جج اس کی بات سن کر قدرے مطمئن ہو گیا اس کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو چکی تھی اس کے کندھوں پر پڑے بوجھ کو اللہ نے اتار پھینکا۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا جبکہ طارنوش اپنی جگہ بیٹھا ہزیمت سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"سر! میں نے اپنے باپ سے الیکشن میں کھڑے ہونے کی اجازت طلب کی تو اس نے مجھے نادان قرار دے کر ابھی اس منصب کے لائق نہیں سمجھا اور بڑی سختی سے میری درخواست رد کر دی جس پر میں مشتعل ہو گیا۔ میں اپنی بڑائی کے تکبر میں مبتلا ہو گیا اور اس رات جب میرا باپ اپنی الیکشن مہم سے واپس لوٹا تو میں پہلے سے تیار اس کا منتظر تھا۔ میں نے اس مقصد کے لئے بازار سے ایک خنجر خرید لیا۔ گھر سے باہر اسے آتا دیکھ کر میں تیزی سے اس کی جانب لپکا اس نے مجھے دیکھ کر کوئی مزاحمت نہیں کی۔ جونہی وہ آگے بڑھا تو میں نے عقبی جانب سے اس کی گردن اپنے بازو کے حصار میں لے لی اور دوسرے ہی لمحے میرا ہاتھ حرکت میں آیا۔ خنجر یہ در پے وار اس کے جسم میں اترنے لگے۔ میں اس وقت عالم جنون میں تھا۔ مجھے کچھ بھا نہیں دیا۔ وقت اور موقع دونوں میرے حق میں تھے۔ میں نے تیزی سے اسے وہیں تڑپتا چھوڑا اور گھر میں جا کر اس خنجر کو چھپا دیا۔" یہ کہہ وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر رونے لگا اس ہچکیوں کی آواز عدالت میں گونجنے لگی۔ لوگ حیرت میں مبتلا اسے دیکھنے میں محو تھے۔

جج نے اسے حراست میں لینے کا حکم دیا اور مقدمے کی از سر نو تفتیش کا حکم جاری کر نعمان کو باعزت بری کی نوید سنائی گئی۔ نعمان نے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ کٹہرے سے نکل کر ا دوستوں اور حسن مراد سے گلے ملنے لگا۔ طارنوش منوف حسن مراد کو کھا جانے والی نگاہوں گھورنے لگا تھا۔ حسن مراد نے اس کی جانب حقارت سے دیکھا اور اپنے وکلا دوستوں مبارک باد وصول کرنے میں مصروف ہو گیا۔ عبدالرحمٰن چغتائی کے اصلی قاتل نے خود کو ڈرا انداز میں عدالت کے حوالے کر کے لوگوں کو دریائے استغراق میں لا پھینکا۔ لوگ یہ جاننے لئے بے تاب دکھائی دیتے تھے کہ اس نے یہ قتلکس کے دباؤ میں آ کر قبول کیا؟

کچھ لوگ تو اس کی بات سے متفق دکھائی دیتے تھے جبکہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے گلے ڈالا ہے..... عنبر اور نعمان کے تعلقات ڈھکے چھپے نہیں اخبارات کچھ پہلے اس معاملے پر خاصا کیچڑ اچھال چکے تھے۔ دبی دبی سرگوشیوں میں یہ کتنے دن جاری رہا۔ مگر حسن مراد ان سب سے لاتعلق رہا۔ نعمان نے اس کی قابلیت کو سراہا۔ قتل کا وہ مقدمہ جو اس دن ڈرامائی انداز میں ختم ہونے کے قریب تھا۔ نئے موڑ پر ہونے سے طوالت اختیار کر گیا۔ لوگوں کی چہ میگوئیوں میں یہ بات بھی سننے میں آئی کہ

گرفتاری کے بعد یقیناً بہت سے انکشاف سامنے آ جائیں گے۔

معلوم نہیں لوگ دوسروں کی خواری میں اس قدر کیوں دلچسپی لیتے ہیں حالانکہ وہ لمحات ہمدردی جتانے کے ہوتے ہیں۔ دوسروں کے دکھ درد میں کام آنے کے بجائے وہ اپنی ذہنی تسکین کی تسکین پانے کوشش کیونکر کرتے ہیں۔ وہ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ خدانخواستہ اگر یہ حالات انہیں پیش آ جائیں تو پھر کیا ہوگا؟ دوسروں کو نشانہ مشق بنانے کے بجائے اپنی اصلاح کرنا اور اپنی آئندہ نسلوں کو یہ درس دینے کا خیال کیوں ان کے ذہنوں سے نکل چکا ہے؟ کیا انہیں خدا کا خوف نہیں ہے؟ شاید یہی بات ہے کہ ان میں اب واقعی خدا کا خوف باقی نہیں رہا۔

نعمان کے احباب نے حسن مراد کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ کئی لوگوں نے اسے خوشی کے پھول بھی پیش کئے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ناامیدی کا شکار تھے انہیں کوئی ہنگامہ خیز سچویشن نہیں مل سکی تھی جو کہ ان کی بے تاب و متجسس طبیعت کو تسکین دے پاتی۔

پھر دوسرے ہی دن اخبارات نے جلی سرخی کے طور ایک اور ہنگامہ خیز خبر شائع کی۔ جسے پڑھ کر کافی لوگ چونک پڑے۔ خود نعمان کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ خواب خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس کی آزادی سے کسی دوسرے کی زندگی پشیمانی بن جائے گی۔ حسن مراد نے بھی اس خبر پر تاسف کا اظہار کیا۔

"عبدالرحمٰن چغتائی کی بیٹی عنبر نے اپنے بھائی کے اقبال جرم سے دلبرداشتہ ہو کر اپنی زندگی کا دیا اپنے ہاتھوں سے بجھا دیا۔"

پستول کی مہلک گولی اس کا دماغ چیر گئی تھی۔

نعمان یہ پڑھ کر مغموم سا ہو گیا۔ عنبر اس کی دوست تھی..... وہ اسے چاہتی تھی..... اور وہ آج اس دنیا میں نہیں تھی۔

شہر بھر میں یہ خبر ایک نئے موضوع کا سبب بنی۔ لوگ اپنی اپنی ہانکنے لگے۔ خودکشی کو گہرا راز قرار دیا جانے لگا۔ شام کے چھپنے والے اخبارات میں نہ صرف اس کی خودکشی کے متعلق تفصیل بیان کی گئی بلکہ اس میں مرحومہ کے چھوڑے آخری خط کا بھی عکس شائع کیا گیا۔ جس میں یہ تحریر تھا۔

"میرے لئے اس سے بڑھ کر شرمندگی کیا ہو سکتی ہے میرے واحد بھائی نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنے شفیق باپ کو قتل کر دیا حالانکہ باپ کے بعد سب کچھ اسی کا تھا۔ میں نے ایک دن بیاہ کر اس گھر سے رخصت ہو جانا تھا۔ اس کا خود کو قانون کے سپرد کرنا میری ذات پر انگلی اُٹھانے والوں کو موقع دے رہا ہے۔ لوگ پہلے ہی میرے اور نعمان کے تعلقات کو غلط رنگ دے کر میرے خاندان کی عزت اچھالنے سے گریز نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں میرا زندہ رہنا میری اپنی ذات کے لئے اور میرے خاندان کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہوگا۔ میں اپنی مرضی سے یہ زندگی ختم کر رہی ہوں۔

مجھے آج ہی تمام حالات کا صحیح طرح پتہ چلا کہ میرے بھائی نے نمک حرامی کا ثبوت دیا۔ جس نے اسے پالا پوسا۔ ماں کے نہ ہوتے ہوئے ماں جیسا پیار دیا۔ باپ کی شفقت بخشی۔ اس سانپ نے اسی کو ڈس لیا۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میری ذات پر کیچڑ اچھالنے کی ابتدا ہو چکی ہے اور آنے والے دنوں میں میرے متعلق اخبارات کیا شائع کریں گے۔ وہ کسی بھی غیرت مند بیٹی کے لئے برداشت کے قابل نہیں ہے۔ میرے لئے یہی مناسب ہے کہ میں رات کی خاموشی میں ہمیشہ کے لئے پرسکون ہو جاؤں..... ایک بدنصیب غیرت مند بیٹی''

اخبارات اس تکلیف دہ حادثہ کی سنگینی سے قطع نظر دھڑا دھڑ اپنی فروخت بڑھانے میں مصروف تھے۔ خبر نویسوں کے چہرے کسی کا جلتا ہوا گھر دیکھ کر جگمگا رہے تھے۔ وہ خوش تھے کہ انہوں نے بروقت اتنی بڑی خبر اپنے اخبار کو دی..... یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

حسن مراد کسی مقدمے کی پیروی سے فراغت پا کر عدالت سے باہر نکل رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک نوجوان پر پڑی جسے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک گیا۔ چہرہ ایک لمحے کو شناسا سا لگا مگر دوسرے ہی لمحے اس کے ذہن کے قرطاس پر شناسائی کی روشنی پھیل گئی۔ وہ عبدالرحمٰن کا قاتل جمیل تھا۔ جسے شاید پیشی کے لئے عدالت لایا گیا تھا۔ اس کی نگاہ جب حسن مراد پر پڑی تو وہ چونک گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے حسن مراد کو اپنی جانب بلایا۔ حسن مراد اشارہ پا کر اس کی جانب بڑھ گیا۔

''کیسے ہو نوجوان؟'' حسن مراد نے رسم دنیا ادا کی۔

''جیسا ہوں آپ کے سامنے ہوں۔ آپ میرے پاس جیل میں تشریف لائیں میں کچھ ضروری باتیں آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔'' جمیل پھیکے سے لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے میں کل شام کو فارغ ہوں کل ملاقات ہوگی۔'' حسن مراد نے جواب دیا۔

اسی دوران اس کی شاید آواز پڑ گئی اور پولیس والے اسے کھینچتے ہوئے عدالت کی جانب چل پڑے۔ حسن مراد اسے لڑکھڑاتے قدموں سے جاتا دیکھ کر مغموم سا ہو گیا۔ اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹکا اور دوسرے کیس کی جانب روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن شام کو حسن مراد جمیل سے ملنے جیل جا پہنچا۔ رسمی کارروائی کے بعد حسن مراد جمیل کے روبرو بیٹھا تھا۔ جمیل نے اس کی آمد پر شکریہ ادا کیا۔ حسن مراد نے اس کی دل جوئی کرنے کی کوشش کی۔ جمیل کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ حسن مراد کی آمد پر وہ خاصا مضطرب دکھائی دیا۔

''کیا بات ہے جو تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟'' حسن مراد نے اس سے پوچھا۔

''مرزا صاحب!'' جمیل خلا میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کچھ باتیں ایسی ہیں جنہیں میں کسی بااعتماد فرد کے ساتھ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں مجھے یقین ہے کہ اس مرحلے پر آپ میری پوری پوری مدد کریں گے۔''

''دیکھو! اگر تم اس کیس کی پیروی مجھ سے کرانا چاہتے ہو تو میں اس سلسلے میں معذرت کروں گا کیونکہ میں تمہارا کیس نہیں جیت سکتا۔'' حسن مراد بڑی رکھائی سے بولا۔

''نہیں نہیں!'' جمیل جلدی سے بولا۔ ''یہ بات نہیں ہے۔ میں آپ سے اپنے متعلق کوئی گذارش نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں خود جانتا ہوں کہ میرے بچنے کے امکانات اب باقی نہیں رہے۔ میں کسی اور معاملے میں آپ کی مدد چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم اپنی بات مکمل کرو..... اس کے بعد میں فیصلہ کروں گا میں کیا کر سکتا ہوں؟'' حسن مراد نے اسے ہمت دلائی۔

''میں آپ سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا..... حقیقت یہ ہے کہ میں جن دنوں فیصل آباد رہا ان دنوں میری زندگی میں ایک لڑکی آئی۔ اس کا نام آفرین ہے۔ ہم دونوں میں وقت کے ساتھ ساتھ بے تکلفی پیدا ہو گئی۔ میں اس کے حسن و ادا پر فدا ہوتا چلا گیا۔ پھر ایک دن میں نے ہمت کر کے اس کے سامنے اپنے دل کی کیفیت بیان کر دی۔ اس نے میری حالت کو دیکھتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئے بتایا کہ وہ بھی اسی حد تک مرض عشق میں مبتلا ہے۔ پھر ہم دونوں نے یہ طے کیا کہ اس دوستی کو رشتے کا مقدس نام دے دیں۔ میں نے اس سلسلے میں ایک خط مرحوم باپ کو لکھا اور شادی کرنے کی اجازت طلب کی۔ بس پر انہوں نے مجھے جواب لکھا کہ اس معاملے کو الیکشن کے بعد پر رکھو۔ میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ان کی بے خبری میں آفرین سے شادی کر لی۔ اس کے والدین میری حیثیت سے مرعوب ہو گئے اور انہوں نے نہایت خاموشی سے ہمارا نکاح کر دیا۔ میں ایک ماہ آفرین کے ساتھ رہا۔ اس کے بعد لاہور چلا آیا۔ پھر جو کچھ ہوا وہ سب آپ کے علم میں ہے۔'' جمیل خاموش ہو کر حسن مراد کی جانب دیکھنے لگا۔

''اب تم کیا چاہتے ہو؟'' حسن مراد معاملے کی نوعیت تک پہنچ گیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ نہایت خاموشی سے آفرین کو لاہور بلوائیں اور تمام جائیداد اس کے نام لگوا دیں..... وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس بچے کی آمد تک زندہ رہ پاؤں گا لیکن میں اپنے آخری ایام میں وہ سب کرنا چاہتا ہوں جس کے حقدار وہ دونوں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس معاملے کو نہایت احسن طریقے سے انجام دے کر ہمارے خاندان کے آنے والے آخری چشم و چراغ پر احسان عظیم کریں گے۔''

''ہونہہ! تم فکر نہیں کرو مجھے ان کا پتہ دے دو۔ میں سب معاملہ سنبھال لوں گا۔'' حسن مراد نے اثبات میں گردن ہلائی۔ جمیل کے چہرے پر گہرا سکون چھا گیا۔

''مجھے آپ سے یہی امید تھی..... خدا کی قسم! میں اپنی اس غلطی پر ہی بے حد پشیمان تھا اگر مجھ پر اس کا دباؤ نہ ہوتا تو مجھے کبھی یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتے۔ میں آج اپنی بیوی آفرین کی زلفوں کی چھاؤں میں بیٹھا ہوتا اور نہ ہی عنبریوں بے موت مرتی..... کاش میں اسے اپنے ہاتھوں ڈولی بٹھا کر اپنی پہلی غلطی کا کفارہ ادا کر سکتا۔'' جمیل کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''کیا مطلب؟..... کیسا دباؤ..... میں کچھ سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' حسن مراد چونک کر بولا۔ اس بات نے اسے یک لخت جھنجوڑ ڈالا۔

''چھوڑیئے مرزا صاحب! جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ؟'' جمیل بے بسی سے ہنسا۔

''تم مجھے بتاؤ کہ کس کے دباؤ کے تحت تم نے اقرار جرم کیا۔'' حسن مراد کسی نئے

انکشاف کے لئے خود کو تیار کرنے لگا۔ اس کے بار بار اصرار پر جمیل بتانے پر رضامند ہو گیا۔

''مرزا صاحب!'' وہ اپنے ذہن میں لفظوں کو ترتیب دینے لگا۔ ''اگر میں یہ بات کسی کے سامنے کروں تو وہ مجھے پاگل قرار دے گا..... میری دماغی حالت پر شک کیا جائے گا مگر یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے باپ کے قتل کے بعد نادم ضرور تھا مگر اقبال جرم کی خواہش دل کے کسی کونے کھدرے میں موجود نہیں تھی۔ میں ان دنوں صرف اپنی اور عنبر کی زندگی کے بارے میں سوچتا تھا کہ ایک دن میرے کمرے میں ایک اجنبی لڑکی داخل ہوئی۔ اس کی آمد پر میں بے حد حیران ہوا لیکن جب مجھے اس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ وہ میرے سب رازوں سے آگاہ ہے اور کسی بھی وقت میرے لئے خطرے کا باعث بن سکتی ہے تو میں نے اسے ہلاک کرنا چاہا مگر اس کا انداز تحفظ میرے لئے بے حد حیران کن ثابت ہوا۔ وہ کوئی انسان نہیں تھی بلکہ کوئی اور ہی مخلوق معلوم ہوتی تھی۔ پہلے دن وہ میرے کمرے سے ہوا میں پرواز کرتی ہوئی غائب ہو گئی۔ میں نے اس معاملے پر بے حد سوچ و بچار کی مگر کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکا۔ دوسرے دن وہ پھر آئی۔ اس کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ میں عدالت جا کر اپنے جرم کا اعتراف کر لوں۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے اعتراف جرم کے بعد اس خاندان پر بڑی بدبختی آ جائے گی مگر وہ بضد تھی کہ میں اس کی بات تسلیم کروں۔ میں نے تیسرے دن بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں پہلے ہی اپنی بزدلانہ حرکت پر شرمندہ ہوں۔ جو ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ اور مجھے تنگ نہ کرو..... مگر اس نے مجھے کہا کہ تین دن کی مہلت ختم ہو گئی ہے۔ اب بھی اگر اس کی بات نہ تسلیم نہ کی گئی تو جو کچھ ہو سکتا ہے، اس کے لئے میں اپنے آپ کو تیار رکھوں۔ میں نے خیر اس کی بات کو اتنا سنجیدہ نہیں لیا۔ میں اس کے طریقہ آمد پر غور کرتا رہا کہ وہ کیسے میرے گھر میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کے ہوا میں پرواز کرنے کا راز کیا ہے۔

چوتھے دن جب وہ آئی تو وہ کوئی معصوم لڑکی نہیں بلکہ جلاد دکھائی دی۔ اس کی خونخوار آنکھوں سے نکلتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر میں بے حد ہراساں ہوا۔ اس نے مجھے اس دن بہت زدوکوب کیا میرا سارا جسم نیل زدہ ہو گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے وہ رات گذاری اگلے دن میں نے ڈاکٹر سے دوا لی۔ جب میں نے وہ دوا پی تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں مرغ بسمل کی مانند تڑپنے لگا۔ میں بری طرح سے تڑپ رہا تھا کہ جانے کہاں سے وہ آنکلی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میری حالت دیکھ کر اس نے قہقہہ لگایا اور کہا

''اور دوا کھاؤ..... جتنی دوا کھاؤ گے۔ وہ تمہارے جسم کے لئے زہر بن جائے گی۔ تمہیں سکون نہیں بلکہ اذیت ملے گی۔''

میں یہ عذاب پندرہ دن تک جھیلتا رہا کہ مقدمے کی تاریخ آ گئی۔

اس دن وہ صبح ہی صبح آ دھمکی۔ میں اس کی صورت دیکھتے ہی خوفزدہ ہو گیا۔ اس کا چہرہ اس دن بڑا غضب ناک ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اس دن میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرنے کا ارادہ نہیں لے کر آئی۔ میں نے اس دن بڑی ہمت کر کے یہ پوچھا کہ تم کون ہو اور اس اعتراف سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟..... تو وہ زہریلی ہنسی ہنسنے لگی۔ وہ بولی میں منصف ہوں مجھے انصاف پسند ہے۔ تمہاری وجہ سے ایک بے گناہ پھانسی چڑھ جائے مجھے یہ قبول نہیں۔ میں نے بہتیری منت سماجت کی مگر اس کا دل ذرا سا نہیں پسیجا۔ اس نے مجھے صاف لفظوں میں کہا کہ میں جس طرح تمہارے پاس آ جاتی ہوں۔ اسی طرح میں اس بے گناہ کے پاس بھی جا سکتی ہوں۔ میں اسے جیل سے غائب کر دوں گی تا کہ وہ ناکردہ جرم کا شکار نہ ہو جائے لیکن اگر آج میں اعتراف جرم کے لئے عدالت نہ گیا تو وہ مجھے جان سے ہی مار ڈالے گی۔ اس نے ہاتھ سے کوئی اشارہ کیا تو میرے جسم میں آگ سی لگ گئی۔ گویا چنگاریاں میرے بدن پر پھوٹنے لگیں۔ میں اس نئی تکلیف سے بے قرار ہو گیا۔ مجھے یوں لگا کہ اگر یہ تھوڑی دیر تک یونہی جاری رہیں تو میں جل کر بھسم ہو جاؤں گا۔ وہ میرے سامنے کھڑی پتھر کی طرح میرا تماشہ دیکھتی رہی۔ میں دو گھنٹے تک تڑپتا رہا مگر اس بے رحم کو میری حالت پر کوئی ترس نہیں آیا۔ جوں جوں وقت بیتے جا رہا تھا تکلیف میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں اب چیخنے لگا اور اپنی مدد کے لئے سب کو بلانے لگا..... تو اس نے انکشاف کیا کہ میری آواز اس کمرے سے باہر کوئی نہیں سن سکتا ہے۔ میں نے خود کو اب اس سنگ دل مہ جبیں کے رحم و کرم پر پایا۔ سوزش و جلن کے مارے میں مرغ بسمل کی طرح فرش پر تڑپتا رہا۔ فرش کی ٹھنڈک بھی آگ لگنے لگی۔ یہ عذاب میں نے کس طرح اتنی دیر تک برداشت کیا، یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔ بالآخر میری ہمت جواب دے گئی۔ میں نے اعتراف جرم کی ہامی بھر لی..... اس نے مجھے کہا کہ میں عدالت کی جانب نکل پڑوں ..... جوں جوں میں عدالت کے قریب پہنچتا جاؤں گا۔ میری تکلیف کم ہوتی چلی جائے گی۔

عدالت میں داخل ہوتے ہی یہ تکلیف بند ہو جائے گی لیکن اگر وہاں اعتراف جرم نہ کیا تو میں دوبارہ اسی تکلیف میں اسی جگہ پر مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں نے گھر سے فوراً دوڑ لگائی۔ حیرت انگیز طور پر میرے جسم میں تکلیف کم ہونا شروع ہو گئی اور پھر عدالت میں داخل ہوتے ہی میں خود کو صحیح محسوس کرنے لگا۔ میرے دل میں آیا کہ میں اقبال جرم نہ کروں بلکہ عدالت کے کسی کونے میں چھپ جاؤں..... میں ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ اسی وقت میرے کانوں میں آواز پڑی کہ ارادہ بدلا تو پھر اپنے انجام کو یاد رکھنا۔ میں نادیدہ آواز سن کر کانپ کر رہ گیا اور عدالت میں جا کر اقبال جرم کر لیا۔'' جمیل گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

''مگر عدالت میں تو تم نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا؟'' حسن مراد نے سوال کیا۔

''مرزا صاحب! کیسی باتیں کرتے ہیں؟ میری اس کہانی پر کس نے یقین کرنا تھا؟ جو میرے ساتھ ہوا ہے۔ وہ صرف میں جانتا ہوں جبکہ لوگوں نے اس کہانی کو تماشہ بنا کر پاگل بننے کی اداکاری سے موسوم کرنا تھا۔ بھلا کیا آپ نے کبھی اپنی زندگی میں ایسی لڑکی دیکھی ہوگی جو پرواز کر سکے یا کھلی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو جائے۔'' جمیل کے لہجے میں تلخی عود کر آئی۔

حسن مراد اس کی بات سن کر دھیما سا مسکرایا، وہ اسے کیا بتاتا؟ ایسی ہی لڑکی سے وہ بھی مل چکا ہے جو اس کی نگاہوں کے سامنے ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔

''کیا اس اجنبی لڑکی نے اپنا کوئی نام پتہ وغیرہ بتایا تھا؟'' حسن مراد نے پوچھا۔

''نہیں..... نہیں تو۔'' جمیل نے گردن کو نفی میں جنبش دی۔ ''اوہ..... ہاں یاد آیا ایک دفعہ اس کے منہ سے ایک عجیب سا نام نکلا تھا مگر میں اسے کوئی مطلب نہیں دے پایا۔''

''کیا.....'' حسن مراد کے لہجے میں بے تابی جھلکنے لگی۔

''اس نے شاید یہ کہا تھا کہ ''طارنوشا منوفا'' تم کبھی نہیں جیت سکو گے۔'' جمیل سوچتا ہوا بولا۔ اس کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید اسے اپنے لفظوں کی ادائیگی میں مکمل یقین نہیں ہے کہ وہ صحیح تلفظ ادا کر پا رہا ہے یا نہیں۔

حسن مراد اس لفظ کا مطلب اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ لڑکی کون تھی اور کیونکر اس پر طاری ہوئی تھی۔ یہ ملکہ راب شامخ کا ایک اور احسان تھا..... نعمان پر۔ اس کی جان اس نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس شکنجے سے حسب وعدہ چھڑائی تھی۔ حسن مراد نے اس سے آفرین کے بارے میں ضروری باتیں نوٹ کیں اور اجازت لی۔ جیل سے نکلتے ہوئے اس کے ذہن میں کئی سوال سر اٹھا رہے تھے جن کے جواب ابھی خود اس کے پاس بھی نہیں تھے۔

عدالتوں اور جیل خانوں کے جھنجٹ سے آزادی پائے نعمان کو پانچ ماہ ہو چکے تھے۔ گو کہ وہ اب پوری طرح مطمئن زندگی بسر کر رہا تھا مگر جمیل کی حالت زار پر اسے بے حد دکھ ہوتا۔ دو ایک بار اس سے ملاقات کے لئے وہ جیل بھی گیا تھا۔ جمیل نے اپنی بیوی آفرین کی ہر ممکن مدد کی درخواست اسے کی تو نعمان نے اسے بھرپور یقین دلایا کہ اس کی بیوی کو کسی قسم کی گزند نہیں پہنچنے دے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جمیل کے مقدمے کا فیصلہ بھی ہو گیا۔ اسے پھانسی کی سزا نہیں دی گئی تھی بلکہ عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ نعمان آزادی کے بعد اپنے کاروبار میں ایسا کھویا کہ اپنے گرد و پیش سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔ ایک چھوٹی سی رکاوٹ نے اسے حسن مراد کی دہلیز پار کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ایک شام اپنی ضرورت کے پیش نظر حسن مراد کے دفتر آدھمکا۔ حسن مراد نے جب اسے دیکھا تو نہ صرف اسے خوش آمدید کہا بلکہ کئی شکوے شکایتیں اس کے لبوں پر مچل گئیں۔ جس پر نعمان نے اپنی مصروفیت اور شرمندگی کا اظہار کیا۔

''نعمان! بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' حسن مراد نے بے تکلفی سے پوچھا۔

''ایک چھوٹا سا کام ہے!'' نعمان چند ہی لمحوں میں اپنی ندامت فراموش کر گیا۔ ''ایک فرم نے بے ایمانی کرتے ہوئے میری کچھ رقم خورد برد کر لی ہے۔ اس سے جب بھی رقم کا تقاضہ کرتا ہوں تو وہ ٹیڑھی باتیں کر کے میرے ایجنٹ کو ہراساں کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے خلاف قانونی کارروائی کروں..... بس اسی سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔'' نعمان نے اصل موضوع کی جانب توجہ کی۔

''بس اتنی سی بات ہے..... تم بے فکر رہو میں اس معاملے کو ایک دو پیشیوں میں ہی نبٹا دوں گا۔'' حسن مراد نے اسے تسلی دی۔ اسی دوران کسی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

حسن مراد نے چونک کر سر اٹھایا تو دروازے میں کھڑے شخص کا چہرہ دیکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔ نووارد کوئی اور نہیں طارنوش منوف تھا۔

''آ جایئے۔'' حسن مراد نے مختصراً کہا۔

طارنوش منوف مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے بڑی بے تکلفی سے کرسی کھینچی اور نعمان کے برابر بیٹھ گیا۔ اس نے حسب عادت سیاہ رنگ کا لمبا سا چغہ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ موٹا عصا بھی موجود تھا۔ جو شاید کسی کیمیکل کے استعمال سے بے حد دمک رہا تھا۔ طارنوش منوف کی نگاہ جونہی نعمان پر پڑی تو اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس کی زبان پر دھیمی سی بڑبڑاہٹ ابھری۔

''ایسا نہیں ہو سکتا.....''

''کیا نہیں ہو سکتا وکیل صاحب!'' نعمان جو اسے صرف وکیل کی ہی حیثیت سے جانتا تھا مسکراتا ہو بولا۔ طارنوش منوف اس کی طرف عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''کہئے کیسے آنا ہوا؟'' حسن مراد نے جان بوجھ کر موضوع کا رُخ پلٹا۔

''اوہ!'' طارنوش منوف چونک کر سیدھا ہوا۔ ''حسن مراد! غالباً یہی نام ہے تمہارا۔''

''غالباً نہیں یقیناً..... میرا یہی نام ہے۔'' حسن مراد نے توضیح کی۔

''مجھے تو تم جانتے ہو گے۔ میرا نام طارنوش منوف ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا بولا۔

''یہ کیسا نام ہوا؟'' نعمان استعجابیہ نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

''تم وہ نہیں ہو.....''

یکا یک اس کے منہ سے معنی خیز جملہ نکل پڑا۔ جس پر لمحہ بھر کے لئے وہ دونوں پریشان ہو گئے۔ اس کی یہ مبہم سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ طارنوش منوف چونک کر سیدھا ہوا اور دوبارہ بولا۔ ''معاف کیجئے مجھے تم میں کسی دوست کی شباہت دکھائی دی۔ اسی لئے میں نے اپنا وہم خصوصاً بتایا اگر تم وہ ہوتے تو یقیناً مجھے پہچان جاتے۔''

''محترم! آپ کی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں آپ شاید مرزا صاحب سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔'' نعمان زچ ہوتے ہوئے بولا۔ واقعی اس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا تھا۔

''ہاں مجھے یاد آیا حسن مراد!'' طارنوش منوف اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ''میں تم سے ایک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سودا کرنا چاہتا ہوں.....!'' طارنوش کا لہجہ پراسرار سا ہونے لگا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کم از کم تمہارے ساتھ کسی قسم کا کوئی سودا کرنے کو تیار نہیں ہوں۔'' حسن مراد تیوری چڑھا کر بولا۔

''بھئی ناراض کیوں ہوتے ہو؟'' طارنوش کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

''سودا سن لو اس کے بعد فیصلہ کرنا۔ جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔''

''جلدی جلدی کہو۔ مجھے اور کام بھی کرنا ہیں!'' حسن مراد بے رُخی سے بولا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ایک مکار چور محسن بن کر میری دکان سے میری نادر القیمت شے اُٹھا لایا تھا۔ وہ میرے بدترین عذاب کا شکار تھا کہ اس نے تم سے پناہ مانگی اور تم نے اسے وہ پناہ فراہم کردی۔ خیر یہ میری زندگی کا پہلا موقع ہے کہ میں اسے خبیث کو ڈھونڈنے میں ناکام ہوا ہوں مگر یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے! جس دن وہ مرے گا اسی دن وہ میرے قابو میں آجائے گا۔ آخر بکرے کی ماں کتنے دن خیر منائے گی ایک دن تو اسے چھری کے نیچے آنا ہی پڑتا ہے۔ اس قصہ کو چھوڑو..... وہ چور میری جو چیز چرا کر لایا تھا۔ وہ تو اس کے کام کی بھی نہیں تھی لہٰذا اس سے گم ہوگئی۔ مگر جس چیز میں وہ نادر روزگار شے بند تھی۔ وہ تمہارے پاس موجود ہے ..... میں اسی کے بارے میں گفت وشنید کرنا چاہتا ہوں۔''

''تمہارا اشارہ اس بوسیدہ فریم کی جانب ہے۔'' حسن مراد اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''بالکل! تم صحیح سمجھے۔'' طارنوش خوشی سے جھومتا ہوا بولا۔ ''وہ بوسیدہ سا فریم تم مجھے لوٹا دو۔ اس کے بدلے میں تم..... اس کی منہ مانگی قیمت حاصل کر سکتے ہو۔''

''تم نے میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے مصری۔'' حسن مراد لفظ چبا کر بولا۔

''اندازہ نہیں!..... مجھے اپنا وہ فریم چاہئے کسی بھی قیمت پر.....!'' طارنوش کا لہجہ یکدم سرد ہوگیا۔

''اس فریم میں خاص بات کیا ہے؟'' نعمان کی آنکھوں میں حیرت جھلکنے لگی۔

وہ خاموش بیٹھا ان دونوں کے جارحانہ پن سے الجھن کا شکار ہونے لگا۔

''یوں تو وہ بہت قدیم فریم ہے۔ کبھی اس میں ایک تصویر بھی ہوتی تھی مگر ایک بے وقوف چور نے اسے چرا کر میری غیرت کو للکارا ہے۔ اس نے مجھے مات دے کر میرے غضب

دعوت دی ہے۔ وہ میری آمد کے خوف سے کہیں جا چھپا ہے یا اسے چھپا دیا گیا ہے مگر وہ جلد یا بدیر میری دسترس میں آجائے گا۔ چھپنے سے قبل وہ میری چیز اس شخص کے حوالے کر گیا ہے۔ جس کے لئے قطعی بے کار ہے۔ یہ بات بھی یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ فریم اتنا خوبصورت بھی نہیں کہ اسے گھر کی آرائش کا حصہ بنایا جاسکے۔'' طارنوش منوف نے وضاحت کی۔ نعمان اس کی بات سن کر حیرت سے حسن مراد کا منہ دیکھنے لگا۔

''سنو مصری!'' حسن مراد تیز لہجے میں بولا۔ ''جو چیزیں میرے گھر کی زینت ہیں ان میں کوئی نقص نکالنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ رہا جہاں تک یہ سوال کہ وہ میرے پاس کہاں سے آیا یا کن حالات کے تحت مجھے ملا، تمہیں اس سے بھی غرض نہیں ہونا چاہئے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ اب میری ملکیت ہے اور تم اسے زبردستی حاصل بھی نہیں کر سکتے۔''

''معاف کرنا حسن مراد!'' بوڑھے مصری طارنوش منوف کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ''تم ایک بے قانون دان ہو۔ اس کے باوجود تم وہ بات کہہ رہے ہو جو تمہیں نہیں کہنی چاہئے۔ کسی بھی چوری شدہ چیز پر اپنی ملکیت کا حق جمانا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہوتا جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو..... وہ فریم میری ملکیت ہے اور اسے چوری کیا گیا ہے۔ اگر میں اس بارے میں پولیس کے پاس جا کر تم پر ایف آئی آر کٹوا دوں تو یہ میرا قانونی حق ہے۔ پولیس نہ صرف تم سے وہ فریم برآمد کر کے مجھے واپس لوٹا دے گی بلکہ تمہیں سزا بھی دیئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ مجھے بھی اس معاملہ میں یہ اچھا نہیں لگے گا کہ ایک قانون دان میری وجہ سے مجرم ثابت ہو جائے۔''

''تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' حسن مراد غراتے ہوئے بولا۔

''تم اسے کوئی بھی رنگ دے سکتے ہو۔'' طارنوش منوف نے مختصراً کہا۔

''تو تمہیں میری جانب سے کھلی اجازت ہے کہ تم سے جو ہو سکے کر گذرو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مسروقہ مال پر کیا دفعہ لگتی ہے مگر اسے مسروقہ ثابت کرنے کے لئے تمہیں دلیلیں بھی پیش کرنا پڑیں گی۔'' حسن مراد کی آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ بوڑھا مصری اس کی جانب تیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''حسن مراد!'' طارنوش منوف گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''میں تم سے اپنی چیز واپس طلب کر رہا ہوں..... وہ اسے میری دکان سے چرا کر لایا ہے۔ کیا میں ہی تمہاری نگاہوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں قصوروار ہوں؟ تم اسے رکھ کر کوئی فائدہ بھی نہیں اُٹھا سکتے کیونکہ یہ تمہیں بھی معلوم ہے ا میں جو کچھ تھا اب وہ اس میں واپس آنے سے تو رہا۔"

"میں نے تمہیں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ پولیس اسٹیشن جاؤ اور میرے خلاف جو ہو سکے کارروائی کرو۔ پولیس اس چوری کے معاملے میں تم سے کچھ ثبوت بھی طلب کرے گی۔ ا انہیں دے دینا اور اس معاملے کو ان پر چھوڑ دو اگر وہ مجھ سے وہ فریم برآمد کرلیں تو یہ تمہار حق میں ٹھیک ہے ورنہ اگر تم یہ خواہش کرو کہ میں تمہیں وہ فریم آسانی سے دے دوں گا تو تمہاری بھول ہے۔" حسن مراد دوٹوک لہجے میں بولا۔

"شاید تمہیں اس بات پر گھمنڈ ہے کہ میرے پاس اس فریم کے مالک ہونے کا کو ثبوت نہیں۔ یہ تمہاری بھول ہے کیونکہ جب وقت آیا تو اس بارے میں، میں ثبوت بھی پیش کردوں گا کہ وہ واقعی میرا فریم ہے۔ تم تو اس کے بارے کچھ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب ا کہاں بنا تھا؟" طارنوش منوف کے لہجے میں ناگواری عود کر آئی۔

"بڑے میاں!" نعمان نے معاملے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے مداخلت کی۔ "م نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ مگر میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ آپ پولیس تھانے کے چکر میں کیوں خوار ہو رہے ہیں اگر آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے تو اسے پیش کر ورنہ اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے راستہ ناپیں۔"

"برخوردار!" طارنوش استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "تم ابھی بچے ہو۔ یہ موصوف اچھی طر جانتے ہیں کہ میں ہی اس فریم کا اصلی مالک ہوں مگر یہ جان بوجھ کر اسے دینے سے گریز رہے ہیں حالانکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس فریم کا حصول میرے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے میں صرف ان سے کچھ تعاون کا طلب گار ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی بے گناہ شخص کو کوئی گزن پہنچاؤں۔"

"جب تم یہ جانتے ہو کہ میں تمہیں وہ فریم نہیں دوں گا تو تم اپنا وقت کیوں ضائ کر رہے ہو۔ میں تمہاری ان گیدڑ بھبکیوں میں آنے کا نہیں۔" حسن مراد کے لہجے میں غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔

"ٹھیک ہے میں اس وقت جا رہا ہوں مگر یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا کہ اس فریم میں

بھی کوئی دوسری تصویر لگانے کی غلطی ہرگز مت کرنا ورنہ جس کی بھی تصویر اس فریم کی زینت بنے گی۔ چوبیس گھنٹے میں وہ موت کا شکار ہو جائے گا۔ وہ صرف ایک ہی تصویر کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس میں وہی تصویر لگائی جا سکتی ہے اور میں ایک دن وہ تصویر اس میں سجا کر اسے اس سرزمین سے ہمیشہ کے لئے لے جاؤں گا۔"

طارنوش کے لہجے میں گہرا عزم تھا۔ وہ وہاں سے باہر نکل گیا۔ حسن مراد کے چہرے پر اس کے جانے کے بعد اضغاث احلامی کیفیت طاری ہوگئی۔ نعمان حسن مراد کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ بوڑھا آپ سے فریم ہر قیمت پر حاصل کرلے گا کیونکہ جاتے ہوئے اس کے چہرے پر جو اطمینان میں نے دیکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے آپ سے فریم کا حصول اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"نعمان!" حسن مراد مسکرا کر بولا۔ "اسے فریم سرے سے ہی نہیں چاہئے تھا۔"

"کیا مطلب......؟" نعمان اس کی بات پر ششدر رہ گیا۔

"وہ مجھ سے فریم نہیں کچھ اور طلب کرنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا جو میں اسے کبھی نہیں دوں گا......یعنی ایک شخص کا پتہ جو کہ اس کی نگاہ میں اس کا مجرم ہے۔" حسن مراد نے وضاحت کی۔

"میں تو یہی سمجھا تھا کہ معاملہ صرف ایک فریم کا ہے مگر لگتا ہے کہ اس فریم کے پیچھے کوئی کہانی پوشیدہ ہے۔" نعمان نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"اور شاید تم بھی اس کہانی کا ایک کردار بن جاؤ۔" حسن مراد نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا جس پر نعمان پہلو بدل کر عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں......؟" نعمان کی آنکھوں میں گہری الجھن چھا گئی۔

"کچھ چیزیں وقت آنے پر ہی سمجھ آتی ہیں...... قبل از وقت انہیں سمجھایا نہیں جا سکتا۔" حسن مراد کی آنکھوں میں آنے والے وقت کے اندیشے سر اُٹھاتے دکھائی دینے لگے۔

"مجھے نہیں معلوم کہ آپ کا اشارہ کس جانب ہے؟ مگر مجھے اس بوڑھے کی ایک بات نے کافی تعجب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ اس فریم میں اگر کوئی دوسری تصویر لگائی گئی تو اس کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

موت چوبیس گھنٹوں میں واقع ہو جائے گی۔" نعمان استعجابیہ انداز میں بولا۔

"چھوڑو اسے۔ تم نہیں جانتے وہ کئی بار اسی قسم کے شوشے چھوڑ چکا ہے۔" حسن م کے لہجے میں ناگواری ابھر آئی۔ وہ شاید اس کا مزید ذکر نہیں چاہتا تھا۔

"ویسے مرزا صاحب!" نعمان کے لہجے میں گہرا اشتیاق جھلک رہا تھا۔ "میرا خیال کہ اس دعویٰ کو ایک مرتبہ جانچ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

"یار چھوڑو..... تم کن چکروں میں پڑ گئے ہو۔" حسن مراد جھنجلا گیا۔

"نہیں..... نہیں۔ یہ کوئی نظر انداز کرنے والی بات نہیں۔ میرے خیال میں اس دعویٰ کو جانچنا چاہئے۔ ایک جانب وہ فریم کے حصول کے لئے بے قراری کا مظاہرہ کر رہا تھا دوسری جانب وہ اس فریم سے ایسی باتیں منسوب کر رہا ہے کہ ہم خود ہی خوفزدہ ہو کر اس سے نجات پانے کے لئے اسے اُٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیں۔" نعمان نے اپنی رائے ظا کی۔

"چلو بالفرض میں یہ تسلیم کرلوں کہ اس کا دعویٰ سچا ہے تو میں محض اس فریم کی خ میں کسی بھی شخص کی جان لینے کا تصور نہیں کر سکتا۔" حسن مراد نے دلیل پیش کی۔

"میں نے یہ کب کہا کہ کسی زندہ شخص کی تصویر اس میں لگا کر اس کی جان لے جائے۔ ہم اس فریم میں کسی مردہ شخص کی تصویر تو لگا سکتے ہیں۔ اس کے دعویٰ کو پرکھ ہیں۔" نعمان جلدی سے بولا۔

"چھوڑو نعمان!" حسن مراد شاید جان چھڑانا چاہتا تھا۔ "تم کس کی باتوں میں آگئے ایک بہروپیا انسان ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے کئی روپ تمہیں شاید دیکھنے کو ملیں۔ شوشے وہ اکثر چھوڑ کر مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔"

"کیا میں یہ سمجھوں مرزا صاحب! آپ جان بوجھ کر اس معاملے سے مجھے دور رکھنے کوشش کر رہے ہیں۔" نعمان کے لہجے میں ہلکی سی ناراضگی نمودار ہونے لگی۔

"اچھا تم برا مت مانو! یہاں سے فارغ ہونے کے بعد گھر چلیں گے اور تم اس فریم جو تجربہ کرنا چاہو کر لینا..... اب خوش ہو۔" حسن مراد نے بے بسی سے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات.....!!!" نعمان کے لہجے میں بچوں سی بے قراری تھی۔

اس کے بعد وہ دونوں سابقہ موضوع پر لوٹ آئے۔ کاروباری گفتگو دوبارہ شروع ہوگئی۔ اس کے بعد دوسرے کئی مؤکل آئے۔ جن سے حسن مراد باری باری نمٹتا رہا۔ اس دوران نعمان خاموش بیٹھا رہا۔ جب دفتری امور سے فراغت ملی تو وہ دونوں وہاں سے نکل پڑے۔ راستے میں بھوک محسوس ہونے پر دونوں نے ایک اچھے ریستوران سے کھانا کھایا۔ جب وہ دونوں گھر پہنچے تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ حسن مراد اسے ڈرائنگ روم میں آویزاں پرانے آبنوسی فریم کے سامنے لے گیا اور اس کی جانب اشارہ کیا۔ نعمان حیرت بھری نگاہوں سے اس قدیمی شاہکار کو دیکھنے لگا جو اس کی نگاہوں میں بے حد اہمیت کا حامل ہو چکا تھا۔ اس نے بوڑھے کے دعویٰ کو جانچنے کے لئے آتے ہوئے راستے میں سے ایک مرحوم فلمی ایکٹر کی بڑی سی تصویر خرید لی تھی جسے دیکھ کر حسن مراد محض مسکرا کر رہ گیا۔ اس نے حسن مراد کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔ حسن مراد کو فوراً احساس ہوا کہ وہ اس سے اجازت طلب کر رہا ہے۔ اس نے پلکوں کے خفیف اشارے سے اشارہ اثبات کیا تو نعمان نے آگے بڑھ کر وہ تصویر اس فریم میں اچھی طرح چپکا دی۔

مرحوم فلمی ایکٹر کی تصویر اس قدیمی فریم میں لگی بے حد جچ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ دونوں میں وقت کا ایک ہی رشتہ ہو۔ نعمان ایک صوفے پر جا بیٹھا۔ حسن مراد کو بھی مجبوراً بیٹھنا پڑا۔ بھک سی آواز نے دونوں کو چونکا دیا..... دونوں کی نگاہیں خود بخود اس فریم کی جانب اُٹھ گئیں۔ فریم اس وقت شعلوں کے حصار میں تھا۔ اس میں لگی ہوئی تصویر دھڑا دھڑ جلنے لگی۔ دونوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے وہ تصویر جل کر راکھ ہوگئی۔ نعمان اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس فریم کی جانب بڑھا۔ حسن مراد بھی مقناطیسی انداز میں اس کے پیچھے ہولیا۔ دونوں فریم کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ فریم میں سے وہ تصویر راکھ بن کر نیچے گر چکی تھی۔ نعمان نے ڈرتے ہوئے فریم کی سطح پر ہاتھ پھیرا تو وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گیا کہ فریم بالکل سرد ہو رہا تھا۔ اس پر نہ تو کسی چیز کے جلنے کا کوئی نشان دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی چند لمحے پہلے لگی آگ کی کوئی حدت موجود تھی۔ دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ حسن مراد نے اس موضوع پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہ کیا۔ نعمان ابھی تک اپنے ذہن میں اس معمے کو حل کرنے میں محو تھا کہ اس فریم پر کونسا کیمیکل لگایا جائے تو ایسا شعبدہ دکھایا جا سکتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نعمان حسن مراد کے گھر سے پیدل ہی نکل کھڑا ہوا۔ یہ پوش ایریا دن کے وقت ہی مصروف دکھائی دیتا۔ رات کو یہاں ایسی ویرانی سی چھا جاتی کہ ٹیکسی ملنے کی بھی امید نہیں ہوتی تھی۔ حسن مراد نے اسے اپنی گاڑی لے جانے کی پیشکش کی تھی مگر اس نے ٹال دیا۔ وہ کچھ دیر پیدل چلنا چاہتا تھا تاکہ وہ اس تصویر کے اسرار کو حل کر سکے۔ حسن مراد نے اسے اپنا خیال رکھنے کی ہدایت کی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ جس سڑک پر وہ چل رہا تھا وہ بالکل ویران تھی۔ مگر جانے کیوں اسے بار بار احساس ہوا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہو۔ وہ رک گیا اور اپنے اطراف میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ سڑک اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں دور تک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس پر اس وقت انسان تو کجا دور دور تک کوئی کتا بھی مٹرگشت کرتا دکھائی نہیں دیا۔ چنانچہ اس نے اسے اپنا وہم خیال کیا اور دوبارہ چلنا شروع کیا۔ اس کا بنگلہ یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا مگر پھر بھی وہ محتاط تھا۔ ماضی میں گمنام گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو چکی تھیں اور پھر عبدالرحمٰن چغتائی کے قتل کے بعد وہ کافی حد تک محتاط رہنے لگا۔ کبھی کبھی یہ خیال اسے رہ رہ کر ستانے لگتا کہ مرحوم کا کوئی شیدائی کسی بھی وقت اپنے انتقامی جذبے سے مغلوب ہو کر اس پر حملہ آور ہی نہ ہو جائے۔ اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے حسن مراد سے گاڑی کیوں نہیں لی؟

ایک مرتبہ تو وہ چلتے چلتے باقاعدہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت سی چھا گئی۔ اسے اپنے عقب میں کسی کے چلنے کی چاپ صاف سنائی دی۔ اس نے تیزی سے مڑ کر دیکھا تو پیچھے کوئی نہیں تھا۔ حیرت و پریشانی سے مغلوب وہ ایک بار پھر چلنے لگا۔ جب وہ چلنے لگتا تو کسی کے تعاقب کا احساس ہونے لگتا۔ قدموں کی چاپ اسے صاف سنائی دیتی مگر وہ جونہی رک کر پیچھے دیکھتا تو کوئی بھی اسے دکھائی نہیں دیتا۔ اگر اسے عبدالرحمٰن مرحوم کے قتل کے سلسلے میں کوئی اندیشہ نہ ہوتا تو شاید اس کا ذہن اس قدر وہم میں مبتلا نہ ہوتا..... غرض یہ کہ اس نے اپنی رفتار مزید تیز کر دی۔ اسی لمحے اسے احساس ہوا کہ تعاقب کرنے والے کے قدموں میں بھی تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اسی کشمکش میں اپنے بنگلے کے پھاٹک تک آ پہنچا۔ وہاں ٹھہر کر اس نے چاروں جانب اچھی طرح دیکھا مگر وہاں کوئی ہوتا تو اسے دکھائی دیتا۔ اس نے اس وہم کو اپنی جوتے کی

خرابی تصور کیا اور ارادہ کیا کہ صبح وہ اس سے جان چھڑا لے گا۔ وہ پھاٹک سے ہوتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ گھر میں صرف ایک بلب روشن تھا باقی تمام گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سوئچ آن کئے تو پورا گھر روشنی سے جگمگا اُٹھا۔ وہ کھانا کھا چکا تھا لہٰذا سیدھا اپنی خواب گاہ میں جا پہنچا۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ ابھی اپنے بستر میں گھسنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ دروازے کے ساتھ کوئی آ کھڑا ہوا ہے۔ پہلے تو اسے بھی اپنا وہم جانا مگر قدموں کی چاپ نے اس کا سکون غارت کر دیا تھا۔ اس نے خود کو مضبوط کیا اور تیزی سے اپنا بستر چھوڑا اور قریباً بھاگتے ہوئے دروازے کو ایک جھٹکے سے کھول دیا۔ اس کا بھنچا ہوا مکا دروازے کے باہر ہوا میں جھول گیا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ نعمان غصے و پریشانی کے ملے جلے تاثرات سے اب باہر دیکھنے لگا۔ راہداری میں خاصی روشنی تھی مگر وہاں کوئی ہوتا تو دکھائی دیتا۔ اسی لمحے ایک بلی کسی جانب سے کودی اور اس کے سامنے سے بھاگتی چلی گئی۔ نعمان کا پھولا ہوا سینہ غبارے کی مانند پچک گیا۔ اس نے یکبارگی خود کو برا بھلا کہا اور دروازہ کھلا چھوڑ کر واپس بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ ابھی اسے لیٹے ہوئے کچھ ہی دیر گذری تھی کہ دروازے پر پھر آہٹ محسوس ہوئی۔ اس کی نیچے کی سانس نیچے اور اوپر کی اوپر رہ گئی۔ اس نے خود کو ایک بار پھر سنبھالا اور بجلت قریب پڑی ہوئی کوئی شے زور سے دروازے کے باہر دے ماری۔ اچانک باہر سے سنائی دینے والی کراہ سے اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ وہ بے قراری کے عالم میں بستر سے اُٹھا اور تیزی سے دروازے کی جانب لپکا۔

جونہی اس نے اپنی گردن نکال کر راہداری میں جھانکا تو استعجاب سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کے سامنے زمین پر کوئی مہ جبیں حسینہ گری کراہ رہی تھی۔ نعمان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے فرش پر سے اُٹھایا۔ وہ سیدھی ہوتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اس نے تیزی سے اپنا دامن نعمان سے چھڑایا جس پر نعمان جھینپ سا گیا۔ وہ ابھی تک اس حسینہ کا رُخ جلوہ نہیں دیکھ پایا کیونکہ اس نے تیزی سے اپنے حسین و جمیل چہرے کو ریشمی چادر کے عقب میں چھپا لیا۔ اسی لمحے اسے اپنے گھر میں ایک اجنبی لڑکی کے وجود کا احساس ہوا۔ کئی سوال اس کے ذہن میں مچلنے لگے۔

"خاتون! آپ کون ہیں اور اس وقت میرے گھر میں کیا کر رہی ہیں؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''میں خواہ کوئی بھی ہوں پہلے تو آپ یہ بتایئے کہ آپ نے وہ پیپر ویٹ مجھے کیوں مارا؟'' اس اجنبی لڑکی نے احتجاج کیا۔

''معافی چاہتا ہوں! میں سمجھا تھا کہ کوئی چور ہے۔'' نعمان کو اب احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں آنے والی شے پیپر ویٹ تھی۔ جسے اس نے بے خیالی میں باہر کی جانب اچھالا تھا۔ نعمان اس کے پاس کھڑا ندامت سے دوہرا ہونے لگا۔ اس کے لہجے میں عجز وانکساری عیاں تھی۔ شاید اس لڑکی پر حملہ آور ہونا اس کی رگ حمیت کو اچھا نہیں لگا۔ اس کی دلی کیفیت کچھ یوں تھی کہ وہ خود ہی مجرم بنا کھڑا تھا کہ نادانستگی میں وہ اس کے ہاتھوں چوٹ کا شکار ہوگئی ..... اسی لئے اس کے لہجے میں عجز نمایاں دکھائی دینے لگا۔

''میں آپ کو چور دکھائی دیتی ہوں.....؟'' لڑکی بگڑ کر بولی۔

''نہیں..... نہیں! میں نے بھلا آپ کو چور کب کہا ہے؟'' نعمان بوکھلا سا گیا۔

''تو پھر میرا قصور کیا تھا؟ مجھے اتنی زور سے پیپر ویٹ کھانا پڑا۔'' لڑکی اپنی بات تھی۔

آپ اس وقت میرے گھر میں کیا رہی ہیں؟'' نعمان نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''قصور تو میرا ہے جو میں آپ کے پیچھے پیچھے یہاں آگئی..... اب خدا ہی میری حالت پر رحم کرے۔'' وہ لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔

اس کی بات پر نعمان کے کان فوراً کھڑے ہوگئے۔ وہ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا کیونکہ سارے راستے اسے کسی کے قدموں کی چاپ پریشان کرتی رہی تھی مگر چلنے والا کوئی دکھائی نہیں دیا۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا کہ کوئی واقعی اس کے تعاقب میں تھا۔

''مگر تم ہو کون؟'' نعمان کے لہجے میں تبدیلی پیدا ہونے لگی۔

''ایک مظلوم..... جو ابھی ابھی آپ کے ظلم کا شکار ہوئی۔'' لڑکی آہ بھر کر بولی۔

''دیکھو! میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ بلکہ یہ پوچھ رہا ہوں کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تم کون ہو؟ اور میرے گھر میں آدھی رات کو کیا کر رہی ہو؟''

''کتنے بے درد ہیں آپ! یہ بھی نہیں کہہ رہے کہ چلو میں زیادتی کا مرتکب ہوا ہوں کچھ لمحے بیٹھ کر آرام کرلو..... بس دھونس جمائے جا رہے ہیں۔'' لڑکی تنک کر بولی۔

نعمان پریشان سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ جانے اس لڑکی میں کیا تھا کہ وہ اسے کمرے میں ساتھ لے آیا اور کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ یوں کرسی پر چڑھ بیٹھی جیسے یہ اس کا اپنا ہی گھر ہو۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔ نعمان کو ایک بار پھر اپنی حماقت کا احساس ہوا مگر وہ اب کیا کر سکتا تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔

''میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں گزند پہنچی..... اگر تم اتنی اسراریت نہ پھیلاتی تو شاید یہ نوبت ہی نہیں آتی۔'' نعمان نے ندامت سے کہا۔

''اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو پھر.....؟'' لڑکی اپنا چہرہ چھپائے دردانگیز لہجے میں بولی۔

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں؟'' نعمان نے بغلیں جھانکیں۔

آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔'' لڑکی پر یقینی لہجے میں کہا۔

نعمان اس وقت بڑی بے بسی محسوس کر رہا تھا کیونکہ وہ لڑکی سیدھے طریقے سے کچھ بتانے کو تیار ہی نہیں تھی۔ مگر جب اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ اُٹھائے اور اپنا مسحور کن رُخ عیاں کیا تو نعمان کے دل پر بجلیاں گر پڑیں۔ وہ اسے اپنے روبرو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ وہی تھی۔ اس کے خیالوں کی ملکہ..... اس کی آئیڈیل..... جس کا وہ ایک عرصہ سے منتظر تھا۔ اس کے حواس پر چھایا ہوا محض ایک خیالی چہرہ..... جو حقیقت کا روپ دھار کر اس کے سامنے آبیٹھا تھا۔ وہ جیل میں بھی اسے دیکھ چکا تھا مگر اس ملاقات کو اس نے حسین خواب ہی سمجھا۔ اس کے قرطاسِ ذہن پر دریا کے کنارے اس کی میٹھی میٹھی باتیں ابھی تک منقش تھیں۔

اس کے لمبے لمبے سیاہ گھنے بال دونوں شانوں پر بہار کی لہلہاتی بیلوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ اس کی بڑی بڑی کالی آنکھیں نہایت ہی دلکش اور غزال صحرا کی چشم مست کو شرما دینے والی تھیں۔ اس کے تیکھے سے نقوش اور کھڑی ناک اس کے چہرے کو حسن کی دولت سے مالا مال کئے ہوئے تھی۔ چہرے پر چھائی ہوئی قاتل ادا معصومیت کسی بھی پتھر دل انسان میں محبت کی لو ٹمٹما سکتی تھی۔ دلکشی و شادابی سے اس کا چہرہ منور تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا قدرت نے اسے زیور حسن سے نواز کر ہی اس دنیا میں اتارا ہو۔

چند لمحے یونہی بیت گئے کمرہ خاموشی کا نمونہ بنا رہا۔ استعجاب و استغراق نے نعمان کے لبوں پر مہر لگا دی۔ اس نے اس وقت اس پری چہرہ کے بے مثال و شاہکار پیکر کو ہمیشہ کے لئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اپنی آنکھوں میں اتار لینا چاہا۔ رفتہ رفتہ نعمان کی طبیعت میں اعتدال کے سوتے پھوٹے۔ منتشر حواس بمشکل قائم ہونے لگے اور وہ کچھ سنبھل سا گیا۔ وہ اجنبی لڑکی اب اس کی جانب قاتل نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟..... کیا دکھ ہے؟..... میں تو بس یہی جانتا ہوں کہ مجھے صرف تمہارا ہی انتظار تھا۔ جانے یہ احساس مستحکم کیوں تھا کہ تم ایک دن کچے دھاگے سے بندھی چلی آؤ گی۔'' نعمان کے لبوں پر دل میں چھپی خواہش مچلنے لگی۔

''یہ سچ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ یہ تڑپ جنوں صرف اسی لئے تھا کہ مجھے آپ تک پہنچنا تھا۔'' وہ لڑکی کسمسائی۔

''لیکن تم کون ہو؟..... تمہارا کوئی نام بھی ہوگا؟'' نعمان آتش عشق میں جلنے لگا۔

''بس کیجئے! اس سے قبل کہ آپ میرے وجود سے واقف ہو جائیں بہتر یہی ہوگا کہ سردست آپ اس کا انتظار کریں.....!'' وہ لڑکی تڑپ کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ذرا دیر تو ٹھہر جاؤ! اتنی مختصر ملاقات ..... کاش ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ پاتے۔'' نعمان دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہوا بے بسی سے بولا۔

لڑکی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ہونٹوں پر ناتمام سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی غنچہ چٹک گیا ہو۔

''مجھے آپ کیا سمجھنا چاہتے ہیں؟ میں سمجھنے اور سمجھانے کی پابندیوں سے یکسر آزاد ہوں۔ میں جو ہوں اسی میں خوش رہنا چاہتی ہوں..... مجھے آپ مل گئے میری یہی خوشی ہے۔ اب بس میں صرف اتنا چاہوں گی کہ یہ بے نیازی کا عالم یونہی تمہارہے اور فاصلے کی قربت کی خواہش لبوں پر نہ لائی جائے..... ابھی کچھ انتظار باقی ہے۔ یہ کب تک قائم رہے گا میں تو یہ بھی نہیں جانتی..... شاید میری آنکھیں اس انتظار میں پتھرا جائیں گی۔''

وہ لڑکی دروازے تک جا پہنچی تھی اس کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی محسوس ہونے لگیں۔ نعمان بے قراری میں اُٹھتا ہوا اس کی طرف لپکا۔

''تو پھر تم واقعی جا رہی ہو..... دوبارہ کب آؤ گی؟''

''ہاں میں جا رہی ہوں..... مگر میں بھی خوش نہیں ہوں اس روانگی پر لیکن میں اپنے خدا

سے مایوس نہیں ہوں۔ یہ دوری یہ فاصلے کبھی تو ختم ہو جائیں گے۔ میں پھر آؤں گی..... ضرور آؤں گی..... بلکہ بار بار آؤں گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایک دن آپ شاید مجھ سے اکتا جائیں گے۔'' لڑکی کے چہرے پر پھیکا سا تبسم پھیلا۔ نعمان کو یوں لگا کہ جیسے کمرے کی قسمت ہی بدل گئی ہو۔

''تمہاری آمد میرے لئے فصل بہار سے کم نہیں۔ میں اگر وقت پر قادر ہوتا تو اسے ہمیشہ کے لئے اپنی مٹھی میں بند کر لیتا۔'' نعمان سرشاری کے عالم میں بولا۔ جانے کیوں یہ سن کر اس لڑکی کے چہرے پر خوف سا کیوں پھیل گیا۔ چہرے کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ نعمان اس تغیر کو دیکھ کر بے چین سا ہو گیا۔

''کاش! اگر جانا..... نہ جانا میرے اختیار میں ہوتا تو میں کبھی بھی یہ چوکھٹ چھوڑ کر نہ جاتی۔ وہ آہستہ آہستہ باہر جانے لگی۔ تو نعمان کو احساس ہوا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے۔ جاتی بہار کے پاکیزہ سفید لباس سے خوشبو کے سوتے پھوٹنے لگے۔ جن میں کھویا نعمان بے چارگی سے اسے الوداع کرنے بڑھا۔ وہ کس قدر حسین و معصوم دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی چال میں اک وقار اور تمکنت تھی۔ وہ جوں جوں صدر دروازے کی جانب بڑھتی گئی۔ نعمان کو دل پر نشتر چلتے محسوس ہوئے۔ اس کے دل کے کسی کونے سے صدا اُٹھی کہ وہ آگے بڑھ کر اس بہار آفریں کو کچھ دیر کے لئے مزید روک لے لیکن اس کے جاہ و جلال سامنے اس کی قوت دم توڑ گئی۔ وہ جانے کب دروازے سے نکل کر تاریکی میں گم ہو گئی تھی۔ نعمان کو کچھ ہوش نہ تھا۔

اچانک اسے کہیں دور کوئی شے ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔ وہاں ایک سیاہ سا ہیولا موجود تھا۔ ہوا سے اس کے کپڑے لہرا رہے تھے جو اس کی توجہ کا باعث بنے۔ اس نے غور سے اس جانب دیکھا مگر وہ کون تھا؟ نعمان اسے پہچان نہ سکا۔

''کون ہو تم؟..... سامنے آؤ۔'' نعمان تیز لہجے میں چلایا۔

اس جگہ پر کچھ حرکت ہوئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اب تاریکی سے نکل کر اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں آنے لگا۔ وہ سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ اس لئے وہ تاریکی کا ہی حصہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موٹا سا چمکیلا عصا موجود تھا۔ وہ بالکل نعمان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ نعمان نے جب اسے دیکھا تو اس کا چہرہ کچھ شناسا سا لگا۔ نعمان نے اپنے ذہن پر ہلکا سا زور دیا تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسے یاد آ گیا کہ یہ تو وہی ہے جس کے ساتھ ابھی شام کو ہی اس کی ملاقات حسن مراد کے دفتر میں ہوئی تھی وہ کوئی فریم مانگ رہا تھا..... طارنوش منوف..... اچانک عجیب سا نام اس کے ذہن پر ابھرا۔

''میرا خیال ہے نہ تم مجھے پہچان چکے ہو۔'' طارنوش منوف دھیرے سے مسکرایا۔

''ہاں مگر تم آدھی رات کو میرے گھر کے باہر کیا کر رہے ہو؟'' نعمان کے لہجے میں سختی تھی۔

''میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں.....!'' طارنوش منوف سنجیدگی سے بولا۔

''ہاں میں سن رہا ہوں۔'' نعمان جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ جانے کیوں وہ اسے اپنے گھر میں لے جانے سے ہچکچا رہا تھا۔ اس کی پراسرار شخصیت سے شاید وہ خوفزدہ ہو گیا۔

''میں ایک خیر اندیش ہوں اور تمہیں یہ آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ تم جو ہو..... وہ نہیں ہو..... جو تم سمجھ بیٹھے ہو..... حق محض حقدار کا ہی حصہ ہوتا ہے اور دنیا میں یہی رسم مروّج ہے۔''

نعمان کا دل اس کی بات پر زور زور سے دھڑکنے لگا حالانکہ وہ اس کی بات کا مفہوم نہیں سمجھا تھا مگر اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اسے دھمکی دے رہا ہے۔ نعمان نے اپنی ہمت باندھی۔

''ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو؟''

بوڑھے طارنوش کی آنکھیں تاریکی میں چمکنے لگیں۔ وہ حقارت سے اسے دیکھنے لگا۔

''بس ابھی سے ڈر گئے برخوردار!..... میرا تمہارے لئے خاص مشورہ ہے کہ امانت کو امانت سمجھو۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو امین کہلاؤ گے اور اگر ایسا نہ کیا اور خیانت کے مرتکب ہوئے تو تم دنیا میں خائن کہلاؤ گے..... اور میں تمہیں اس کی عبرت ناک سزا بھی دوں گا۔''

اس کے لہجے میں دھمکی واضح ہو گئی۔ نعمان کے چہرے کی رگیں کھنچنے لگیں۔ وہ محض اس کی عمر کے تقاضے پر خاموش تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو شاید اسے زمین پر اُٹھا پھینکتا لیکن اس نے ضبط و تحمل کا دامن نہیں چھوڑا۔ بوڑھا طارنوش اس کے چہرے پر تغیرات دیکھ کر مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں نمودار ہونے والی چمک یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ نعمان کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح چاق و چوبند ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گھورتے رہے پھر طارنوش منوف مسکراتے ہوئے وہاں سے ایک طرف چل دیا۔ نعمان اپنی جگہ کھڑا دیر تک اسے دور جاتا دیکھتا

رہا۔ پھر وہ بھی تاریکی کا ہی حصہ بن گیا۔ نعمان بوجھل بوجھل قدموں سے واپس اپنی خوابگاہ میں چلا آیا۔ وہ چند لمحے پہلے جس قدر مسرور تھا اب اتنا ہی اداس و رنجیدہ تھا۔ خوابگاہ اب سونی سونی و پھیکی پھیکی دکھائی دیتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے نیند جانے کہاں اُڑ گئی۔ اسے یوں لگا کہ کمرے کی ساری رونق اسی نازنین کے ساتھ ہی سمٹ کر چلی گئی ہے۔ دوسرے ہی لمحے اسے بوڑھا طارنوش یاد آیا۔ جس کی شکل نظروں کے سامنے آتے ہی اس کی مٹھیاں غیر ارادی طور پر بھنچ ہو گئیں۔ اس لڑکی اور اس بوڑھے میں ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ تو کیا حسن مراد بھی اس لڑکی سے واقف ہے؟ ایک سوال اس کے ذہن میں ابھرا۔ جسے وہ کوئی جامہ نہیں پہنا سکا۔ اس بوڑھے خبیث کی آمد نے نعمان کے رنگین ماحول میں وسوسوں کے زہریلے کانٹے بکھیر دیئے..... اس نے اسے بہتیرا ذہن سے جھٹکا مگر مصری بوڑھا جیسے ذہن سے چمٹ ہی گیا۔ وہ اس مہ جبیں کے خیالوں میں محو ہونے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ جس کی آمد اپنے ساتھ نئی بہار..... دلربا مستی..... اور کبھی نہ زائل ہونے والا کیف لائی تھی۔ وہ صرف یہی چاہ رہا تھا کہ وہ اسی حسین ساغر میں برنگ صہبا چھلک جائے..... مگر وہ خبیث بڈھا طارنوش منوف بار بار اس کے خیالوں میں گھس کر انہیں تہس نہس کرنے پر تلا تھا۔ اسی کشمکش میں جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نیند کی گہرائیوں میں اتر کر ہر خیال سے بے نیاز ہو گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرے دن نعمان کا آفس میں دل نہیں لگا۔ اس کے باوجود ضروری امور کے نمٹانے میں رات پڑنے لگی۔ وہ ان سے فراغت کے بعد وہ سیدھا حسن مراد کے پاس چلا آیا تا کہ وہ اسے طارنوش منوف کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ حسن مراد اس وقت کہیں جانے کی تیاری میں مصروف تھا وہ اپنی فائلیں سمیٹ رہا تھا۔ جب اس کی نگاہ نعمان کے اداس اور ستے ہوئے چہرے پر پڑی تو وہ گھبرا گیا۔

"خیریت تو ہے اس قدر مردنی شکل بنا رکھی ہے۔"

"بس خیریت ہی ہے۔ تم شاید کہیں جا رہے ہو؟" نعمان نے دریافت کیا۔

"ہاں! ایک خاص دوست نے انٹرکانٹی نینٹل میں پارٹی ارینج کی ہے۔ اس میں شامل ہونا ہے۔ میں نے اس سے اپنی مصروفیت کا بہانہ بھی کیا تھا مگر وہ اڑ گیا...... کہ تم نہیں آؤ گے تو پھر نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔" حسن مراد ہنستے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے میں پھر کسی وقت آجاؤں گا!" نعمان نے اجازت چاہی۔

"واہ یہ کیا بات ہوئی؟" حسن مراد نے مصنوعی غصے سے آنکھیں دکھائیں۔ "تم اب میرے ساتھ چلو گے۔ میں پہلے ہی اس سوچ میں ہلکان ہوا جا رہا تھا کہ تنہا جاؤں گا تو شاید بور ہو جاؤں...... اب تمہارا ساتھ رہے گا تو وقت اچھا کٹے گا۔"

"نہیں...... دراصل اس وقت کسی تقریب میں جانے پر میری طبیعت مائل نہیں ہے۔" نعمان نے کنی کترانے کی کوشش کی۔

"ایسے ہی موڈ نہیں! میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے نہیں جاتے؟" حسن مراد کے لہجے میں مان کی پان چاشنی عیاں تھی۔

"ٹھیک ہے! اب جانا ہی پڑے گا۔" نعمان نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"تمہیں کوئی خاص کام تھا مجھ سے۔" حسن مراد نے اچانک چونک کر پوچھا۔

"ہاں! اب راستے میں ہی بات ہوگی۔" نعمان بولا۔

پھر وہ دونوں وہاں سے نکل پڑے۔ رت کے نو بجے وہ دونوں انٹرکانٹی نینٹل جا پہنچے۔ ں روشنیوں کی جگمگاہٹ کسی بارات کا سماں لئے ہوئے تھی۔ راستے میں بھی حسن مراد نے ، دلچسپ مقدمے کی روداد چھیڑ دی جس کے باعث نعمان اپنی بات نہ کر سکا۔ گاڑی سے نے کے بعد وہ دونوں ریسپشن کی جانب بڑھے تو حسن مراد کے خاص دوست نے آگے ہ کر دونوں کا پرتپاک استقبال کیا۔ اس نے ایک جانب ہال میں جانے کا اشارہ کیا۔ حسن نعمان کو ساتھ لئے تیزی سے ہال کی جانب بڑھ گیا۔ وہاں شہر بھر کے روساء وامراء موجود ائی دیئے۔ ان میں کئی لوگ انہیں جانتے تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر ان سے رسمی خیریت ب کی۔ ہال کا ماحول خالصتاً مغربی تھا۔ آج کے دور میں یہ وطن اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ تی و مغربی اقدار ایک دوسرے میں قریباً ضم ہو چکی ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمارا ملک مغربی ثرت کی جانب مائل نہیں ہے۔ اب یقیناً غلط ہوگا کیونکہ مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگوں اس ملک کی مشرقی اقدار میں اتنا تغیر پیدا کر دیا ہے کہ ہمارا ملک کسی بھی طرح مغربی یب سے کم نہیں رہا۔ لوگ فیشن سے لے کر گفتگو کے انداز تک میں مغربی نقالی کرتے عام ئی دیتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس پارٹی میں اونچی سوسائٹی کے مردوں کے ساتھ ان کی ت اور نوجوان لڑکیاں بھی زرق برق لباسوں میں ملبوس دکھائی دیتی تھیں۔ ادھیڑ عمر خواتین چہروں پر اپنی عمریں چھپانے کیلئے خاصے بھاری میک اپ کا اہتمام کر رکھا تھا جو کہ ان کی عمر واضح فرق سے بے حد بھدا بھی دکھائی دیتا مگر وہ اس خامی سے بے گانہ اپنی انا کو تسکین رہی تھیں۔

نوجوان لڑکیوں کے غول عجیب وغریب ملبوسات کا مینا بازار دکھائی دیتے تھے۔ ان میں انچلیوں کے جسم پر چست جین ان کے خدوخال کو عریاں کیے ہوئے تھی۔ مگر ان سب ال سے قطع نظر وہ سب اپنی اپنی رنگ رلیوں میں محو تھے۔ ہال میں ایسا لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ ہ کی ترقی پذیر ملک کے باسی ہیں۔ ہال میں دائروی انداز میں کچھ کچھ فاصلے پر کرسیوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان کے وسط میں چھوٹی سی گول میز شاید خانہ پری کا ہی کام دیتی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حسن مراد اس محفل میں آنے کے بعد پچھتانے لگا کہ اس سے اچھا ہوتا کہ وہ دفتر سے نکل کر گھر کی راہ لیتا۔ بناوٹی ماحول میں گھل مل جانا شاید اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس نے نعمان کے ساتھ ایک کونے میں موجود چھوٹی سی میز سنبھال لی۔ نعمان ان بکھیڑوں کو ذہنی بوجھ محسوس کرنے لگا کیونکہ وہ اس وقت صرف حسن مراد کو کل رات کی سرگزشت سنانے کا خواہش مند تھا جو کہ ایسے ماحول میں ممکن نہیں تھا۔ حسن مراد نے نعمان کو کئی کڑے جملے ان لوگوں کے بارے میں کہے جو کہ مغربی تہذیب کی تقلید میں بالکل ہی اندھے دکھائی دے رہے تھے۔

اچانک دو لڑکیوں کی آمد نے ان دونوں کو چونکا دیا۔ وہ اپنے لباس میں کسی شرارے سے کم نہیں دکھائی دیتی تھیں۔ نعمان نے ان کے حسن صبیح و جمال پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور دوسری جانب منہ پھیر کر دیکھنے لگا۔ حسن مراد کے چہرے پر شائستہ سی مسکراہٹ سج گئی۔

''آپ شاید تنہا ہیں۔ کیا ہم آپ کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ سکتی ہیں؟'' ایک لڑکی رُخ دلربا سے مسکرا کر بولی۔ ''ہم بھی تنہا ہیں..... یعنی کوئی میل ہمارے ساتھ نہیں۔''

''بیٹھ جایئے!'' حسن مراد نے انہیں اشارہ کیا جس پر نعمان پہلو بدل کر رہ گیا۔

''شاید نعمان صاحب کو ایسے ہنگامے پسند نہیں ہیں۔'' دوسری لڑکی نقرئی ہنسی سے بولی۔

نعمان اپنا نام اس کے لبوں پر سن کر چونک پڑا اور اس کے سراپے کی جانب متوجہ ہوا۔ تیکھے نین نقش والی لڑکی تھی۔ اس کی غزالی آنکھیں بے حد خوب صورت تھیں۔ اس نے سفید رنگ کی عمدہ ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔ شاید وہ اس محفل میں واحد ہی تھی جو ساڑھی پہنے ہوئے تھی جبکہ دوسری لڑکی اس سے عمر میں ہلکی اور چلبلی سی لگتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شوخی آ سجی تھی۔

''محترمہ! آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟ جبکہ میں تو آپ کو نہیں جانتا۔'' نعمان کی آنکھوں میں استفہام ابھرنے لگا۔ وہ اپنی یادداشت پر زور دے دینے لگا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے مگر وہ ناکام رہا۔

''لو جی!'' دوسری لڑکی شرارت آمیز لہجے میں بولی۔ ''تصویریں اخباروں میں چھپوا۔ ہیں اور آشنائی کا لوگوں سے پوچھتے ہیں۔'' اس کے چہرے پر میٹھی سی مسکان پھیل گئی۔

''کک..... کیسی تصویریں!!!؟'' نعمان بوکھلا اُٹھا۔

''ارے بھئی! تمہارے مقدمے کے حوالے سے بات کر رہی ہے۔'' حسن مراد نے ٹہوکا جس پر نعمان نے گہری سانس لی۔

''بہرحال نعمان صاحب! یہ آپ کی گڈ لک ہے کہ اس کیس میں سے بری ہو گئے ورنہ وں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اب کوئی صورت باقی نہیں ہے جو کہ نعمان احسن کو پھانسی پھندے سے بچایا جا سکے۔'' سفید ساڑھی والی لڑکی بولی۔

''اس میں مَیں کیا کہہ سکتا ہوں.....؟'' نعمان عجز سے کام لیتے ہوئے بولا۔ ''اخباروں ایسی کہانیاں نہ چھپیں تو وہ بکیں گے کیسے؟ یہ تو اللہ کا کرم ہے مجھ پر اور کچھ ان کی مہربانیاں ں نے رات دن ایک کر دیا تھا۔'' اس کا اشارہ حسن مراد کی جانب تھا۔

جس پر وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ حسن مراد نے جلدی سے اپنا وزٹنگ کارڈ کے ہاتھ میں تھما دیا جسے پڑھ کر وہ قابل تحسین نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔ اس کے بعد مور زیر بحث رہے۔ نعمان اور حسن مراد دونوں ان کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ ان ریت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں سگی بہنیں ہیں جو کہ یہاں حاصل کرنے کے لئے آئی ہوئی ہیں اور قریبی ہوسٹل میں ان کی عارضی رہائش ہے۔ حسن کے لئے یہ بات باعث حیرت تھی کہ اس پارٹی میں انہیں کس نے دعوت دی تھی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ اس سوال کو لفظوں کی زبان نہ دے مگر بالآخر اس کی کریدنے والی جبلت ہو گئی۔ اس کے استفسار پر انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ دونوں وقت گذاری کے لئے اس جگہ آ جاتی ہیں۔ روزانہ یہاں کوئی نہ کوئی پارٹی منعقد ہوتی رہتی ہے۔ جس میں وہ ں کی طرح آ ٹپکتی ہیں اور پھر دل بہلا کر واپس چلی جاتی ہیں۔ حسن مراد ان کی آزادی و کی پر گنگ رہ گیا۔ پھر کچھ ہی لمحوں بعد کھانے پینے کا سامان ان کے سامنے سجا دیا گیا۔ وہ لڑکیاں چٹخارے لینے لگیں۔ حسن مراد اور نعمان نے ایک ایک کپ کافی پر ہی اکتفا کیا۔

پارٹی کی رونق پورے شباب پر تھی۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ نئی جہتوں اور نئی میں مشغول تھے۔ اس بے راہ روی کا نام دن بھر کی تھکاوٹ سے نجات قرار دیا گیا۔ کے بہانے لوگوں کے اس اجتماع کا اہتمام ہر شام مختلف مقامات پر کیا جاتا۔ مستطیل کی یہ ہال دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سجی میزوں پر لوگ بیٹھے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مشروبات کے دور چل رہے تھے۔ گیارہ بجے ہال کے ایک حصے میں تیز روشنی سی پھیل گئی جبکہ دوسرے حصے میں روشنی کم کردی گئی۔ آرکسٹرا کی دھیمی سی آواز نے سب کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ ان کے میزبان نے آج کے پرآشوب دور میں زندگی کی تھکان دور کرنے کے لئے ہلکے پھلکے رقص کا اعلان کیا تو کئی جوڑے وسطی خالی فرش پر جا پہنچے اور بانہوں میں بانہیں ڈالے جھومنے لگے۔ حسن مراد اور نعمان کے لئے ایسی محفلیں نئی نہیں تھیں۔ وہ پہلے بھی ایسی کئی محفلوں میں شرکت کر چکے تھے۔ حسن مراد شاذ ہی ایسی محفلوں میں جاتا کیونکہ وہ اپنے دماغی کاموں اور دن بھر کورٹ کی تھکان کے باعث رات کو اس قابل ہی نہیں رہتا تھا کہ ایسی کوئی پارٹی جائن کر سکے۔ نعمان نے سگریٹ نکالی اور عمدہ لائیٹر سے سلگا کر آرکسٹرا سے محظوظ ہونے لگا۔ وہ لڑکیاں کافی دیر سے خاموش دائیں بائیں دیکھ رہی تھیں۔

''آپ بھی اس تفریح میں حصہ لیں۔'' سفید ساڑھی والی لڑکی بجلی گراتے ہوئے بولی۔

''یعنی میں بھی اس رقص میں حصہ لوں.....!!!'' نعمان اس کی بات سن کر بوکھلا سا گیا۔

''تو اس میں مضائقہ کیا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ پہلے بھی ایسی پارٹیوں میں رقص کرتے رہے ہوں گے۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

''نہیں.....شاید آپ کو میری بارے میں کوئی غلط فہمی ہے۔'' نعمان نے وضاحت کی۔

''لیکن آج تو.....آپ میری درخواست رد نہیں کر سکتے۔'' وہ ضد کرنے لگی۔

''مگر میں تو رقص کی الف بے بھی نہیں جانتا۔'' نعمان نے جان چھڑائی۔

''چلیں میرا دل رکھ لیں۔'' وہ شاید اس کی جان چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔

نعمان نے بے بسی کے عالم میں حسن مراد کی جانب دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ لڑکی اپنی نشست سے اُٹھ کھڑی ہوئی وہ مسلسل اس کا بازو کھینچ رہی تھی۔

''دیکھئے! میں آج ایک معزز مہمان کے ساتھ ہوں پھر کبھی سہی.....!'' نعمان نے کہا۔

''نعمان! مجھے کوئی اعتراض نہیں!'' حسن مراد نے آنکھ دبا کر شرارت کی۔

''لیں جی.....اب تو انہوں نے بھی اجازت دے دی ہے۔'' وہ لڑکی حوصلہ پا کر بولی۔

گئی۔

''میں اب کیا کہہ سکتا ہوں۔'' نعمان نے حسن مراد کو آنکھیں دکھائیں تو وہ دوسری ب دیکھ کر مسکرانے لگا۔ مجبوراً وہ اس سفید ساڑھی والی لڑکی کے ساتھ اُٹھا اور ہال کے اس ے میں پہنچ گیا جہاں کئی منچلے جوڑے محو رقص تھے۔ آرکسٹرا کی دھن پر وہ سب جھوم رہے ے۔ انہی میں وہ دونوں بھی شامل ہوگئے۔ دلفریب روشنی میں یہ ماحول بے حد مسحور کن دکھائی ے رہا تھا۔ چھت میں سے نکلنے والی روشنیاں گو کہ مدہم تھیں مگر کچھ ہی دیر بعد ان میں رنگوں ابدیلی پرستان کے کسی محل کا سماں پیش کرنے لگی۔ ہلکے میوزک نے محبت کرنے والوں کے ں کے تار چھیڑ رکھے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دنیا و مافیہا سے بے خبر دکھائی دیتے تھے۔

اچانک نعمان لڑکھڑا سا گیا اسے یوں لگا کہ کسی نے ٹانگ اڑا دی ہو۔ سفید ساڑھی والی ا نے تیزی سے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے کر سنبھال لیا اگر وہ ایسا نہ کرتی تو وہ ارش بوس ہو جاتا۔ نعمان نے الجھی نگاہوں سے اسے دیکھا اور غور کرنے لگا کہ کس نے ٹانگ اڑائی ہوگی مگر اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ صرف وہی لڑکی اس کے بے حد قریب تھی۔ شاید اس کی ساڑھی پر پاؤں لگا ہے۔ اس نے سوچا اور پھر کچھ لمحوں بعد اس کے ذہن سے بات بالکل محو ہوگئی۔ نعمان نے بے چارگی میں اس لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈالا جسے دیکھ کر وہ مسکرا کر رہ گئی۔ پھر دونوں تیز پاپ موسیقی پر تھرکنے لگے۔ مدہم لے کی موسیقی کا دور شاید ختم ہو چکا تھا۔ یہ صرف نوجوانوں کے لئے مخصوص آئیٹم تھا۔ نعمان اب اس لڑکی کے ساتھ بھرپور انداز میں رقص کرنے لگا۔ جسے دیکھ کر اس لڑکی نے ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ حسن مراد اپنی کرسی پر جما انہیں رقص کرتا ہوا دیکھنے پر اکتفا کئے رہا۔ اس کے مقابل بیٹھی ہوئی لڑکی نے بھی اسے اکسانا چاہا مگر وہ اسے بڑی خوب صورتی سے ٹال گیا جس پر وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

یکایک نعمان کو یوں محسوس ہوا کہ اس کے اس ہاتھ پر جو کہ لڑکی کی کمر میں تھا گویا کسی نے دہکتا ہوا انگارہ رکھ ڈالا ہو۔ اس نے تیزی سے اس کی کمر سے ہاتھ کھینچ لیا اور کھڑا ہو کر ہاتھ ہوا میں جھلانے لگا۔ اس نے جب اپنی ہتھیلی کی جانب دیکھا تو پریشانی سے چہرہ سرخ ہونے لگا وہاں جلنے کی سرخی یا زخم کچھ بھی نہیں تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"آج شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ لڑکی پریشانی کے عالم میں بولی۔

"نہیں تو ......لگتا ہے کہ جیسے کوئی رگ کھنچ گئی ہو۔ ارے آئیے آپ کیوں رک گئیں۔ میں بالکل بھلا چنگا ہوں۔" نعمان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے ایک بار پھر تھرکنے پر مجبور کر دیا۔ حالانکہ وہ چند ساعتیں قبل رونما ہونے والے واقعے کو کوئی معنی نہیں پہنا سکا کہ یکدم اس کا ہاتھ کیونکر جلنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دھیان اب رقص کی جانب نہیں ہے یا پھر آپ صحیح موڈ میں نہیں ہیں کیونکہ اب آپ کے قدم مسلسل غلط اُٹھ رہے ہیں۔" وہ لڑکی دھیرے سے بولی۔

"میرا خیال ہے کہ شاید آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔" نعمان نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔" وہ لڑکی تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے رقص میں جو بات تھی وہ اب باقی نہیں رہی۔ آپ یا تو کسی ذ الجھن کا شکار ہیں یا پھر آپ مجھے جان بوجھ کر تنگ کر رہے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ ہاتھ کی رگ کھنچ جانے کے باعث دھیان اس طرف بٹ گیا ہو اور م کچھ قدم آگے پیچھے اُٹھا گیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے کو اب ختم کرتے ہیں پھر کبھی دیک جائے گا۔" نعمان نے جان چھڑانا چاہی۔

"جی نہیں! رقص کو جاری رکھیے!" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ اس نے نعمان پر ا گرفت مزید مضبوط کر دی۔ جس پر نعمان گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"میرا خیال تھا کہ آج کے لئے اتنا ہی بہت ہے باقی پھر کبھی سہی۔" نعمان بے چار کے عالم میں بولا۔ لیکن لڑکی نے شاید یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ اس کی ایک نہیں سنے گی لہٰذا مج نعمان کو اس کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ اس کے ساتھ رقص کرتی رہی۔ آرکسٹرا نے کئی دھنیں بدلیں اس لڑکی کا دل نہ بھرا۔ وہ آج بھرپور تفریح کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ وہ نعمان کی آنکھوں دیکھتی اور پھر مسکرا دیتی۔ نعمان نے کئی مرتبہ چاہا کہ کسی طرح یہ منزل تمام ہو مگر وہ شیطان آنت کی طرح طوالت اختیار کئے جا رہی تھی۔ اچانک ان دونوں کے کانوں میں کسی لڑکی آواز پڑی۔

"یہ رقص ختم کرو اور واپس لوٹ جاؤ۔"

آواز اتنی دھیمی تھی کہ اسے ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہ سن سکا۔ سفید ساڑھی والی ی آواز سن کر ٹھٹک سی گئی۔ اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نہیں دکھائی دیا۔ اس کی ھوں میں الجھن دکھائی دینے لگی۔

"آپ نے سنا کوئی لڑکی ابھی بولی تھی۔"

"نہیں تو......!" نعمان صاف مکر گیا حالانکہ وہ اس آواز کو صاف سن چکا تھا مگر وہ جان کر انجان بن گیا۔ نادیدہ آواز پر حیرت اسے بھی تھی۔

"شاید میرا وہم ہے۔" وہ لڑکی شرمندگی سے مسکرا دی اور رقص جاری رہا۔ کچھ ہی لمحوں بعد وہ دونوں چند لمحے پیشتر کے واقعے سے غافل ہو گئے۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں اب خ ڈورے تیرنے لگے۔ وہ نعمان کو مست نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ نعمان اس کی بدلتی کیفیت کچھ ہڑبڑا سا گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور نوجوان ہوتا تو وہ اس مال مفت کو کبھی ہاتھ سے جانے یتا۔ اسی لمحے نعمان کی نگاہ فرش پر جا پڑی جہاں زمین میں سے دھواں سا اُٹھ رہا تھا۔ نعمان ھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ مگر جونہی اس دھوئیں میں سے آگ کا ایک ننھا سا شعلہ لڑکی جانب لپکا تو وہ کانپ سا گیا۔ جس پر وہ لڑکی خوابیدہ کیفیت سے بیدار ہو گئی۔ اس نے امنہ بنایا۔ نعمان نے اپنے ہاتھ چھڑا کر اس شعلے کو بجھانا چاہا مگر اس لڑکی نے اسے کامیاب نے دیا۔ شعلہ ساڑھی میں پھیلنے لگا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ ......ساڑھی ......آگ......!" نعمان کے منہ سے ہذیانی کیفیت میں ربط سے جملے نکلے۔ جس پر وہ چونک کر پیچھے ہٹی۔ اسی لمحے اسے اپنی پشت پر تپش کا احساس اس نے جب مڑ کر دیکھا تو اس کی بہترین ساڑھی میں آگ لگ چکی تھی۔ ان کے قریب اس ناگہانی افتاد پر رقص کرتے کرتے رک گئے اور عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے ایک ہی پل میں پورے ہال میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔ نعمان تیزی سے اپنا کوٹ اتار کر آگ کو بجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی اثناء میں لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ حسن مراد بھی حادثے پر چونک گیا۔ وہ ان لمحات میں اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی سے محو گفتگو تھا۔ اس لئے نہ دیکھ سکا کہ کیا ہوا ہے؟

آرکسٹرا کی دھن کب کی بند ہو چکی تھی۔ ماحول کی رنگینی اس حادثے پر ماند پڑ گئی۔ لوگ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس بات پر حیران تھے کہ یہاں آگ کیسے لگ گئی کیونکہ رقص کے دوران کوئی بھی سگریٹ نہیں لگائے ہوئے تھا۔لوگوں میں عجب عجب چہ میگوئیاں جاری تھیں۔کئی لوگ نعمان سے استفسار کرتے دکھائی دینے لگے مگر وہ انہیں کیا جواب دیتا اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

کچھ ہی دیر بعد اس لڑکی کو بھی ہوش آ گیا۔وہ ہراساں نگاہوں سے ادھر اُدھر تکنے لگی۔ احساس شرمندگی اسے ستائے جا رہا تھا۔کئی لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یہ آگ کیسے لگی؟ مگر وہ کیا جواب دیتی۔کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ شرارت خود نعمان نے کی ہے۔

''خیریت رہی کہ آگ فوری بجھ گئی ورنہ تم آج ہلاک ہو جاتیں یا پھر اتنی جھلس جاتیں کہ حسن وخوب صورتی اک خواب بن جاتا۔'' حسن مراد اس کی جانب دیکھ کر ہنستا ہوا بولا۔

''لیکن لگتا ہے میری پنڈلیاں تک جھلس گئی ہیں کیونکہ ان میں بے حد تکلیف ہو رہی ہے۔'' وہ لڑکی تکلیف بھری آواز میں کراہی۔اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اس کی بہن بھی خاصی پریشان دکھائی دیتی تھی۔ہال میں موجود تمام لوگوں میں سنسنی سی پھیل چکی تھی اور ہر شخص اس راز کو جاننے کے لئے بے تاب دکھائی دیتا تھا۔اسی دوران ہال کا منیجر بھی آ گیا۔اس نے اس واقعے کو اتفاقی حادثہ قرار دے کر اپنے ہوٹل کے وقار کو بچانے کی کوشش کی۔منیجر نے معذرت کرتے ہوئے لوگوں سے جانے کے لئے کہہ دیا اور پھر لوگ وہاں سے پریشان سے نکلنے لگے۔

''منیجر صاحب!'' وہ لڑکی سوز بھری آواز میں بولی۔''میں نے اس حادثے سے چند لمحے قبل کسی نادیدہ کو یہ رقص ختم کرنے کا حکم دیتے سنا تھا مگر میں نے اس وقت اسے اپنا وہم جانا۔''

نعمان کا رنگ اس کی بات پر اُڑ گیا مگر اس نے فوری طور پر اپنے اوپر قابو پا لیا حسن مراد کی باریک بین نگاہ سے یہ بات چھپی نہ رہ سکی۔منیجر نعمان کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔نعمان نے فوراً اس کی تردید کر ڈالی کہ میں نے ایسی کوئی آواز نہیں سنی۔

''جو ہوا سو ہوا..... اب اس قصے کو ختم کریں اور اپنے گھر جا کر آرام کریں۔معلوم ہوتا ہے کہ حادثے کے صدمے سے آپ کا دماغ چکرا گیا ہے۔'' حسن مراد جلدی سے بولا۔منیجر نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔شاید اُسے خدشہ تھا کہ کہیں اس واقعے سے ہوٹل کی ساکھ پر برا اثر نہ پڑ جائے۔اس لڑکی نے بے حد کوشش کی کہ اس کی بات پر یقین کیا جائے مگر منیجر نے

پروں پر پانی نہیں پڑنے دیا۔جس پر وہ روہانسی ہو کر رہ گئی۔جو لوگ وہاں باقی رہ گئے تھے ان کا خیال تھا کہ لڑکی آگ سے خوفزدہ ہو کر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔وہ اسے ہمدرد نگاہوں سے دیکھنے لگے۔نعمان نے حسن مراد کی مدد سے ان دونوں کو ایک ٹیکسی میں بٹھا کر رخصت کر دیا۔اس تقریب کا میزبان ان دونوں کے پاس چلا آیا۔وہ حسن مراد کا خاص دوست بھی تھا۔

''میں معافی چاہتا ہوں کہ تقریب اتفاقی حادثے کا شکار ہو کر پھیکی پڑ گئی اور خصوصاً آپ لوگوں کو تکلیف اُٹھانا پڑی۔'' میزبان معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''کوئی بات نہیں پھر سہی.....!'' حسن مراد نے بات ختم کی۔وہ نعمان کو ساتھ لئے ہال سے باہر نکل آیا۔وہ دونوں اپنی گاڑی کی جانب بڑھنے لگے۔باہر ابھی بھی کچھ لوگ موجود تھے جو آپس میں اس حادثے پر اپنا اظہار کرنے میں مشغول تھے۔

پھر گاڑی میں بیٹھتے ہی حسن مراد نے اپنے مخصوص انداز میں نعمان سے سب کچھ معلوم کر لیا۔نعمان نے اسے اپنی آمد کا سبب اور دیگر سارا حال بتایا۔اس پراسرار لڑکی کی ملاقات سے لے کر طارنوش منوف کی دھمکی تک۔حسن مراد نہایت خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس کا خدشہ صحیح نکلا کہ سیف اللہ خان کے بعد ملکہ راب شامخ کا اگلا شکار نعمان بن رہا تھا۔ نعمان کی باتیں سن کر اس کے دل و دماغ پر دھماکے ہونے لگے..... وہ ابھی تک اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ کیا وہ ملکہ راب شامخ کی حقیقت اس پر عیاں کر دے؟ پھر کچھ لمحوں بعد اس کے چہرے پر گہرا سکون چھا گیا شاید وہ کسی نتیجے تک پہنچ چکا تھا۔

حسن مراد دوسرے دن نعمان کو لے کر سیدھا حکیم عبدالمجید ثمرقندی کے مطب جا پہنچا۔ حکیم عبدالمجید نے ان دونوں کا خیر مقدم کیا۔سیف اللہ خان ابھی تک وہیں موجود تھا۔اس کی صحت کافی حد تک بہتر ہو چکی تھی۔اب لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی سیف اللہ خان ہے جسے حسن مراد وہاں چھوڑ گیا تھا۔حسن مراد نے اس سے بھی خیریت طلب کی جس پر اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔حسن مراد نے عبدالمجید کو طارنوش کی آمد کے بارے میں بتایا اور فریم طلب کرنے پر لال پیلا ہونے کی بابت بتایا تو سیف اللہ خان سن کر کانپ گیا وہ خبیث یہاں تک آن پہنچا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اسے وہ فریم کبھی اپنے ہاتھوں سے مت دینا..... مگر وہ تم سے اپنی شے ایک دن لے ہی جائے گا۔'' عبدالمجید نے بتایا۔

''مگر حکیم صاحب!'' حسن مراد چونکا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ میری اجازت کے بغیر وہ فریم لے جائے اگر اس نے چرانا ہوتا تو کب کا چرا لیتا۔''

''وہ اسے چرا نہیں سکتا۔'' عبدالمجید نے انکشاف کیا۔ ''وہ صرف تم پر دھونس جما کر لے سکتا ہے یا پھر کوئی اور ترکیب لڑا کر..... اسے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اسے قید کرنے سے پہلے فریم چرا سکے۔''

''خیر اس قصے کو چھوڑیئے۔'' حسن مراد اپنے موضوع کی جانب آیا۔ ''اس مریض کو دیکھئے مجھے لگتا ہے کہ یہ بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو چکا ہے۔''

نعمان اس کی عجیب وغریب باتیں سن کر حیرت زدہ ہو رہا تھا۔ حکیم عبدالمجید نے اس کی نبض ٹٹولی تو یکبارگی چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''تم وہ نہیں ہو..... جو وہ سمجھ بیٹھی ہے!'' حکیم عبدالمجید غیر ارادی طور پر بڑبڑایا۔

''کیا مطلب؟'' نعمان کی آنکھوں میں استفہام ابھر آیا۔

''نوجوان!'' عبدالمجید اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ ''جسے تم اپنا سب کچھ سمجھ رہے ہو۔ وہ سراب ہے۔ تمہاری نگاہوں کا فریب ہے۔ اس کے خیالوں سے باہر نکل آؤ..... اس میں تمہاری بہتری ہے۔ وہ انسان نہیں ہے..... بلکہ ایک روح ہے۔''

''نن..... نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا؟'' نعمان تڑپ اُٹھا۔

''جو سچ تھا وہ تمہارے سامنے بیان کر دیا ہے۔ وہ واقعی ایک روح ہے جو ہزاروں سال بعد اس دنیا میں واپس لوٹی ہے۔ وہ تمہیں اپنا محبوب سمجھ رہی ہے مگر وہ تم نہیں ہو.....!'' عبدالمجید نے سخت لہجے میں کہا۔ جس پر نعمان بجھ سا گیا۔ حسن مراد اس بارے میں مزید جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مگر وہ تو میرے خیالوں اور خوابوں میں اس وقت سے تھی جب میں نا سمجھ تھا۔'' نعمان نے اپنے حق میں دلیل پیش کرنا چاہی۔

''وسوسے ہیں یہ سب..... اور کچھ نہیں!'' عبدالمجید مسکرایا۔

''میں طویل عرصہ سے اس کا انتظار کرتا آیا ہوں اور اب اسے فراموش کر دوں..... یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔'' نعمان نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔

''ٹھیک ہے تم اگر اپنی جان گنوانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' عبدالمجید نے دو ٹوک کہا۔ حسن مراد اس کے چہرے پر بدلتے رنگ دیکھ رہا تھا۔

''نعمان! حکیم صاحب صحیح کہہ رہے ہیں، کل کیا ہوا؟ ذرا اسی پر غور کرو..... کیا یہ حرکتیں کسی انسان کی ہو سکتی ہیں۔'' حسن مراد تیز لہجے میں بولا۔

''مگر میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے چھوا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ روح کا تو کوئی جسم نہیں ہوتا..... اس کا جسم تو مجھے خود محسوس ہوا ہے۔'' نعمان نے اس کی بات رد کرنا چاہی۔

''برخوردار!'' حکیم عبدالمجید کے لہجے میں شفقت نمودار ہوئی۔ ''مجھے تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟..... اور وہ کہاں رہتی ہے؟''

نعمان یہ سن کر محض پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس سوال کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں سے آتی ہے؟ اور کہاں چلی جاتی ہے؟ پھر بھی تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتی ہے۔'' حکیم عبدالمجید نے ایک اور پہلو روشن کیا۔

''مگر وہ روح تو نہیں ہے.....!'' نعمان نے ایک بار پھر احتجاج کیا۔

''برخوردار!'' حکیم عبدالمجید کے چہرے پر اس کی نادانی سے تبسم پھیل گیا۔ ''وہ روح ہی ہے۔ تمہیں یقین کر لینا چاہئے۔ ایک ایسی روح جس کے پاس رنگوں کا جسم ہے اگر اس فریم کو اس وقت پانی سے دھو ڈالا جائے۔ جب وہ اس میں خود موجود ہو تو پھر اس سے وہ رنگ ہمیشہ کے لئے چھن جائیں گے اور وہ جسم جو تمہیں بادی النظر دکھائی دیتا ہے کبھی دکھائی نہیں دے گا۔ یہ سب اس کینوس کے قرطاس پر بکھرے رنگ ہیں۔ جنہیں وہ سمیٹ کر اس فریم سے باہر نکل آئی ہے۔ وہ روح بھی ہے اور ایک زندہ تصویر بھی۔ وہ بوڑھا اسے واپس اسی فریم میں مقید کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ اس فریم میں واپس نہ آئی تو اسے اس کا آقا جلا کر بھسم کر دے گا لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے لئے آگ تیار کی جا چکی ہے۔''

''آپ کی باتیں میری عقل سے باہر ہیں!'' نعمان کے چہرے پر بے زاری پھیل گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میری باتیں تمہیں بالکل سمجھ آ رہی ہیں۔ تم جان بوجھ کر انجان بن رہے ہو۔ تم اپنے فریب سے چھٹکارا نہیں پانا چاہتے۔ وہ فریب جسے تم نے آئیڈیل کا نام دے رکھا ہے۔ وہ تمہیں ایک دن بہت بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے۔" حکیم عبدالمجید کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

"میں اس بوڑھے مصری سے خود ہی نمٹ لوں گا۔" نعمان نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"وہ تمہارے بس کا روگ نہیں..... وہ گذشتہ چار ہزار سال سے زندہ ہے!"

"نہیں..... یہ ناممکن ہے!" نعمان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گذر گیا۔

"یہ سچ ہے..... جانتے ہو وہ کیونکر اتنی طویل زندگی پائے ہوئے ہے۔ اس لئے کہ وہ شیطانی قوتوں کا غلام ہے۔ وہ اسے موت سے دور رکھتی ہیں مگر ایک دن ان سب قوتوں نے بھی فنا ہو جانا ہے ان کے سرپرست شیطان کو بھی ایک دن موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔"

"مگر یہ سب آپ کیسے جانتے ہیں؟" نعمان کی شک آلود نگاہیں عبدالمجید کو گھورنے لگیں۔

"اسے اللہ کی دین سمجھو! ورنہ میں ناچیز اس قابل نہیں ہوں۔" عبدالمجید نے جواب دیا۔

"مجھے ایسی باتوں پر قطعاً اعتقاد نہیں۔" نعمان منہ بنا کر بولا۔

"میاں حسن مراد!" عبدالمجید اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "یہ ناقابل علاج ہے۔ اسے بھی اس کے ساتھ بھٹکنے دو..... ٹھوکر کھائے گا تو سنبھل جائے گا۔"

"میاں جی!" حسن مراد خوشامدانہ انداز میں بولا۔ "کوئی کوشش تو کر دیکھئے شاید آپ کامیاب ہو جائیں۔ یہ بھی آخر بندہ خدا ہے..... کوئی فرشتہ تو نہیں۔"

"میں تقدیر میں دخل اندازی کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ جو قابل علاج ہوتا ہے اسے شفا دینے کی کوشش کرتا ہوں اور جو میرے بس میں نہیں ہوتا اسے اللہ کے سپرد کر دیتا ہوں۔" حکیم عبدالمجید نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا جس پر حسن مراد کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"حکیم صاحب!" نعمان بولا۔ "میں کوشش کروں گا کہ آپ کی ہدایت پر عمل کروں۔"

"اسی میں تمہاری بھلائی ہوگی۔" عبدالمجید نے جواباً کہا۔

پھر کچھ دیر کے بعد وہ دونوں حکیم عبدالمجید کے مطب سے نکل آئے۔ حسن مراد نے اس کے بارے میں کافی باتیں بتائیں اور آنے والے خطرے سے بھی پوری طرح آگاہ کیا۔ حسن

مراد نے سیف اللہ خان کی چرائی ہوئی تصویر کا واقعہ بھی اسے سنایا۔ طارنوش کی پراسراریت بھی بتائی۔ ملکہ راب شامخ کے تصویر سے نکلنے کا حیرت انگیز قصہ بھی اس کے سامنے بیان کیا۔ نعمان یہ سن کر قدرے خوفزدہ ضرور ہوا تھا مگر کچھ ہی لمحوں بعد اس کے ذہن نے سب فراموش کر دیا۔

حسن مراد نے صاف لفظوں میں اسے کہہ دیا تھا کہ میں قانون کے دائرے میں رہ کر مقتول عبدالرحمٰن کے مقدمے کی طرح تو ہر قسم کی مدد کر سکتا تھا مگر مجھے اندیشہ ہے کہ اس پراسرار روح کی محبت میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں۔ شاید یہ تمہارے لئے اس حادثہ قتل سے زیادہ خطرناک ثابت ہو۔ زیادہ بہتر یہی ہوگا کہ تم اس کی یادوں کو ہمیشہ کے لئے فراموش کر ڈالو..... اپنے ذہن کے قرطاس پر موجود اس تخیل کا عکس مٹا دو۔

نعمان کو جس کام کی تلقین کی جا رہی تھی وہ آسان نہیں تھا کیونکہ طویل انتظار کے بعد اس کے آئیڈیل نے حقیقت کا روپ دھارا تھا۔ ملکہ راب شامخ کی روح پوری طرح اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو چکی تھی۔ وہ اس کے لئے اپنے دل میں موجود بے پناہ محبت کو کیسے بھلا دیتا۔ وہ جب اس ہوشربا لڑکی کی حقیقت سے آگاہ ہوا تو اس کا دل و دماغ برسرپیکار ہو گیا۔ دل کہتا کہ یہ سب جھوٹ بکواس اور لغویات ہیں۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ اس جدید دنیا میں روحوں کی باتیں محض ڈھونگ کے سوا کچھ نہیں۔ جبکہ دماغ اپنے ساتھ پیش آنے والے پراسرار واقعات کی جانب اس کی توجہ مبذول کر دیتا۔ تو وہ تڑپ کر رہ جاتا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اس سے پہلے کہ کچھ الٹا سیدھا ہو جائے اسے کسی نیک سیرت لڑکی سے نکاح کر لینا چاہئے۔ دفتری امور میں الجھ کر وہ ان حسین یادوں سے کچھ دیر کے لئے نجات تو پا سکتا تھا مگر انہیں مکمل طور پر ذہن سے مٹا دینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اسے جب تنہائی میسر ہوتی تو ذہن کے سارے ارتکاز اسی مہ جبیں چہرے کی جانب مائل ہو جاتے۔ وہ بے تابی سے خلا کو گھورنے لگتا۔

نعمان کے لئے اپنی زندگی کے معمول کو آسان بنانا ناممکن نہیں رہا۔ وہ جلد ہی محسوس کرنے لگا کہ ان کٹھن اور دشوار حالات میں اس کی دماغی کیفیت یقیناً بگڑ جائے گی اور کچھ ہو نہ ہو وہ پاگل ضرور ہو جائے گا۔ حسن مراد اس کی کیفیت بخوبی سمجھتا تھا۔ اسی لئے وہ اس کے زیادہ قریب رہنے لگا۔ اسے جب بھی موقعہ ملتا تو اسے سمجھاتا اور اس کی ڈھارس بندھاتا۔ وہ پورے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طور پر اس کوشش میں مصروف تھا کہ چند ماہ پیشتر جس دوست کی اس نے ایک بڑے الزام سے جان چھڑائی اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے دے۔ پراسرار واقعات کی رو میں کہیں وہ دور بہہ نہ جائے۔ اسی کوشش میں ایک ہفتہ اور گذر گیا۔ اس نے نعمان کو ہدایت کی کہ وہ اس لڑکی کے دوبارہ ملنے سے پہلے ہی اپنے دل و دماغ کو اتنا مضبوط کر ڈالے کہ اس کا حسین سراپا اس کے ارادوں کے سامنے پھیکا پڑ جائے۔ حسن مراد اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ قاتل ادا لڑکی جس دن نعمان کے سامنے آ گئی تو اس کی تمام کوشش رائیگاں جا سکتی ہے۔ اس نے اس یقین کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے سختی سے کہا کہ اگر اب وہ لڑکی اس کے سامنے آ جائے تو اسے اپنے دل پر پتھر رکھنا ہوگا اور اسے صاف لفظوں میں دھتکارنا ہوگا تاکہ وہ اس کی جانب سے مایوس ہو جائے اور آئندہ کبھی اس سے ملاقات نہ کرے۔ یہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔ نعمان نے حسن مراد سے وعدہ کیا کہ وہ ان تمام ہدایات کا خیال رکھے گا۔

حسن مراد کو پورا یقین تھا کہ نعمان کی اپنی کوشش ہی اس نازنین کو دل برداشتہ کر سکتی ہے۔ اس عدم دلچسپی پر وہ ہمیشہ کے لئے اسے چھوڑ کر جا سکتی ہے۔ اگر ایک بار ایسا ہو گیا تو نعمان پر چھائے انجانے خطرات کے بادل چھٹ جائیں گے۔ جو حسن مراد کی دوربین نگاہیں اس کی جانب بڑھتے دیکھ رہی تھی۔ نعمان کے یقین دلانے پر اسے ایسا ہی لگا کہ وہ خود بھی اس پراسرار روح کی پراسراریت سے خوفزدہ ہو گیا ہے۔ نعمان اس سے اپنی جان چھڑانے کی فکر میں ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ وہ اپنے دل میں خود ساختہ فرقت کی گہری کسک محسوس کرتا تھا۔ اس کا دل اس کے دماغ سے مزاحم تھا۔ اس نے اپنے معمول کو بھی کافی حد تک تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ وہ پراسرار حسینہ گذشتہ کئی دن سے اس کے پاس نہیں آئی تھی۔

ایک رات وہ حسن مراد کے ساتھ سینما چلا گیا۔ رات کا آخری شو دیکھنے کے بعد حسن مراد اپنی گاڑی پر اسے بنگلے تک ڈراپ کر گیا۔ نعمان روح سے ملاقات نہ ہو سکنے پر خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ فلم بے حد دلچسپ تھی جس نے اس کے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔ وہ اپنا لباس بدل کر خوابگاہ میں داخل ہوا اور گہری سانس لیتا ہوا بستر پر دراز ہو گیا۔

بیڈ روم میں لگے گھڑیال نے رات کا ایک بجنے کا اعلان کیا۔ مطلع کچھ صاف نہیں تھا

لیکن گھٹا اتنی بھی زیادہ نہیں تھی کہ جلد ہی بارش ہونے کا کوئی امکان ہوتا۔ البتہ نم آلود ٹھنڈی ہوا کے جھونکے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ رات کے کسی پہر میں بارش ہونے کی امید ہے۔ نعمان سے بے خیالی میں خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہی رہ گیا تھا۔ وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ اُٹھ کر دروازے کو بند کرے کہ کسی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ حسین فتنہ عالم روح دروازے میں موجود دکھائی دی۔ اس کی پراسرار آمد نے خوف کی ہلکی سی لہر اس کے جسم میں دوڑا دی۔ اس کی شوخ نگاہوں میں محبت کی سرشاری تھی۔ نعمان کو اس کی سیاہ غزالی آنکھوں میں عجب سی مستی چھلکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ نعمان کی آنکھیں جونہی اس کی شوخ آنکھوں سے ٹکرائیں یکایک اس کی طبیعت میں تلاطم عشق کا ہیجان سا برپا ہو گیا۔ وہ اپنے دل میں اس پراسرار لڑکی کے لئے چاہت کے اُمڈتے سیلاب پر بند باندھنے کی کوشش میں جت گیا۔ اس نے بغیر کسی لغزش کے چند ہی لمحوں میں خود کو سنبھال لیا۔ اس کے ذہن کے کسی خانے میں سے عبدالمجید اور حسن مراد کے نصائح گونجنے لگے۔ وہ لڑکی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کمرے کے وسط میں پہنچ گئی۔ اور بلاتکلف کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ نعمان اس کی جانب تشویش بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''دیکھا! میں پھر آ گئی ہوں؟'' وہ لڑکی مسکرا کر بولی۔

''ہاں! یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔'' نعمان نے منہ بنا کر کہا۔

''آج آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ لڑکی اس کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس کے خوب صورت چہرے پر پریشانی اُمڈ آئی۔

''ہونہہ!'' نعمان اسے نظرانداز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''ٹھیک ہی ہے۔''

''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں پھر آؤں گی..... مجھے لگتا ہے آپ دوسری ہی بار میں اکتا گئے ہیں شاید!'' وہ الجھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''شاید! تم صحیح کہہ رہی ہو؟'' نعمان کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گذرنے لگے۔

''کیا میں اس کی وجہ جان سکتی ہوں؟'' وہ اس کی بے رُخی پر آبدیدہ ہو گئی۔

''وجہ..... تمہاری پراسراریت ہے۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو اور یہاں کیسے آ جاتی ہو؟ حالانکہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے صدر دروازہ بند کیا تھا۔'' نعمان کے لہجے میں ترشی عود کر آئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ متجسس نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔

"میں جو کچھ بھی ہوں...... آپ دیکھ سکتے ہیں، پرکھ سکتے ہیں۔ اپنا اطمینان کر سکتے ہیں کہ میں ایک لڑکی ہی ہوں کوئی بھوت پریت نہیں۔" وہ دبی سی آواز میں بولی مگر اس کے لہجے میں کھوکھلا پن جھلکنے لگا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے...... تم میرے لئے کسی معمے سے کم نہیں ہو۔ میں تمہیں ایک عرصہ سے اپنے تخیل میں دیکھتا رہا ہوں اور اب تم میرے سامنے بھی ہو مگر تم کون ہو...... میں ابھی تک نہیں جان پایا۔ تم خود ہی مجھے ملنے چلی آتی ہو مگر میں تمہیں ملنا چاہوں تو......!" نعمان کا لہجہ خود بخود سخت ہوتا چلا گیا۔ وہ اس کی اجنبیت پر تصویرِ غم بنی اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"اب تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟" کافی دیر تک چھائی خاموشی سے نعمان اکتا سا گیا۔ بالآخر اس نے خود ہی سکوت توڑا۔ اس لڑکی کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"یہ سب آپ اب کیوں مجھ سے دریافت کر رہے ہیں؟ حالانکہ گذشتہ ملاقات میں ہی پوچھ سکتے تھے۔ میں آپ کے اس سوال کا جواب ابھی دینا نہ چاہوں تو......!" وہ بولی۔

نعمان اس کی بات سن کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ وہ گذشتہ ملاقات میں یہ سوال نہ پوچھنے پر خود کو چغد سا محسوس کرنے لگا۔

"میں پہلی ملاقات کو محض اتفاق سمجھا۔ شاید اسی لئے اس وقت میرا خیال اس طرف نہیں گیا مگر اب میں اپنے اور تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں" نعمان نے فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"تو اس میں کیا حرج ہے؟ میں آپ کی ہی ہوں۔ مگر اس کے لئے ابھی آپ کو کچھ انتظار کرنا ہوگا...... پھر میں خود ہی آپ کی بن جاؤں گی۔" وہ لڑکی دھیرے سے بولی۔

"مگر میں اس بوڑھے کو کیا نام دوں؟ جو چوروں کی طرح میرے گھر کے آس پاس منڈلاتا پھرتا ہے یا دوسرے لفظوں میں وہ تمہاری نگرانی کرتا ہے، وہ کون ہے اور مجھ سے کیا چاہتا ہے؟" نعمان نے تیز لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر بے یقینی کی کرنیں تجسس بن کر پھیلنے لگیں۔ وہ اس اجنبی لڑکی کی باتوں سے مطمئن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ لڑکی اس کی بات سن کر

...م ہوگئی۔

"وہ جو کوئی بھی ہے میرا محسن یا ہمدرد نہیں ہے!" اس نے گول مول انداز میں بات

"ٹھیک ہے اگر تمہیں مجھ پر ذرا سا بھروسہ نہیں تو میں ان ملاقاتوں کو بالکل بے معنی اور ...ل سمجھتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم جان بوجھ کر مجھ سے حقیقت چھپا رہی ہو۔" نعمان ...دوٹوک لفظوں میں کہا۔ جس پر وہ لڑکی بے چین سی دکھائی دینے لگی۔

"میں بے حد دکھی ہوں!" وہ لڑکی یکایک ہچکیاں بھرنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے ...ی موتیوں کے جھرنے بہنے لگے۔ نعمان بظاہر اپنا دل سخت کئے بیٹھا تھا مگر اس کے اندر ...طوفان بپھرنے لگا۔ جانے کیونکر اس کا دل ابھی تک اسے روح تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ...یا۔ اس کے بہتے آنسو اس کے دل پر خنجر کے گہرے گھاؤ سے کم نہیں تھے۔ وہ اپنی بے چینی کو ...ے اپنی جگہ پر بیٹھا پہلو بدلنے لگا۔

"ذرا میری جانب دیکھئے!"...... وہ لڑکی خود ہی گویا ہوئی۔ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ...ی آنکھوں میں ایک طرف محبت کے مہکتے ہوئے پھول ہیں اور دوسری جانب زہر کے بجھے ...ے تیر۔ جو میری محبت کے دشمنوں نے آپ کی آنکھوں میں سجا ڈالے ہیں۔ میں سراپا محبت ...ا۔ میں صرف محبت کے لئے ہی پیدا ہوئی ہوں۔ شاید اسی لئے آج تک باقی ہوں مگر تف ...یری پھوٹی قسمت پر۔ میں آج تک اس جذبے سے سیراب نہ ہو سکی۔ کیا میرے خدائے ...ات نے میری تقدیر میں ناامیدی اور یاس ہی رکھی ہے؟ تاکہ میں آپ کے لئے ہمیشہ تڑپتی ...ہوں۔"

اس کی آواز میں بلا کا درد تھا۔ رُلا دینے والا سوز تھا۔ روح کو جھنجھنا دینے والی تڑپ تھی۔ ...ا کے سامنے نعمان کے سب چارے دم توڑنے لگے۔ وہ بے قرار سا ہو گیا۔ اس کی مبہم ...نا کی طرف اس کا دھیان نہ رہا۔ وہ محبت کے دھارے میں بہنے لگا۔ اور بے چین ہو کر اُٹھ ...ا ہوا۔ بے خودی میں وہ اس کی جانب بڑھنے لگا کہ شعور نے اس کے ارادے میں مدافعت ...اور اسے کسی انجان خطرے کا احساس دلایا تو وہ ٹھٹک کر رک گیا اور پھر دوبارہ اسی جگہ بیٹھ ...وہ لڑکی اپنی بے قدری پر زار و قطار رونے لگی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تو.....تم اپنے بارے میں سب کچھ بتا کیوں نہیں ڈالتی۔'' نعمان کے نہ چاہتے ہوئے بھی لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ لڑکی نے اپنے آنچل سے آنسو پونچھے اور اس کی جانب یاس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''میں جو بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں۔ آپ مجھے چھو سکتے ہیں، محسوس کر سکتے ہیں۔''

''تو کیا تم میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی؟'' نعمان نے درشتی سے پوچھا۔

''چلیں آپ ہی بتائیں کہ آپ کے خیال میں میں کیا ہوں؟'' وہ پھیکی سی ہنسی سے بولی۔

''اگر میں یہ کہوں کہ تم لڑکی کے روپ میں کوئی بھوت یا بدروح ہو تو!'' نعمان ذومعنی انداز میں بولا۔ وہ لڑکی الم کرب میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے کی رگیں شدید صدمے سے کھنچ سی گئیں۔ اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر پانی جاری ہو گیا۔ اس نے اپنی حالت چھپانے کے لئے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ نعمان اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھا مگر وہ ایک ایسی منجدھار میں کھڑا تھا جہاں اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس کے سامنے اس کی آئیڈیل رو رہی تھی۔ سسک رہی تھی۔ اس کا نازک اندام جسم صدمے سے دوچار تھا مگر نعمان کا دل ذرا سا نہیں پسیجا۔ اس کے دل میں یہ خواہش بار بار انگڑائی لیتی کہ اس کی دل جوئی کرے مگر کوئی انجان قوت اس کے قدم روکے ہوئے تھی۔ اس کی روح تک اس سوگوار کیفیت میں بے چین سی ہو گئی۔ ایک لمحہ ایسا بھی آ گیا کہ اس کے لئے ضبط سے کام لینا دوبھر ہو گیا لیکن نعمان نے ہمت سے کام لیا اور اپنے لگائے ہوئے نشتروں پر مرہم لگانے سے باز رہا..... شاید وہ اس دلدل میں گرنے سے بچنے کی جدوجہد میں مصروف تھا جس میں وقت اسے گھسیٹنے پر تلا تھا۔

''سنو!'' نعمان اپنی کانپتی ہوئی آواز پر قابو پاتا ہوا بولا۔ ''میں کسی گمنام لڑکی کی سمجھ میں نہ آنے والی محبت میں گرفتار نہیں رہ سکتا۔ میرا شعور و لاشعور جب واضح جواب دریافت کرتا ہے تو میں اس کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔ حالات پر غور کرنے سے تم مجھے کوئی گورکھ دھندا دکھائی دینے لگتی ہو۔ جس میں، میں پھنسنا نہیں چاہتا۔ ایسے میں، میں یہی کوشش کروں گا اس آگ کو بھڑکنے سے قبل ہی بجھا ڈالوں۔''

''ایسا نہ کہیں آپ!'' وہ لڑکی تڑپ کر بولی۔ ''میں کوئی گورکھ دھندا نہیں ہوں۔ میری صاف ہے۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور محبت کے شگفتہ پھولوں کو آپ پر نچھاور چاہتی ہوں۔ مگر آپ کی شک بھری نگاہیں مجھے ذلت کی زمین میں دھنسائے دے رہی ہیں خاموشی سے اس کی باتیں سننے میں محو تھا۔ اس کے دل و دماغ میں اک ہنگامہ مچا ہوا اس کی بات کو سچ جانے۔ اسی گومگو حالت میں اس کی زبان خشک ہونے لگی۔ اسے پانی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے تیزی سے ایک گلاس میں پانی انڈیلا۔ اس کے ہاتھ رہے تھے۔ پانی پینے کے بعد اسے اپنے اندر لگی ہوئی آگ کی تمازت کم محسوس ہوئی۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو، یہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ تم کبھی عرصے کی طوالت کا تی ہو اور کبھی میرے خوابوں میں نامعلوم طریقے سے گھس آتی ہو۔ میں ایسی عجیب و محبت کو دور سے ہی سلام کرتا ہوں..... میری تم سے یہ درخواست ہے کہ تم مجھے بھول اور مجھے وہ زندگی جینے دو جو میرے حق میں بہتر ہے۔'' نعمان نے اپنے دل پر جبر کیا۔

''آپ سب سمجھتے ہوئے انجان بن رہے ہیں!'' وہ لڑکی سر جھکائے بولی۔ ''حقیقت تو کہ آپ جان بوجھ کر مجھے سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ ٹھیک ہے اگر آپ مجھ سے دور بھاگنے کے مند ہیں تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گی کہ آپ مجھ سے زبردستی محبت کریں مگر آپ مجھے ے پرے دھکیل نہیں سکتے کیونکہ میں جس منزل کی متلاشی تھی اسے پا چکی ہوں اور اب ی کے سہارے جینا چاہوں گی۔ محبت ایسا سودا نہیں جسے کوئی زبردستی حاصل کر سکے۔ یہ ا آواز ہوتی ہے۔ آپ مجھ سے محبت نہیں کرنا چاہتے تو میں اس کی پرواہ کئے بنا محبت کے ر پر تنہا ہی گامزن رہوں گی۔ میں آپ کو محض دیکھ کر صبر کر لوں گی..... آپ مجھے میرے سے محروم تو نہیں کر سکتے۔ یاد رکھیں کہ میں اس دن کی طرح آپ کی جانب کسی بھی لڑکی قدمی کو نہیں سہہ پاؤں گی اور کسی بھی قیمت پر اپنی لافانی محبت کے حق کو قربان نہیں ہونے ا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے.....!!!''

نعمان کے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ وہ اب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اس کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو چلا تھا۔ وہ جس ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرنے میں مگن اس اجنبی حسینہ کے اشکوں میں بہتی دکھائی دینے لگی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ٹھیک ہے!'' اجنبی لڑکی کے اداس چہرے پر عزم جھلکنے لگا۔ ''آپ میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہیں تو میں تنہا اپنے دشمن کی مخالفت کا مقابلہ کرلوں گی..... وہ اگر پہاڑ بن کر بھی میرے سامنے آگیا تو میں اپنی محبت کی بقا کے لئے اسے پاش پاش کرنے سے گریز نہیں کروں گی۔ میں اپنی زندگی میں ایک بار پھر آج مایوسیوں کے اندھیرے اپنی جانب بڑھتے دیکھ رہی ہوں مگر میں ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے اب بھی تیار ہوں..... میں نہیں ڈروں گی۔ میں جانتی ہوں کہ ان اندھیروں میں ناکامیوں کی سیاہ گہرائیاں پوشیدہ ہیں۔ مایوسیوں کے کانٹوں بھرے جال ہر سو بچھے ہوئے ہیں۔ میرے ارمانوں کا خون بھی اس میں شامل ہے..... لیکن میرے محبوب! میں جانتی ہوں کہ یہ رات..... یہ طویل ترین فاصلوں والی رات جو شب زفاف سے شب فرقت میں بدلنے لگی ہے۔ لمبی تو ضرور ہوسکتی ہے مگر اس کے آگے کہیں نہ کہیں تو وہ سویرا موجود ہے، جسے پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ ایک دن ضرور آئے گا۔ ہاں ایک دن ضرور میری زندگی کے اندھیروں کو دھو ڈالے گا..... میں نمود صبح کی منتظر ہوں۔ میری امیدوں کی شمع ہی میری زندگی میں اجالا کئے ہے۔ اسی اجالے کی مدھم لو میں، میں اپنی محبت میں سرخرو ہوں گی..... اور پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے آپ سے جدا نہیں کر سکے گی۔ ایسی کوئی رات دوبارہ میرے ارمانوں کا گلا نہیں گھونٹ پائے گی۔ پھر ایک دن آئے گا کہ گلستانوں میں پھول مسکرائیں گے۔ مجھے ایک ایسی بہار کا انتظار ہے جس کی زندگی دائمی ہو۔''

وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور شکستہ قدموں سے دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔ اس کی چال کی متانت و وقار بوجھل لڑکھڑاہٹ میں کہیں گم ہوگیا۔ اس کا چہرہ محبوب کی بے ثباتی سے افسردہ تھا۔ وہ دروازے پر ٹھہر کر اک بار پھر مڑی اور یاس انگیز نگاہوں سے نعمان کو تکنے لگی۔ نعمان نے فوراً اپنی نگاہیں نیچی کرلیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا آخری دیدار اس کی زندگی پر کوئی بوجھ بن جائے۔

''میں اب جا تو رہی ہوں مگر ایک بار پھر آؤں گی.....!!!'' وہ بولی۔ نعمان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چند لمحوں تک اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر وہاں سے ہٹ گئی۔ اس لمحے اس کے دل پر کیا بیتا، یہ تو صرف اس کا دل ہی جانتا تھا۔

نعمان نے کچھ لمحوں کے بعد اپنی گردن اُٹھائی اور دروازے کی جانب دیکھا۔ وہ جاچکی

ں جو اس کے دل کا قرار تھی۔ اس کے لئے باعث اطمینان تھی۔ اس کی نگاہیں باہر کی طرف یں ابھی رات کی تاریکی باقی تھی۔ وہ بوجھل قدموں سے اُٹھا اور غیر ارادی طور پر چلتا ہوا ر دروازے تک چلا آیا۔ اس کی نگاہیں دور دور تک دیکھتی رہیں مگر وہ رات کی اس تاریکی ں جانے کب اور کس جانب کھو گئی۔ اس نے صدر دروازے کو بند کیا اور پھر آہستہ آہستہ اپنی یگاہ میں چلا آیا۔ رات کو وہ اپنے آپ کو کتنا تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ فلم کی تفریح سے اس کے س مسرور تھے مگر پھر کیا سے کیا ہوگیا۔

جس کا اسے انتظار تھا..... وہ آئی اور بے آسرا تنکے کی طرح بہتی چلی گئی۔ نعمان نے اپنا دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ سر میں خیالات کے پٹاخے اذیت بننے لگے۔ اس نے بے چینی عالم میں دو گولیاں حلق میں ڈالیں اور پانی غٹا غٹ پی گیا۔ اس وقت وہ الم انگیزی کی زد تھا۔ اس کا دل و دماغ گہرے دکھ کی لپیٹ میں تھا۔ جسم پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس نے لگیں۔ بوجھل طبیعت نے جسم کی توانائی کو اتھل پتھل کر ڈالا۔ غم کا بوجھ بڑھنے لگا اور سر پر ں بار محسوس ہونے لگا۔ کمرے میں گہرا سکوت چھایا تھا۔ اسے کئی بار یہ محسوس ہوا کہ وہ ابھی دروازے کے ساتھ کھڑی سسکیاں بھر رہی ہے۔ ایک مرتبہ تو وہ اس قدر بدحواس ہوا کہ نے پورے گھر میں اسے تلاش کیا مگر اپنی ناکامی پر شرمندہ ہوکر پھر خوابگاہ میں چلا آیا۔ اس دروازہ مضبوطی سے بند کیا اور کان لگا کر پھر سننے کی کوشش کی کہ کہیں اس کے رونے کی آواز یں آرہی۔

نعمان بستر پر لیٹ گیا مگر چین و سکون پہ اداسی و ویرانی کا تسلط چھا چکا تھا۔ اب وہ یوں وس کرنے لگا کہ جیسے ساری زیادتی اسی کی ہوگویا اس نے کسی معصوم پر ظلم کیا ہو۔ کسی بے گناہ آہ لے لی ہو۔ اس نے اپنے گھر آئی ہوئی محبت کو دھتکار کر سنگسار کر ڈالا ہو۔ کسی شفیق مہمان جذبات کا قتل کر ڈالا ہو۔ اس احساس کی زیادتی شاید اس سے برداشت نہ ہوسکی تو وہ گھبرا کر کھڑا ہوا اور باتھ روم کی جانب چل پڑا۔ باتھ روم میں شاور چلا کر اس کے نیچے بیٹھ گیا۔ ے پانی کی پھوار جب اس پر گرنے لگی تو دماغ پر چھائی ہوئی گرمی میں قدرے اعتدال ہوا۔ اس کے کپڑے پانی سے تر بہ تر ہو رہے تھے۔ اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ چلی ا جس کا وہ منتظر تھا۔ اب شاید وہ کبھی نہ آئے..... نہیں آتی ہے تو نہ آئے۔ اچانک اس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دماغ نے دل کی مخالفت میں فقرہ اچھالا۔ وہ کافی دیر تک شاور کے نیچے بیٹھا رہا۔ جب ا
قدرے سردی کا احساس ہوا تو اس نے وہاں سے اُٹھ کر کپڑے بدلے اور ایک بار پھر بستر
لیٹ گیا۔ وہ اب چاہتا تھا کہ کسی طرح سو جائے تا کہ اس کے ذہن پر چھایا غبار کسی طرح
ہو سکے۔ وہ چند لمحے تک کوشش میں مصروف رہا مگر تازہ تازہ غم کے گھنگھور سایوں کی سیاہی
اسے ایک بار پھر بے تاب کر دیا۔ اس نے اُٹھ کر الماری کی دراز میں سے نیند آور گولیاں نکالیں
اور دو تین ایک ہی بار میں پھانک لیں۔ وہ ایک بار پھر بستر پر آگرا۔ پھر جانے کب وہ اپنے د
و دماغ کی اس جاری جنگ سے غافل ہو کر نیند کی وادیوں میں کھوتا چلا گیا۔

اگلے روز جب نعمان بیدار ہوا تو دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ اس نے بے قراری کے عا
میں ایک بار پھر اس اجنبی لڑکی کی تلاش میں اپنا گھر کھنگال ڈالا۔ وہ اسے نہیں مل سکی۔ وہ رات
اس کا گھر چھوڑ کر اپنے اندھیروں میں واپس جا چکی تھی۔ اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ وہ واپ
نہیں آئی۔ حسن اتفاق یہ ہوا کہ ان دنوں حسن مراد بھی اپنی مصروفیت کے باعث نعمان سے
مل سکا۔ اور نہ ہی نعمان نے اس سے ملنے کی زحمت گوارا کی۔ وہ اپنی ہی لگائی ہوئی آگ م
جھلس رہا تھا۔ ایک طرف تو اس پراسرار لڑکی کی محبت کا جذبہ شدت سے موجزن تھا اور دوسر
جانب ان دیکھے خطرات۔ جن کے بارے میں حسن مراد اسے بار بار آگاہ کرتا رہا تھا۔ اس
دل و دماغ پر خوف بھی طاری تھا اور محبت کے سمندر کی اٹھلاتی لہریں بھی۔ وہ جیل کے تنگ
تاریک لمحوں کو ابھی تک فراموش نہیں کر سکا تھا۔ پولیس کا تشدد جب بھی اسے یاد آتا تو ر
تک دہل جاتی۔ شاید یہی خوف تھا جو اس کی محبت پر غالب آ گیا۔ وہ ایک بار پھر خود کو خطرا
کے بھنور میں دھکیل کر محبت کا سودا کرنے پر رضامند نہیں ہو پایا۔ ذہنی کشمکش نے اس کی جسما
حالت پر بے حد برا اثر ڈالا۔ اس کی صحت گرنے لگی۔ وہ برسوں کا بیمار دکھائی دینے لگا۔

ایک شام بیٹھے بیٹھے اس کے دل میں خواہش مچلی کہ اسے حسن مراد سے ملنا چاہئے
شاید وہ اسے اس کی دگرگوں حالت کے سنبھلنے کا کوئی حل بتا سکے۔ وہ شام کے وقت حسن مرا
کے دفتر کی جانب جا نکلا۔ حسن مراد نے جب اس کا اجڑا چہرہ دیکھا تو پریشانی سے اس
ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید اس قاتل ادا کی زلفوں کا اسیر ہونے پر اسے کوئی نہ

ہے۔ اس نے دفتری کاموں کو سمیٹ کر اسے بٹھایا اور اپنی ہر ملاقات کو نعمان کے لئے
رخ کر دیا۔

”نعمان! خیریت تو ہے۔ یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟“

”مرزا صاحب! خیریت ہی تو ہے جو یہ حال ہوا“ نعمان لفظ چبا کر بولا۔

”کھل کر بتاؤ...... غیریت سے کام مت لو“ حسن مراد نے زور دیتے ہوئے کہا۔

”غیریت کیسی! کیا میں خود چل کر تمہارے پاس نہیں آیا“ نعمان نے منہ بنایا۔

حسن مراد نے میز میں لگی ہوئی گھنٹی بجائی تو ایک ملازم اندر چلا آیا۔

”میرے خاص دوست آئے ہیں ان کے لئے کوئی ٹھنڈا سا مشروب لے کر آؤ“ حسن
نے اسے حکم دیا۔ جس پر نعمان منہ بنا کر رہ گیا۔

”اس تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی؟“

”ہم دونوں میں بھلا تکلف کیسا؟ میرا اپنا دل چاہ رہا تھا کہ کچھ پیا جائے“ حسن مراد
۔

پھر کچھ ہی لمحوں میں ملازم ٹھنڈے مشروب کی بوتلیں ان کے سامنے رکھ گیا جسے وہ
ل اُٹھا کر شغل میں محو ہو گئے۔ نعمان کا بجھا بجھا انداز حسن مراد کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ
۔

”میرا خیال ہے کہ ہم دونوں میں اجنبیت پیدا ہونے لگی ہے۔ تم نے ابھی تک کچھ نہیں
۔“ حسن مراد نے لگاوٹ میں مصنوعی غصے کا مظاہرہ کیا تو نعمان کسی رٹائے طوطے کی طرح
، کچھ بتاتا چلا گیا۔ حسن مراد اس کی طرف ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ نعمان بتاتے
ے رنجیدہ سا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی نمی حسن مراد سے چھپی نہیں رہ سکی۔

”بہت خوب!“ حسن مراد نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ ”میں تمہاری ہمت و حوصلے کی
بتا ہوں۔ تم نے اس رُوح کو اپنے گرد سے جھٹک کر بہت بڑا کام کیا ہے۔ فکر نہ کرو اور اپنی
ت کو سنبھالو۔ وقت کے ساتھ ساتھ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟“ نعمان بے دلی سے مسکرایا۔

”تم ایک ایسے خطرے سے بچ گئے ہو جو تمہیں شاید موت کے منہ میں لے جاتا۔ تم نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جانتے کہ اس رُوح کے چرچے کہاں تک پھیل گئے ہیں؟'' حسن مراد نے مسکرا کر کہا۔

''کیا مطلب؟'' نعمان چونک کر بولا۔

''اس دن میں جب عبدالمجید کے مطب سے لوٹا تھا۔ تو مجھے بھی اُن کا فیصلہ بے قرار کیے ہوئے تھا کہ تم اس رُوح سے بالکل علیحدگی اختیار کرلو۔ لیکن کل ہی رات کے واقعے نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ میاں جی بالکل صحیح فرما رہے تھے۔ انہوں نے اس رُوح کے بارے میں جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ وہ قطعی درست تھا۔'' حسن مراد کوئی نیا انکشاف کرنے والا تھا۔

''مگر کل رات کیا ہوا؟'' نعمان الجھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اخبار پر نگاہ ڈالنا بند کردی ہے۔'' حسن مراد اسے گھورتا ہو بولا۔ اس کے بعد اس نے میز پر پڑی فائلوں کے بیچ میں سے اخبار نکال کر اس کے سامنے پھیلا دیا۔

''بس موقعہ نہیں ملا.....'' نعمان نظریں چراتے ہوئے بولا۔ اس کی نگاہ اخبار پر پھیل گئی۔

''کل رات کے واقعے سے تو شہر بھر میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے اور تم اتنے غافل ہو کہ اپنے قرب وجوار کی بھی کچھ خبر نہیں۔ اخبار میں جو چھپا ہے وہ تو ایک طرف رہا۔ اتفاق سے میں بھی کل رات اسی جگہ موجود تھا جب یہ حادثہ رونما ہوا۔ وہاں جو کچھ ہوا۔ وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا یوں کہہ لو کہ میں اس واقعے کا چشم دید گواہ ہوں۔''

''مگر یہاں تو ایسا کچھ نہیں!'' نعمان نے اخبار اس کی جانب بڑھا دیا۔

''کیا مطلب؟'' حسن مراد حیرت سے اخبار لیتے ہوئے بولا۔ جب اس کی نگاہ اخبار پر پڑی تو وہ ہنس دیا۔ ''میں تو عجلت میں غلطی کر ہی گیا مگر تمہیں اتنا بھی احساس نہیں ہوا کہ یہ کل کا اخبار ہے۔'' نعمان اس کی بات سن کر کھسیانا سا ہوگیا۔ پھر دوسرے لمحے حسن مراد نے تازہ اخبار ڈھونڈ کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ نعمان کی نگاہیں جلی سرخیوں پر پڑیں تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

''ریستوران میں برتن پراسرار انداز میں پرواز کرنے لگے۔''

''ایک بوڑھا مصری شہری حملے کی زد میں آکر بری طرح زخمی ہوگیا۔''

''پراسرار لڑکی کی سحر کاریوں کا ہوشربا کمال۔''

''پراسرار اندھیروں میں فرار ہو جانے والی حسین وجمیل دوشیزہ کی تلاش جاری۔''

''مالکان ریستوران کا اس انوکھی واردات پر حیرت ولاعلمی کا اظہار۔''

''نامہ بر کے قلم سے..... رات تقریباً ساڑھے نو بجے اے ایف سی ریستوران میں جب رونق پورے شباب پر تھی اور ہال رنگا رنگ قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ ایک سفید لباس میں ملبوس بے حد خوبصورت نوجوان لڑکی جس کی عمر شاید بیس بائیس برس بتائی جاتی ہے، وہاں آدھمکی۔ اس کا چہرہ بے حد دلکش و دلفریب تھا۔ وہاں موجود لوگوں نے بتایا کہ ریستوران میں موجود کئی نوجوان اس کے قرب کے دیوانے دکھائی دیئے مگر وہ ان سب سے بے گانہ ہو کر ہال کے جنوبی کونے میں بیٹھ گئی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی کا انتظار کر رہی تھی مگر ابھی تک یہ تصدیق نہیں ہوسکی ہے کہ وہ کس کا انتظار کر رہی تھی؟ اس نے اس دوران چائے طلب کی جو کہ اس کے سامنے پڑی رہی۔ اس لڑکی کے تیکھے نقوش کے قصیدے کئی لوگوں نے سنائے ہیں جنہیں یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ تمام لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ شروع سے آخر تک اسی لڑکی کے غیر معمولی حسن میں محو رہے۔ اس کی ایک ایک حرکت ان کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکی۔ وہ تمام وقت دونوں ہاتھ اپنی ٹھوڑی پر باندھے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ کسی بھی شخص کو اس کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ کچھ ہی دیر میں ایک عجیب الشکل شخص ریستوران میں داخل ہوا اس نے سفید کوٹ پینٹ پہن رکھا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ایک موٹا سا عصا موجود تھا۔ آج کے اس دور میں سوٹ کے ساتھ پرانے زمانے کا عصا لوگوں کے لئے حیرت کا سبب بنا۔ وہ شخص پہلے پہل اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ سیدھا اسی نامعلوم لڑکی کی جانب بڑھا۔ اس کے قریب جا کر اس نے کچھ کہا جس پر وہ لڑکی اپنے خیالوں سے باہر نکل آئی۔ وہ اس کے برابر میں موجود کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ سب لوگ اس عجیب وغریب جوڑے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی عمروں میں زمین وآسمان کا فرق دکھائی دیتا تھا۔ لڑکی کی میز پر تین کرسیاں اور بھی موجود تھیں جو خالی تھیں۔ بوڑھا شخص جس کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ بدنصیب مصری باشندہ ہے۔ وہاں بیٹھ تو گیا مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے لڑکی نے جب اسے صحیح طرح سے دیکھا تو وہ غصے سے اچھل پڑی۔ خیال ہے شاید وہ تنہا بیٹھنا چاہتی تھی مگر جب اس نے کسی کو اپنے ساتھ یوں بے تکلف ہوتے دیکھا تو اسے غصہ آ گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے چہرے پر خوف طاری ہوا کہ جیسے وہ بوڑھا گویا کوئی بھوت وغیرہ ہو۔ اس لڑکی نے اسے نہایت شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا اور تیزی سے میز سے دور ہٹتی چلی گئی۔

وہ مصری بوڑھا اطمینان سے کرسی پر بیٹھا رہا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے کیونکہ چشم دید گواہوں نے بتایا ہے کہ لڑکی نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ تم میری زندگی میں زہر نہیں گھول سکتے۔ میں تمہیں ہر قیمت پر ختم کر دوں گی۔ بوڑھا اس کی بات سن کر سنجیدہ بیٹھا رہا اس کے چہرے پر خوف وملال کچھ نہیں تھا۔ لڑکی کا سینہ غصے کے عالم میں دھونکنی کی طرح پھولنے پچکنے لگا۔ وہ یوں ہانپ رہی تھی گویا کوئی لمبی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اچانک اس کے چہرے پر غیض وغضب کے آثار نمودار ہوئے۔ اس حیرت انگیز ہنگامے کے باعث تمام لوگوں کی نگاہیں ان دونوں کی جانب مرتکز تھیں۔ لڑکی جو کہ شعلہ جوالا بنی دکھائی دے رہی تھی اس کے دونوں ہونٹ فرط اشتعال سے کانپنے لگے۔ چہرے کی رنگت بھی سرخ ہوگئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ کو جھلایا تو میز پر پڑا ہوا میز پوش برتنوں سمیت اس بوڑھے پر جا گرا جس سے وہ بوکھلا گیا۔ اس انہونے فعل پر ہال میں موجود لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کے ہاتھ کے اشاروں سے ریستوران کی تمام اشیاء متحرک ہوگئیں۔ لڑکی کی اس مجنونانہ حرکت سے تمام ہال کے لوگ بچنے کی کوشش کرنے لگے۔ کئی خوفزدہ ہو کر باہر کی جانب دوڑے۔ وہ لڑکی انسان نہیں معلوم ہوتی تھی کیونکہ جو کچھ اس نے کیا وہ انسانوں کے بس کا روگ نہیں ہے اور یہی بات لوگوں میں ہراس کا باعث بنی۔ ہر طرف اس ناخوشگوار حرکت سے سراسیمگی سی پھیل گئی۔ لڑکی کے ہاتھ کے اشارے سے کئی برتن اور اشیاء اس مصری بوڑھے کے جسم پر گرنے لگیں۔ اس کا اچھا خاصا لباس تو خراب ہوا سو ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ اور گردن بھی زخمی ہوگئی۔ اسی دوران ریستوران کا منیجر بھی وہاں آ گیا۔ اس نے بھی یہ کمال انگیز کارنامے دیکھے جس پر وہ محو حیرت رہ گیا۔

بوتلیں اور برتن ہوا میں خود بخود اڑتے اور اس بوڑھے کے جسم پر جا پڑتے۔ تمام ریستوران اس وقت ہنگامے کی زد میں تھا کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی۔ کہ وہ آگے بڑھ کر اس لڑکی کو پکڑ لیتا یا اسے مزید تباہی کرنے پر روکتا۔ وہاں موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکی کے حملے کی زد میں صرف وہی بوڑھا مصری تھا۔ ریستوران کے تمام برتن اور ٹھوس اشیاء اسی کو نشانہ بناتی رہیں۔ تمام چیزیں اُڑ اُڑ کر اس پر جا برستیں۔ بوڑھا لہولہان ہوگیا۔ لوگوں نے اس کیفیت کو جناتی قرار دیا۔ کئی کمزور دل لوگ اس بھگدڑ میں معمولی زخمی بھی ہوئے۔ ان کے بارے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کے زخمی ہونے میں ان کی اپنی ہی غلطی رہی ہوگی۔ جب بوڑھا زمین پر گر کر بے ہوش ہوگیا تو اس لڑکی کا جوش کچھ ٹھنڈا ہوا۔ کئی لوگ اس بوڑھے کی جانب لپکے کہ اسے ہوش میں لاسکیں کہ اسی لمحے ڈرامائی طور پر بجلی آف ہوگئی اور تمام ہال میں تاریکی پھیل گئی۔ اس تاریکی کے پھیلتے ہی لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ماحول پراسرار طور پر خوفناک ہوگیا۔ تین منٹ کے توقف کے بعد جب بجلی بحال ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ بوڑھا مصری زمین پر بے ہوش پڑا ہے مگر وہ پراسرار لڑکی وہاں سے حیرت انگیز طور پر غائب ہو چکی ہے۔ ریستوران کا ہال نصف سے زیادہ خالی ہو چکا تھا۔ کئی لوگ باہر سڑک پر کھڑے ہراساں نگاہوں سے اندر دیکھ رہے تھے۔ بوڑھے مصری کے زخم نہایت ہی گہرے بتائے جاتے ہیں۔ اس کے سر سے مسلسل خون بہہ رہا تھا جب اسے وہاں سے لے جایا گیا۔ منیجر نے اسے ہسپتال پہنچایا۔ آخری خبریں آنے تک اس کی حالت تشویش ناک تھی۔ پولیس مقدمہ درج کر چکی ہے اور اس پراسرار لڑکی کے حلیے کی مدد سے اس کی تلاش جاری ہے لیکن تادم تحریر اس کی گرفتاری عمل میں نہیں آسکی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ہنگامہ کے آغاز کے وقت ہال سے باہر نکل آئے تھے اور پھر باہر دروازے پر ہی موجود رہے۔ انہوں نے کسی لڑکی کو وہاں سے فرار ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔"

نعمان مکمل خبر پڑھ کر حیرت سے حسن مراد کو دیکھنے لگا۔ اس کے دل پر چھایا ہوا غبار و مایوسی کب کافور ہوگئی، اسے احساس ہی نہیں ہوسکا۔ حسن مراد اس کے چہرے پر معمولی سی رونق دیکھ کر قدرے مطمئن ہوگیا۔ اس نے شام کا اخبار بھی اس کی جانب بڑھا دیا۔ جہاں اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پراسرار لڑکی کے متعلق کئی تازہ خبریں موجود تھیں۔ نعمان ایک بار پھر اخبار میں کھو گیا۔

''اے ایف سی ریستوران میں کل رات کے ہنگامے نے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔ اس پراسرار لڑکی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون تھی اور اس نے خصوصاً مصری باشندے کو ہی اپنا نشانہ کیوں بنایا۔ تمام ہوائی اڈوں پر بھی سختی سے چیکنگ کی گئی۔ لگتا ہے کہ وہ لڑکی بھی مصری ہی ہوگی۔ مصری باشندے کی حالت اب خطرے سے باہر ہے مگر اس نے بھی اس لڑکی سے شناسائی سے صاف انکار کر دیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہ خود ابھی تک حیران ہے کہ وہ کون تھی اور اس کا مجھ پر حملہ کرنے کا سبب کیا تھا؟ پولیس کا خیال ہے کہ وہ بوڑھا جان بوجھ کر حقیقت کو چھپا رہا ہے۔ اگر وہ غیر ملکی نہ ہوتا تو پولیس اپنے مخصوص طریقے سے اس سے سب کچھ اگلوا چکی ہوتی۔ وہ بوڑھا مصری کب سے اس ملک میں رہ رہا ہے۔ اس بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بوڑھا مصری غیر قانونی طریقے سے پاکستان میں داخل ہوا ہے کیونکہ اس کے پاس پاسپورٹ وغیرہ نہیں ہے۔ اس پراسرار لڑکی کا وجود شہر بھر میں موضوع بحث رہا۔ کئی لوگوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ وہ لڑکی کبھی گرفتار نہیں ہو سکے گی کیونکہ وہ کسی بھی طرح سے انسان نہیں لگتی۔ اس کا حد سے بڑھا اور حسن و رعنائی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کسی اور دنیا کی باسی ہے۔''

''مگر یہ سب کرنے کی اسے کیا ضرورت تھی؟'' نعمان استفہامیہ انداز میں حسن مراد کو دیکھتے ہوئے بولا۔ حسن مراد اس کی بات پر مسکرا کر رہ گیا۔

''شاید یہ قدم اس نے تمہاری جانب سے بے رُخی پر اٹھایا ہے۔'' حسن مراد چہک کر بولا جس پر نعمان منہ بنا کر رہ گیا۔ حسن مراد اس کی شکل دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''ٹھہرو! میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔'' حسن مراد نے کچھ دیر بعد سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''میں کل شام اپنے ایک مؤکل سے ملنے جا رہا تھا کہ میں نے سڑک کے ساتھ ساتھ اس قتالہ کو چلتے دیکھا تو میرے ہاتھ اسٹیئرنگ پر ڈگمگا گئے۔ میں نے جلدی سے بریک لگائی اور گاڑی ایک جانب پارک کر دی۔ اس کے بعد میں باہر نکلا اور دائیں بائیں جائزہ لینے لگا۔ وہ

ایک جانب اپنی ہی دھن میں جا رہی تھی۔ اچانک میری نگاہ بوڑھے طارنوش منوف پر پڑی تو میں حیران رہ گیا وہ کچھ فاصلے پر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس نے خلاف معمول سفید رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ میں بھی تھوڑے سے فاصلے کے ساتھ ان کے تعاقب میں شریک ہو گیا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ دو مجسم خطرے بارونق سڑک پر آزادانہ گھوم رہے ہیں..... یہ کوئی نیک شگون نہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی ریستوران میں جا گھسی اور وہ بوڑھا مصری باہر ایک بک اسٹال پر جم گیا۔ میں جب اس کے پاس سے گذر کر ریستوران میں جانے لگا تو اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔

میں نے غصے سے اس کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

''کیا بات ہے تم نے مجھے کیوں روکا ہے؟'' میں نے غصے سے پوچھا۔

''تم سب جانتے ہو انجان بننے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہیں کافی دیر سے تعاقب کرتے دیکھ رہا ہوں۔'' وہ خباثت سے مسکرایا۔

''تم اب کیا چاہتے ہو؟'' میں نے بے زاری سے پوچھا۔

''صرف یہ سیاہ کوٹ.....!!!'' اس نے اپنی بات کہہ ڈالی۔

''تاکہ تم اسے پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ۔'' میں حقارت سے بولا۔

''تم صحیح سمجھے ہو! یہ محض اتفاق ہے کہ آج میں نے سیاہ کپڑا نہیں پہنا ورنہ مجھے اتنی دیر تک اس کے تعاقب میں نہ رہنا پڑتا اور میں کب کا اسے اپنے ساتھ لے کر واپس چلا گیا ہوتا۔'' اس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''مگر تمہارے ہاتھ میں یہ سیاہ عصا تو ہے.....؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''یہ کام نہیں دے سکتا..... مجھے صرف سیاہ کپڑا درکار ہے۔'' اس نے دوٹوک کہا۔

''بازار میں ہو..... کسی دکان سے خرید لو کیا یہ کوئی مشکل ہے؟'' میں نے مشورہ دیا۔

''یہاں نزدیک کوئی ایسی دکان نہیں دکھائی دے رہی۔ اگر میں کپڑے کے چکر میں پڑا تو شاید اسے کھو دوں۔'' اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔

''کان کھول کر سن لو..... اس معاملے میں مَیں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' میں نے صاف انکار کیا تو وہ پریشان سا ہو گیا۔ میں نے اسے اسی حالت میں چھوڑ کر ریستوران کی راہ لی۔ مجھے وہ دور ہی سے دکھائی دے گئی۔ میں نے اس سے کچھ فاصلے پر ایک میز منتخب کی جہاں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے اسے میں صاف دیکھ سکتا تھا۔ میں اس وقت یہ کھوج لگانے کے چکر میں تھا کہ وہ لڑکی کیا واقعی روح ہی ہے اگر ایسا ہے تو وہ کچھ کھا پی نہیں سکے گی۔ ریستوران میں بیٹھے تمام لوگ اسی کی جانب مائل تھے۔ کچھ لوگ دھیمے لہجے میں اس کے ہوشربا حسن کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔ میں ان کی معصومیت اور لاعلمی پر دل میں محض مسکرا کر رہ گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں ایک بیرا اس کی میز پر برتن سجا گیا۔ شاید چائے تھی کیونکہ میں واضح طور پر دیکھ نہیں سکا۔ وہ اس طرح بیٹھی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ یا وہ ایسا کرنے کی اداکاری کر رہی تھی۔ اس بارے میں مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ گہرے استغراق میں ڈوبی تھی۔ ہر چند کہ لوگوں کی نگاہیں والہانہ طور پر اس کی جانب اُٹھتی تھیں مگر کسی میں اتنی ہمت نہ پیدا ہو سکی کہ وہ اس میز پر جا دھمکتا۔ میں نے ایک بار سوچا کہ خود ہی اس کی میز پر چلا جاؤں مگر کسی نادیدہ طاقت نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ مصری بوڑھا طارنوش منوف ہال میں داخل ہوا۔ اس کی متلاشی نگاہیں اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ جب اس نے اسے ایک جانب بیٹھے دیکھا تو اس کے چہرے پر گہرا اطمینان پھیل گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ مصری آج اسے قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تو یقیناً یہ اس کا بڑا کارنامہ ہوگا۔ اتنے سارے لوگوں کے درمیان میں سے کسی لڑکی کو اغوا کرنا ممکن نہیں دکھائی دیتا تھا۔ جب میں نے اسے لڑکی کی جانب بڑھتے دیکھا تو میرا ماتھا ٹھنکا کہ کچھ ہونے والا ہے میرے دل کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی۔ میرا اندازہ کچھ ہی دیر میں پورا ہونے والا تھا۔ وہ مصری اس کے برابر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس نے لڑکی سے کچھ کہا جس پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ طارنوش نے اپنا سیاہ عصا اس کی جانب بڑھایا تو وہ خوفزدہ ہو کر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کے سائے لرزتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس کے بعد سب کچھ اسی طرح ہوا جیسا کہ اخبار میں تم نے پڑھا۔ میں آخری لمحے تک ہال میں ہی رہا۔ جب بجلی بند ہوئی تو میں تیزی سے دیوار کے ساتھ جا لگا۔ کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں کسی کی بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر زخمی نہ ہو جاؤں۔ پھر جب روشنی پھیلی تو میں نے دیکھا کہ بوڑھا مصری شدید زخمی تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اس کی جانب قدم نہیں بڑھائے ورنہ سوالات کی زد میں مَیں بھی آج شامل ہوتا۔ بہرکیف اس ریستوران کا تو کباڑہ ہو گیا ہے۔ انہیں اپنا ریستوران دوبارہ کھولنے کے لئے کم از کم ایک ہفتہ تو ضرور لگے گا۔ اچھا خاصا نقصان ہوا ہے۔ اگر وہ مصری شدید زخمی نہ ہوتا تو شاید منیجر کا عتاب اس پر ضرور ٹوٹتا۔ اس

کی بے ہوشی نے اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے لہٰذا وہ فوراً اسے لے کر ہسپتال کی جانب دوڑا۔ پولیس کے پہنچنے پر میں رسمی کارروائی کے آغاز سے قبل ہی وہاں سے کھسک لیا۔ باہر نکلا تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ اس بھیڑ کو چیر کر باہر نکلنا سخت دشوار کام ثابت ہوا۔"

حسن مراد کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے پانی کا گلاس اپنے اندر انڈیلا۔

"تو کیا تمہیں بھی وہ لڑکی باہر نکلتی ہوئی نہیں دکھائی دی؟" نعمان کی آنکھوں میں گہرا اشتیاق دکھائی دے رہا تھا اس کے سوال پر حسن مراد نے منہ بنایا۔

"عجیب چغد ہو! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ روح ہے اور پھر پوچھتے ہو کہ وہ باہر کیسے نکلی ہوگی؟" حسن مراد ناگوار لہجے میں بولا جس پر نعمان کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

"شاید وہ میرے حواس پر چھا گئی ہے۔" نعمان نے کہا۔

"بالکل وہ تمہارے حواس پر چھائی ہوئی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم کسی نیک سیرت لڑکی سے شادی کر لو..... فوراً وقت ضائع کئے بناء۔" حسن مراد نے تیز لہجے میں کہا۔

"اس بارے میں سوچوں گا!" نعمان نے مختصراً جواب دیا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے کل رات وہ لڑکی جان بوجھ کر اس کے سامنے آئی تھی اس نے تاڑ لیا تھا کہ وہ سیاہ کپڑے سے محروم ہے اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا لہٰذا اس نے بھرپور وار کیا اس کی یقیناً یہی کوشش ہوگی کہ وہ خبیث ہلاک ہو جائے مگر وہ اس کے خیال سے کہیں سخت جان نکلا۔" حسن مراد نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"چلو تم ہی اپنا سیاہ کوٹ اسے دے دیتے شاید اس کا کام بن جاتا۔" نعمان مسکرا کر بولا۔

"نہیں میں اسے اپنی کوئی چیز دینے پر تیار نہیں۔" حسن مراد کے چہرے پر سختی عود کر آئی۔

"ایک طرف تم چاہتے ہو کہ وہ روح ہمارا پیچھا چھوڑ دے اور دوسری طرف جو اسے یہاں سے لے جا سکتا ہے اس کی معاونت کرنے پر بھی رضامند نہیں..... یہ کیا تضاد ہے؟" نعمان بولا۔

"مجھے تو اس روح سے کوئی خطرہ نہیں! خطرہ تمہاری ذات کو ہے ورنہ میں اس معاملے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں ذرا سی بھی دلچسپی نہ لیتا۔ تم اپنی خیر مناؤ کہ تم اس کے چنگل میں نہیں پھنسے۔'' حسن مراد ہنسا۔

''اب کہاں ہوگی وہ روح؟'' نعمان نے بے خیالی میں سوال کیا۔

''جہنم میں!'' حسن مراد نے چلا کر کہا۔ ''وہ اگر روح بھی ہے تو اس کے کارنامے اچھے نہیں ہیں۔ ہم ایسی روحوں کو بدروح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔''

''تم تو غصہ کھا گئے، میں نے تو یونہی پوچھا تھا۔'' نعمان نے تیزی سے سنبھل کر کہا۔

''کوئی بھی ہوش مند انسان کسی بھی روح کو کسی بارونق مقام پر ایسی حرکت کرتے دیکھ کر خوش نہیں ہوگا بلکہ وہ اسے دھتکارے گا۔'' حسن مراد بولا۔

''چلو اچھا ہی ہوا کہ میں نے اسے دوٹوک جواب دے دیا ورنہ وہ تو روز میرے پاس آنے پر تلی ہوئی تھی۔'' نعمان لاشعوری طور پر بولا۔

''تم بچ گئے ہو! اللہ کا شکر ادا کرو..... ورنہ وہ روح اگر ایسے ہی دو چار ہنگامے اور کرتی تو پھر میں تم سے پوچھتا کہ میاں اب کیا حال ہیں؟ اس کا قرب خطرات سے پُر ہے۔ یہ نہ ہو کہ کسی دن تم بھی کسی انجانے خطرے کا شکار ہو جاتے۔'' حسن مراد نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''تم یہ بتاؤ کہ کل رات میری جانب کیوں نہیں آئے؟ حالانکہ میرا گھر زیادہ دور تو نہیں تھا۔'' نعمان نے بات کا رُخ بدل دیا۔

''آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں نے جو نظارہ وہاں دیکھا اس نے مجھے اپنا ضروری کام تک بھلا دیا۔ میں نے سیدھی گھر کی راہ لی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بوڑھا مصری ہوش میں آ کر میرا ہی نام نہ لے دے۔'' حسن مراد نے سبب بیان کیا۔ جس پر نعمان نے زوردار قہقہہ لگایا اور حسن مراد اسے استعجابیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''کہنے کو تو نامی گرامی وکیل ہو مگر اتنی سی بات پر تمہارا یوں گھبرا جانا یقیناً مضحکہ خیز ہے۔'' نعمان نے فقرہ کسا جس پر وہ محض مسکرا کر رہ گیا۔

''بائی ڈیئر!'' حسن مراد میز پر بکھری ایک فائل کو سمیٹتا ہوا بولا۔ ''ہر وہ شخص جو قانون جانتا ہے اور اس کا احترام اپنے دل میں رکھتا ہے وہ عموماً دوسروں کی نگاہوں میں بزدل ہی خیال کیا جاتا ہے لیکن یاد رکھو کہ آج کے دور میں جھک جانے والا فائدے میں رہتا ہے جو کوئی

اکڑ کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی شہ زوری کی نمائش پر تل جاتا ہے وہی اپنے لئے خطرات اور مصیبت کو خود ہی دعوت دیتا ہے۔ یہ بڑے پتے کی بات ہے اسے اپنی گرہ میں باندھ رکھو۔''

نعمان نے اس کی بات پر بھنویں پھیلائیں اور شرارتی مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگا۔

''مرزا! تمہاری بات تو واقعی سچ ہے کیونکہ میں خود بھی ایسی ہی صورت حال سے گذر چکا ہوں واقعی آج کے پرآشوب دور میں اپنی عزت سنبھال رکھنا ہی عقلمندی ہے۔ خطرات سے کھیلنا اور ہنگامی فضا میں خود کو آگے آگے پیش کرنا حماقت کے سوا اور کچھ نہیں لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ ایک تو اتنے دن سے تم میرے پاس آئے نہیں اور پھر جب اے فیس سی تک آ ہی گئے تھے تو پھر میرا گھر کتنا دور تھا۔''

نعمان نے ایک بار پھر شکوہ کیا۔ جسے حسن مراد نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا۔ حسن مراد نے سگریٹ کا پیکٹ اس کی جانب بڑھایا تو اس نے ایک سگریٹ نکال لیا پھر دونوں کے سگریٹ دفتر کی خوشگوار فضا کو آلودہ کرنے لگے۔ کمرے میں کئی لمحے خاموشی کا دور دورہ رہا۔ نعمان اپنی جان کے بچ جانے پر غور کر رہا تھا۔ اسے اب اس روح سے جان چھڑانے پر انجانی سی خوشی محسوس ہوئی جبکہ حسن مراد اس خیال کے ساتھ کسی اور سوچ میں بھی گم تھا۔

''مجھے تعجب اس بات پر ہو رہا ہے کہ طارنوش منوف کو سب باتوں کا بخوبی علم ہے پھر بھی اس نے جھوٹ کا سہارا کیونکر لیا..... اسے اس روح کی حقیقت کا علم ہے بلکہ وہ اسے اپنی پرانی مصری تصویر بتاتا ہے جو کہ اس آبنوسی بوسیدہ سے فریم سے فرار ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں اس نے روح کے ہاتھوں ذلت بھی اُٹھائی اور خود بھی موت کے دہانے تک پہنچ گیا پھر بھی اس کا خاموش رہنا میری عقل سے باہر ہے۔'' حسن مراد نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا اضطراب پوشیدہ تھا۔

''اس میں یقیناً کوئی مصلحت ہے اگر وہ چاہتا تو اس لڑکی کی حقیقت انہیں بتا دیتا کیونکہ اس نے جو کچھ کیا تھا وہ سب مافوق الفطرت ہی تھا۔ لوگ اس کے بیان پر مطمئن ہو جاتے بلکہ انہیں حقیقت کا علم ہو جاتا..... یا پھر وہ اس لڑکی کے خلاف بیان دے دیتا لیکن اس کے متعلق بالکل لاعلمی ظاہر کرنا اس خطرناک روح کو محفوظ کرنے کے مترادف ہے۔'' نعمان نے جواب دیا۔

''خیر اسرار کے یہ پتے تو وقت کے ساتھ ہی کھل سکیں گے کہ درحقیقت کیا چکر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے؟'' حسن مراد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''میں تو یہ تک نہیں جانتا کہ اس روح کا نام کیا ہے؟'' نعمان ہنستا ہوا بولا جس پر حسن مراد کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ نعمان بہانے سے اس کا نام پوچھنا چاہتا ہے۔

''تم اس خطرناک روح کا خیال اپنے دل سے قطعی نکال دو..... وہ کون ہے؟..... کہاں سے آئی ہے؟..... اس کا نام کیا ہے؟..... بلاوجہ آزردگی کا شکار ہو کر اپنی صحت کا دیوالیہ مت نکالو۔''

''تم بے فکر رہو میں نے پکا تہیہ کر لیا ہے اسے اب اپنی زندگی میں شامل نہیں ہونے دوں گا اور نہ ہی اس کے کسی فریب کا شکار ہوں گا۔'' نعمان کا لہجہ پُرعزم تھا۔

حسن مراد اس کی جانب امید افزا نگاہوں سے دیکھ رہا تھا مگر اسے کامل یقین نہیں تھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے واقعی اس پر پوری سختی سے کاربند رہ سکے گا۔

''مترس از بلائے کہ شب درمیاں است''

نعمان اپنی دلچسپی کے لئے روزانہ اخبار دیکھنے لگا۔ کوئی دن ایسا نہیں تھا کہ اس پراسرار لڑکی کے بارے میں کوئی مضحکہ خیز اور فرضی خبر شائع نہ کی گئی ہو۔ اخبارات اس بات پر تعجب کا اظہار کر رہے تھے کہ پولیس ابھی تک اس لڑکی کو گرفتار کیوں نہیں کر سکی۔ یہ تمام معاملہ محض ایک شعبدہ تھا۔ جسے لوگوں کی چہ میگوئیوں نے جناتی بنا رکھا ہے۔ کوئی اخبار اس معاملے کو سستی شہرت کا بہانہ بتا رہا تھا کہ یہ سب ریستوران کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے انہوں نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تاکہ ان کا ریستوران مقبول ہو جائے اور گاہک اشتیاق سے وہاں آئیں جو کہ کسی حد تک صحیح بھی ثابت ہوا تھا اس واقعے کے بعد اس ریستوران کی رونق مزید بڑھ گئی۔

ایک شام نعمان کی ملاقات حسن مراد سے ہوئی تو اس نے انکشاف کیا کہ وہ بوڑھا مصری تندرست ہو کر ہسپتال سے باہر آ گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ میں نے اس مصری سے ملاقات کی اور اس سے اس بارے میں کئی سوال کئے مگر وہ خبیث اتنا پکا نکلا کہ صاف مکر گیا کہ اس کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اس بات سے بھی منکر ہو گیا کہ اس نے کسی پرانے فریم کے سودے کے سلسلے میں اس سے کبھی ملاقات کی ہو..... یعنی اس کا کہنا یہ تھا مجھے

ئی غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ وہ مجھے سرے سے ہی نہیں جانتا۔ نعمان اس کی بات سن کر حیرت ہ رہ گیا۔ حسن مراد نے یہ بھی بتایا کہ اس کے اظہار اجنبیت پر مجھے اتنا طیش آیا کہ جی میں آیا ے زمین پر لٹا کر اس کی دوبارہ وہی حالت کر دوں مگر میں محض تلملا کر رہ گیا۔

کچھ روز بعد حسن مراد دفتر سے جلد ہی فارغ ہو کر گھر لوٹ آیا۔ اس نے بے فکری میں اکوٹ ہینگر میں ٹانگا اور ٹائی ڈھیلی کرنے لگا۔ اس کی نگاہ یکبارگی میں اس مصری بوسیدہ سے یم پر جا پڑی تو وہ فرط حیرت سے گرتے گرتے بچا۔ اس خالی فریم میں ایک تصویر موجود تھی۔ ششدر کھڑا کئی لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے کئی بار آنکھیں مسلیں مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ تصویر یم میں موجود تھی۔

ملکہ راب شامخ.....!

جس کا ذکر اس نے سیف اللہ خان کی زبانی سنا تھا۔ جس کو اس نے اپنی نظروں کے منے اپنے دفتر میں ہوا میں تحلیل ہوتے دیکھا..... جسے اس نے ریستوران میں قیامت ماتے دیکھا۔ اس کا معصوم چہرہ اسی فریم میں جلوہ گر تھا۔

کتنی معصومیت تھی اس تصویر میں۔ ایک لمحہ حسن مراد نے سوچا مگر اس کی ہنگامہ آرائیاں نی سنگدلانہ تھیں۔ اس کے پیچھے کتنے لوگ پاگل تھے۔ خود حسن مراد بھی ایک وقت میں اس کی ف کا اسیر ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی استعجابیہ حالت اعتدال کی منزل پر آ گئی۔ اسے کھڑا جانے کتنی دیر تک تکتا رہا۔ ایک بے جان سی ساکت تصویر جس میں زندگی کی ذرا ارق باقی نہیں تھی۔ حسن مراد اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سب دکھاوا ہے۔ یہ بے جان و کت تصویر حقیقت میں وہ نہیں ہے جو کہ دکھائی دیتی ہے۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ذہن ایہ خیال کوندا کہ کیوں نہ وہ اسے فریم سمیت اپنے گھر سے باہر پھینک دے کیونکہ وہ اس کے یے بھی کسی بڑے خطرے کا باعث بن سکتی ہے مگر دوسرے ہی لمحے اسے حکیم عبدالمجید کی بات آ گئی۔

''وہ ایک بار پھر تمہارے پاس آئے گی مگر ڈرنا مت۔ وہ کوئی بدروح نہیں ہے بلکہ لنے کے ستم کا شکار ایک بھولی بھالی اور معصوم روح ہے۔ تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؟''

حسن مراد کی آواز اس کمرے میں گونجی مگر اس کے جواب میں خاموشی چھائی رہی۔ جس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پر حسن مراد کو بے چینی محسوس ہونے لگی۔
''ملکہ راب شامخ! کیا تم میری آواز سن سکتی ہو۔'' حسن مراد نے اسے ایک بار پھر پکا
''ہاں! میں سن سکتی ہوں'' کمرے میں ایک نادیدہ آواز گونجی تو حسن مراد بے اخ
کانپ سا گیا۔ اس نے چونک کر اس تصویر کی جانب دیکھا جس میں کوئی تبدیلی دکھائی نہ
دے رہی تھی۔ شاید وہ اسے اپنی نگاہوں سے بولتا دیکھنا چاہتا تھا۔
''تم سامنے آؤ۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''
حسن مراد اس فریم کی طرف رُخ کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
''میں تمہارے سامنے ہی ہوں!'' مترنم سا قہقہہ کمرے کے درودیوار میں گونجا۔
''لیکن میں تو تمہیں نہیں دیکھ سکتا؟'' حسن مراد نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔
''کیا یہ کافی نہیں کہ اس فریم میں مَیں آپ کو صاف دکھائی دے رہی ہوں۔'' حسن
کو نادیدہ آواز سنائی دی۔ وہ اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔
''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی...... تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نعمان کے پیچھے کیوں ہاتھ د
پڑ گئی ہو حالانکہ وہ تو تمہیں جانتا تک نہیں۔'' حسن مراد نے پوچھا۔
''مگر میں تو اسے جانتی ہوں، اس سے محبت کرتی ہوں۔'' نادیدہ آواز نے جواب د
''میرے خیال میں تم شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔'' حسن مراد کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔
''مگر میں سمجھتی ہوں کہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں اسی لئے اسے میری جانب سے
کرر ہے ہیں۔'' ملکہ داب شامخ کا لہجہ ناراضگی لئے ہوئے تھا۔
''میں جو کر رہا ہوں وہ اس کے حق میں ہے۔'' حسن مراد نے لاپروائی سے کہا۔
''یہ آپ کا خیال ہے؟'' نادیدہ آواز نے کہا۔
''خیر چھوڑو! تم یہ بتاؤ کہ وہ بوڑھا مصری درحقیقت کون ہے؟'' حسن مراد نے پوچھ
''وہ خبیث انسان ہے! اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔''
''چلو یہ بتاؤ کہ تم کیا ہو؟'' حسن مراد نے کہا۔
''میں وہی ہوں جو آپ جانتے ہیں مگر میں وہ نہیں ہوں جو آپ سوچتے ہیں۔''
''یعنی تمہارا نام ملکہ راب شامخ ہے اور تم عہد فرعون کی ملکہ ہو۔'' حسن مراد چونک
بولا۔

''آپ نے صحیح کہا......!'' وہ اداسی سے ہنسی۔
''تم نے اس ریستوران میں اتنا لمبا چوڑا ہنگامہ کیوں کیا؟'' حسن مراد نے پوچھا۔
''میں نے اسے محض سزا دی ہے کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ کر واپس لوٹ جائے ورنہ وہ کسی
لیے میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر سکتا ہے۔ وہ لوگوں کو بہکاتا ہے مجھے قابو میں کرنا
ہے تا کہ وہ شیطان سے کئے ہوئے وعدے پر قائم رہ سکے اور اس کی دائمی زندگی کا روشن
بھی بجھ نہ سکے۔ میں ہمیشہ اسی فریم کی قیدی بن جاؤں مگر یہ اب دوبارہ نہیں ہو سکتا۔''
آواز میں بھرپور عزم جھلک رہا تھا۔
''وہ...... سیاہ کپڑے کا کیا چکر ہے؟'' حسن مراد نے سوال کیا۔
''وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ تاریکی میری کمزوری ہے۔ اسی لئے وہ مجھے سیاہ کپڑے کی
پکڑنا چاہتا ہے سیاہ کپڑا میرے لئے درحقیقت کسی جال سے کم نہیں ہے۔'' وہ بولی۔
''تم مصر میں اتنا عرصہ رہی مگر وہاں تو کبھی تم اس فریم سے باہر نہیں آئیں؟'' حسن مراد

''وہاں اس خبیث نے میرے ہر جانب تاریکی ہی تاریکی کر رکھی تھی اگر وہ نوجوان جو
یہاں تک لے آیا اس مکان میں نیا رنگ وروغن نہ کرتا تو شاید میں اب بھی وہیں
میں قید ہوتی۔ وہاں ہر طرف سیاہی ہی سیاہی پھیلی تھی...... میں ایسے میں کیونکر باہر
''اس نے بتایا۔
''یعنی اگر اب میں تم پر کوئی سیاہ کپڑا ڈال دوں تو تم کبھی اس فریم سے باہر نکل نہیں سکو
حسن مراد نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔
''میں جانتی ہوں کہ آپ ایسا نہیں کریں گے۔'' وہ آواز قدرے مُرتعش ہو گئی۔
''کاش میں ایسا کر سکوں!'' حسن مراد کا لہجہ مغموم سا ہو گیا۔
''یہ میرے خدا کا احسان ہے کہ اس نے میری التجا سنی اور مجھے چار ہزار سال کی قید سے
میں اپنے مسکن سے یہاں تک پہنچ گئی ہوں تو اس میں میرے خدا کی مرضی شامل ہے
آج بھی اسی قید میں سڑ رہی ہوتی۔ میں نے جب پہلی بار آپ کے دفتر میں قدم رکھا تو
ٹی حس نے مجھے آگاہ کر دیا کہ آپ رحمدل اور صاف گو انسان ہیں۔ اسی لئے میں نے
اللہ خان کے دل میں یہ بات پیدا کی وہ یہ فریم اس خبیث کی آمد سے پہلے آپ تک پہنچا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دے۔ اگر یہ فریم اس بد بخت کے ہاتھوں لگ جاتا تو وہ اسے جلا دیتا اور میں خود بخود جل کر بھسم ہو جاتی۔ میرے سب رنگ بکھر جاتے۔ میرا وجود ہی اس دنیا سے مٹ جاتا۔ میں صرف اپنی زندگی جینا چاہتی ہوں ..... وہ زندگی جو مجھ سے زبردستی چھین لی گئی۔ میں اسے پورا کرنے آسمان پر نہیں جا سکتی مگر اپنی یہ زندگی کسی کی قید و صعوبت میں بھی پوری نہیں کرنا چاہتی۔ وہ خبیث پجاری یہی چاہتا ہے کہ میں زندگی بھر اس کی قید میں رہوں تاکہ وہ اپنے شیطان سے کئے ہوئے عہد و پیمان پر پورا اتر سکے۔ اس کے خیال میں میں بہک جاؤں گی لیکن میں اب کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔ آپ کے اندر رحم دلی اور ہمدردی کا سچا جذبہ ہے۔ یہی بات میرے سکون کا باعث ہے۔'' اس آواز میں بے حد سوز و گداز تھا۔ یوں لگتا کہ وہ صدیوں سے الم مصائب کا شکار ہے۔

''تمہارے پاس ان رنگوں کے جسم کے سوا اور کچھ نہیں۔ پھر بھی تم جینا چاہتی ہو؟ اچھی طرح جانتی ہو کہ ایک روح کا انسان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بن سکتا..... پھر بھی تم یہ انوکھا تعلق قائم کرنا چاہتی ہو۔ انسان، انسان ہی ہے۔ وہ مرنے کے بعد ہی روح بن سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔'' حسن مراد اسے سمجھانے لگا۔

''یہ سب کیا ہے، آپ نہیں سمجھ سکتے۔'' وہ دھیرے سے ہنسی۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اس لڑکی کی ساڑھی جلا کر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کیوں کی؟'' حسن مراد نے ایک اور سوال کیا۔ جس پر اس کا نقرئی سا قہقہہ کمرے میں سنائی دیئے جیسے وہ ان لڑکیوں کے ذکر پر اس وقت بے حد محظوظ ہوئی ہو۔

''وہ دونوں لڑکیاں صحیح نہیں تھیں۔ وہ آپ دونوں کو الو بنانے پر تلی تھیں۔ ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ کسی طرح وہ آپ کے ساتھ بستر تک جا پہنچیں اور پھر وہ اپنی معصومیت کے لٹنے کا ڈھونگ کر کے آپ سے مال اینٹھ سکیں مگر میں نے ایسی نوبت ہی نہیں آنے دی۔'' ہنستی ہوئی بولی۔

حسن مراد اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا۔ کیا وہ لڑکیاں ایسے کردار کی مالک تھیں؟ اس کے ذہن پر ٹھیس سی لگی مگر اس نے اس بکھیڑے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ حقیقت ہے تو میں تمہارا بے حد مشکور ہوں مگر یہ بات بھی یاد رکھو کہ میں یا نعمان اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ کسی ایسے چکر میں پڑ کر بلیک میل ہو جائیں۔''

''شاید آپ کی معلومات لڑکیوں کے بارے میں کم ہیں۔'' نقرئی قہقہہ بلند ہوا۔

''میں اگر طارنوش منوف کو یہاں بلا کر تمہیں اس کے حوالے کر دوں؟'' حسن مراد چونکا۔

''میں جانتی ہوں کہ وہ آج اس شہر میں ہی نہیں ہے۔ دو دن اس کی خاص عبادت کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ مصر میں تو وہ خوفو والے اہرام میں جا کر یہ عبادت کیا کرتا تھا مگر یہاں سے قریب میں کوئی ایسی جگہ نہیں مل سکی، لہٰذا اسے شیخوپورہ کی جانب واقع ہرن مینار والے باغ میں جانا پڑا۔ وہ دو دن سے پہلے واپس نہیں آ سکتا، گو کہ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا مگر میں ہر وقت اس کے گرد منڈلاتی رہتی ہوں تاکہ مجھے جب بھی موقعہ ملے تو میں اسے زیادہ سے زیادہ پریشان کر سکوں۔'' ملکہ راب شامخ کی آواز میں مسرت پھوٹنے لگی۔ حسن مراد اس پر فقط مسکرا دیا۔

''رات بہت ہو گئی ہے اب آپ آرام کیجئے!'' وہ کچھ لمحوں کے توقف سے بولی۔

''مگر ابھی بہت سارے سوال تم سے کرنا چاہتا ہوں؟'' حسن مراد نے تیزی سے کہا مگر آواز بالکل خاموش رہی۔ حسن مراد نے کافی دیر تک کوشش کی کہ کسی طرح ملکہ راب شامخ اس سے مزید باتیں کرے مگر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا۔ مایوس ہو کر اپنی خوابگاہ کی جانب چل دیا گیا۔

نعمان کی شادی کے سلسلے میں بات چیت کامیابی سے جاری تھی۔ یہ سب حسن مراد کی مرہون منت تھا کہ اس نے نعمان کو اس روح کے چکر سے باہر نکالنے کے لئے ایک مناسب رشتہ ڈھونڈ نکالا۔ شیخ رضی الدین متوسط طبقے کا فرد تھا۔ عمر کی زیادتی اور ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے باعث اس کے کندھوں پر ایک جوان بیٹی کا بوجھ باقی تھا۔ اس کے دو بیٹے بھی تھے مگر وہ شادیوں کے بعد گھر بار والے ہو کر کبھی کے اس سے رخصت ہو چکے تھے۔ لڑکی چونکہ سب سے چھوٹی تھی اس لئے اس کے بیاہ کی ذمہ داری رضی الدین کے کندھوں پر آن پڑی۔ انہوں نے اپنے کسی دوست سے اچھے رشتے کی تلاش کا کہہ رکھا تھا جو کہ اتفاق سے حسن مراد کے حلقوں میں شامل تھا۔ اس نے حسن مراد کی زبانی کسی اچھے رشتے کی تلاش کا سن کر فوراً رضی الدین کی بیٹی نائلہ کا رشتہ پیش کر دیا۔ حسن مراد ایک بار خود اس کے ساتھ شیخ رضی الدین کے گھر گیا اور اس کے حالات اور کردار کے بارے میں اچھی طرح دیکھا بھالا۔ لڑکی پردہ دار تھی جس کی وجہ سے وہ اس کی صورت نہ دیکھ سکا۔ لوگوں کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ وہ زیادہ خوبصورت تو

نہیں ہے مگر بدصورت بھی اسے نہیں کہا جاسکتا۔ ایف اے تک اس کی تعلیم تھی۔ عمر انیس بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ حسن مراد کو شیخ رضی الدین کے گھریلو ماحول کے باعث یہ رشتہ بے حد پسند آیا اور اس نے نعمان کو اعتماد میں لے کر بات آگے بڑھا دی۔ حسن مراد یہ چاہتا تھا کہ یہ رشتہ جلد از جلد طے ہو جائے اور نعمان ان پراسرار چکروں کی گرفت سے نکل جائے۔ حسن مراد نے نعمان کے شادی شدہ دوستوں سے خاص طور پر درخواست کی۔ وہ اس معاملے میں اس کی بھرپور مدد کریں اور انہوں نے بھی کسی شکایت کا موقعہ نہیں دیا۔ بات آخری منازل کی جانب آنکلی تو حسن مراد مطمئن ہو گیا کہ اب کسی رکاوٹ کا خدشہ باقی نہیں ہے۔ اب یہ معاملہ اپنے انجام تک پہنچ ہی جائے گا۔ نعمان یہ سب محض حسن مراد کی خوشی کے لئے کر رہا تھا۔ اسے ابھی شادی کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ گذشتہ دنوں میں ہونے والے حادثوں سے بے حد ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے عزیز محسن عبدالرحمٰن کا قتل، جمیل کا اعتراف جرم اور عمر قید کی سزا، جوان آفرین کی بیوگی جیسی حالت، اس کی سب سے قریبی اور شدید محبت کرنے والی نوجوان دوست عنبر کی خودکشی اور پھر اس کے خوابوں میں بسنے والی آئیڈیل پراسرار لڑکی کا ہزاروں سال پرانی روح نکل آنا۔

اس نے ایسے حالات میں اس شادی کو خانہ پری کا نام دیا۔ اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں حسن مراد سے احتجاج بھی کیا مگر حسن مراد نے اس مرحلے کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت قرار دے کر اس کے احتجاج کو مسترد کر دیا۔ نعمان جہاں سابقہ حادثوں سے افسردہ تھا۔ وہیں اس روح کی سسکیوں نے اس کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس کی راتوں کی نیند گم ہو چکی تھی۔ وہ جب بھی بستر پر دراز ہوتا تو وہ سسکیاں بھرنے لگتی اور وہ ان آہوں سے تڑپ اُٹھتا۔ وہ اکثر اسے پورے گھر میں تلاش کرتا مگر وہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا کہ دوسرے کمرے میں وہ موجود ہے اور آہستہ آہستہ رو رہی ہے۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا .....اسے خاموش کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی زندگی پر نازل ہونے والا یہ عذاب اب ختم ہو جائے مگر شاید وہ اسے اسی طرح تڑپانا چاہتی تھی۔ اس کی درد بھری آہیں نعمان کے دل میں اتر جاتیں۔ اس کی سسکیوں میں پایا جانے والا سوز و گداز اسے بار بار اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیتا۔

ایک رات وہ اسی کشمکش میں اپنے بستر میں لیٹا ہوا تھا وہ اسی کوشش میں مبتلا تھا کہ اسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلد ہی نیند آجائے اور اس کے کان ان درد آمیز سسکیوں سے غافل رہیں۔ ابھی کچھ ہی لمحے لذرے کہ اسے اپنے بے حد قریب کسی کے سسکنے کی آواز سنائی دی۔

اچانک خوابگاہ میں ایک اور سسکی ابھری جس نے نعمان کے خیالوں کا آئینہ چکنا چور کر الا۔ وہ بری طرح چونک پڑا۔ اس کے کان کمبل میں دوبارہ اس سسکی بھری آواز کو سننے کی وشش کرنے لگے مگر کمرے میں ایک بار پھر خاموشی سی چھا گئی۔ اس نے بے زاری سے منہ ایا اور کروٹ لے کر دوبارہ خود کو کسی خیال میں دھنسا دینا چاہا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا ئی مگر نعمان جانتا تھا کہ یہ خاموشی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکے گی۔ کوئی نہ کوئی سسکی اس لموت کو ضرور درہم برہم کر ڈالے گی۔ پھر اس کے خدشے کے مطابق ہی ہوا۔ کمرے کا سکوت تم ہو کر رہ گیا۔ نعمان نے محسوس کیا کہ یہ کوئی سسکی نہیں تھی بلکہ کوئی بول رہا تھا۔ نہایت دبی وئی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے کان کھڑے کئے مگر وہ کچھ سمجھ نہیں سکا۔ اس نے اپنا منہ لمبل سے باہر نکالا تو بھی اس مفہوم کو صحیح طرح نہ سمجھ سکا۔ متجسس طبیعت اسے خوابگاہ سے باہر لے آئی وہ اسی سمت میں قدم بڑھانے لگا جدھر سے آواز آتی سنائی دے رہی تھی۔ وہ اسی کشمکش ں صدر دروازے تک آپہنچا اور پھر اسے وہاں چوکھٹ پر بیٹھا دیکھ کر وہ چونک گیا۔ وہ جو اسے ئی دن سے دکھائی نہیں دی تھی۔ جس کی تلاش میں وہ پورا گھر پاگلوں کی طرح چھانتا رہتا تھا۔ ں کی نگاہوں کے سامنے زمین پر دوزانو بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں سے فریاد جاری تھی۔

''اے رب کائنات! تو دیکھ رہا ہے کہ میں تیری ادنیٰ بندی اپنی محبت کی کامرانی کے لئے ن کن تکلیف دہ مراحل کو طے کر چکی ہوں۔ کیا کیا آفتیں مجھ پر نہیں ٹوٹیں لیکن تجھے پھر بھی ہ دکھیاری پر رحم نہیں آیا..... تو سب جانتا ہے کہ میں کیا تھی اور اب کیا ہوں؟ میری ناکامیاں رنامرادیاں سب تیرے سامنے ہیں اگر تو نے یہ سب میرے ساتھ کرنا ہی تھا تو مجھے ایسا یوں بنایا؟ میرے دل میں محبت کی شمع کیوں روشن کی؟ میرے سینے میں نرم و گداز دل کی جگہ ھر کیوں نہیں رکھ دیا۔ میرے اندر اتنی محبوب پرستی کیوں پیدا کر دی؟ کیا میں اس قابل بھی نہیں ھی کہ مجھے میرا حق مل پاتا..... ہمیشہ سے میں تیرے بندوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوتی چلی آئی دل۔ کیا میری تمام زندگی ایسے ہی کٹ جائے گی؟ کیا میں اپنی چاہت کی تمنا اپنے دل میں ہی لئے فنا ہو جاؤں گی؟ اگر ایسا ہے تو مجھے آج ہی فنا کر دے..... اب دیر کس بات کی ہے؟ تو سب کرسکتا ہے تو سب پر قادر ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نعمان اس کی جانب پھٹی نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا اس کے لبوں سے نکلنے والی فریا
اس کے دل و دماغ میں ہیجان برپا کئے تھی۔ وہ اس کے نازک گلابی رخساروں سے آنسوؤں کی
بہتی ندیاں صاف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے سراپا تصویرِ غم بنی بیٹھی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ
آگے بڑھ کر ساری دنیا کو ٹھوکر مار کر اسے اپنا لے اور کہہ ڈالے کہ تم میری ہو اور تمہیں آج کے
بعد کسی تکلیف کا احساس باقی نہیں رہے گا مگر وہ یہ سب نہ کر سکا۔ حسن مراد کا متبسم چہرہ اس کی
آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس کے بڑھتے قدم ایک بار پھر رک گئے۔

''آخر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' نعمان روہانسا ہو کر بولا۔ ''تم ایک طرف میری محبت کا
دم بھرتی ہو اور دوسری طرف میری زندگی کو عذاب بنا رہی ہو۔ میری نیند و آرام کی دشمن بن چکی
ہو، میرا تمام چین و سکون غارت کر ڈالا ہے۔''

اس نے نگاہیں اُٹھائیں اور اس کی جانب شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔ ان میں
حسرت و یاس کی اداسی جھلک رہی تھی۔

''آپ خود ان سب باتوں کے ذمہ دار ہیں۔ مجھ غریب کو بیچ میں نہ گھسیٹئے۔''

''آخر مجھ میں ایسی کیا خوبی ہے کہ تم بار بار اسی گھر کا رُخ کرتی ہو؟ میں تمہیں صاف
لفظوں میں کہہ چکا ہوں کہ میں کسی روح وغیرہ سے محبت نہیں کر سکتا..... اللہ نے مجھے انسان
بنایا ہے اور یہ میرے خمیر میں شامل کیا ہے کہ میں صرف انسانوں سے ہی محبت کروں۔'' نعمان
بولا۔

''آپ نہیں جانتے میرے محبوب!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''میں آپ میں کیا دیکھ رہی
ہوں؟ آپ میں کیا محسوس کرتی ہوں؟ ..... میں اپنا سب کچھ لٹا کر بھی آپ کو پالینا چاہتی
ہوں۔ میں اپنے عزم کے لئے ہر وقت رب کائنات کے دروازے کھٹکھٹاتی رہوں گی۔''

''دیکھو! میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو، مگر میں تمہیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ تم اس بات
کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ یہ ملاپ کسی بھی طرح نہیں ہو سکتا ہے..... اس کے علاوہ میں یہ سمجھنے سے
قطعاً قاصر ہوں کہ تم درحقیقت کیا ہو؟ تم کوئی لڑکی ہو یا پھر کچھ اور..... میں بالکل نہیں جانتا کہ
جو لڑکی اس وقت میری نگاہوں کے روبرو موجود ہے، مجھ سے محوِ گفتگو ہے، مجھ سے لامتناہی محبت
کے دعویٰ بھر رہی ہے..... وہ کون ہے؟ تاریک پردوں سے باہر نکل کر میرے پاس آنے والی
لڑکی کیونکر میرے ہی پاس آتی ہے؟ وہ مجھے اپنی محبت کا یقین تو دلانا چاہتی ہے مگر اپنی ذات کو

اندھیروں میں گم رکھنا چاہتی ہے تو میں ایسی لڑکی سے اپنے دل کا سودا کیسے کر لوں؟''

نعمان اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔ وہ اس لڑکی کے چہرے پر بدلتے رنگوں اور
تغیرات پر بھی توجہ نہ دے سکا۔ خاموش ہونے اور بعد اس کی نگاہیں اس پر ٹھہر گئیں۔

''میرے سنگ دل محبوب!'' اس کی آواز رندھ گئی۔ ''میں مدتوں بعد تاریکی سے نکل کر
آہستہ آہستہ روشنی کی جانب بڑھ رہی ہوں۔ اس وقت جب میں اندھیرے کے گہرے سمندر
میں غرق تھی اور کوئی راہ اپنے لئے تلاش نہیں کر پا رہی تھی تو میں نے افق کے اس پار دیکھا امید
کی ہلکی سی شمع مجھے اپنے دل میں جلتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ منزل چونکہ بے حد دور تھی۔ پھر میں
نے اس روشنی کو بڑا ہوتے دیکھا۔ اس قدر بڑا کہ میں روشنی میں نہا گئی۔ میرا پورا وجود منور
ہو گیا۔ میری دردناک تنہائی کی گھبراہٹ کچھ لمحوں کے لئے معدوم ہو گئی۔ میں نے اس منحوس
تاریکی سے نجات پا لی تھی مگر جب شمع امید میرے سامنے بالکل روشن ہو گئی اور میں نے اپنی
منزل کو صاف دیکھ لیا تو میں نے اس کی جانب بڑھنا چاہا مگر اس میں مفارقت و منافرت کے
سمندر نے فاصلہ پیدا کر ڈالا۔ بدگمانیوں کا آسمان کو چھونے والا پہاڑ حائل ہونے لگا۔ میں اب
کہاں جاؤں یہ پہاڑ پھلانگنا مجھ تنہا کو عذاب دکھائی دیتا ہے کوئی میری مدد کرنے کو بھی تیار نہیں۔
میرا محبوب بھی مجھ پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا تو میں کدھر جاؤں؟''

''میں یقین کر لیتا ہوں کہ تمہارے جذبات سچے ہیں! مگر میرا سوال صرف اتنا ہے کہ تم
درحقیقت کون ہو؟'' نعمان نے اس کے سامنے بے بسی محسوس کی۔

''میں..... میں رب کائنات کی ادنیٰ سی تخلیق.....!!!'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''یہ کوئی جواب نہیں!'' نعمان کے چہرے پر کھنچاؤ نمودار ہوا۔ ''یہ بات تو ہر ذی حیات
کے لئے کہی جا سکتی ہے کیونکہ سب کچھ ہی اسی خدائے باری تعالیٰ کا ہی خلق کیا ہوا ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو خشک ہو چکے تھے مگر گلابی
گالوں پر ان کے نشان اب بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ نعمان کے سامنے آ کھڑی
ہوئی۔

''میں ڈرتی ہوں..... میں بے حد خوفزدہ ہوں اور یہ سوچ کر خاموش ہو جاتی ہوں کہ
کہیں آپ میری حقیقت سن کر مجھ سے مزید دور نہ ہو جائیں۔ یہ فاصلے جو بڑی مشکل سے سمٹے
ہیں ایک بار پھر طویل نہ ہو جائیں۔ اندھیروں کا سفر مجھے دوبارہ نہ طے کرنا پڑے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تم میرے سوال کا جواب دینا ہی نہیں چاہتی۔'' نعمان نے منہ بنا کر کہا۔ ''بہر کیف میں اتنا تو سمجھ ہی گیا ہوں کہ تم بے حد پراسرار ہو۔ تم کئی مخفی قوتوں کی مالک ہو۔ تمہیں میں بزو طاقت زیر نہیں کر سکتا بلکہ میں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا..... ریستوران میں جو کچھ بھی ہوا یا اس مصری بوڑھے کے ساتھ تم نے جو بھی سلوک کیا۔ اس سے تمہاری غیر معمولی قوت کا اندازہ مجھے ہو چکا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید تم وہ نہیں ہو مگر میں یہ حقیقت جان کر بے حد مایوس ہوا ہوں۔''

''میرے محبوب!'' وہ لڑکی کسمسا اٹھی۔ ''جو آپ نے اخذ کر لیا وہ درست نہیں آپ نے تصویر کا ایک رُخ دیکھا اور اپنی رائے میرے بارے میں قائم کر لی۔ یہ مجھ پر ظلم ہے۔ جس بوڑھے کا آپ ذکر کر رہے ہیں اور جسے آپ نہایت کمزور اور عاجز سمجھ رہے ہیں درحقیقت وہ بے حد قوی ہے۔ اس کی ستمگری صدیوں پر محیط ہے۔ وہی ہم دونوں کے ملاپ میں منافرت کا دریا بن گیا ہے۔ اس دوری اور میری تاریکی کا ذمہ دار وہی ہے۔ اس رات وہ خبیث اپنی چھوٹی سی کوتاہی پر میرے ہاتھوں مار کھا گیا۔ ورنہ وہ کسی سے مار کھانے والوں میں سے نہیں ہے۔ اگر اسے اس کی پراسرار قوت نے حدود کے حصار میں باندھ کر نہ رکھا ہوتا تو وہ شاید آج ساری دنیا کو اپنے آگے لگائے ہوتا۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میری قوت کے اظہار کا آپ پر منفی اثر پڑے گا تو میں اس کا مظاہرہ ہی نہ کرتی..... آپ نے اب تک جو کچھ بھی سنا وہ سب غلط ہے۔ آپ کے دل و دماغ کی رائے میرے بارے میں صحیح نہیں ہے..... وہ خبیث بوڑھا میرا سب سے بڑا دشمن ہے..... وہ قطعاً نہیں چاہتا کہ ہم دونوں قریب ہو جائیں، ہم دونوں کی محبت پروان چڑھ جائے..... میں خود اس کی دشمنی سے عاجز ہوں اور اس سے دور بھاگتی ہوں..... واہ میرے خدا! وہ جو ظلم کی چکی میں پسی ہے اسے تو نے کیا بنا دیا؟ اس کا محبوب اسے ستم گر اور تیرے سرکش بندے کو مظلوم سمجھنے لگا۔ یقین کریں گے وہ اب آپ کے پاس تیزی سے آ رہا ہے اور کچھ ہی دیر میں آپ کے پاس آ کھڑا ہوگا میں اسے اس جانب تیزی سے قدم اُٹھاتے دیکھ رہی ہوں۔''

''تم میرے لئے کسی معمے سے کم نہیں ہو۔

تم جب سے میری زندگی میں داخل ہوئی ہو میری حیات مجسم سوال بن کر رہ گئی ہے۔ ایک ایسا سوال جس کا جواب خود میرے پاس نہیں۔ ایسی صورت میں یہی بہتر ہے کہ میں موت کو گلے لگا کر اس دائرہ حیات سے آزاد ہو جاؤں۔'' نعمان بے بسی سے بولا۔

''خدا کے لئے ایسا مت کہئے! موت کا لفظ میرے لئے کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔

میں نے محبت کی جس بازی کو جیتنے کے لئے طویل اور صبر آزما سفر کیا ہے اسے ہارنے کا سامان مت دیجئے۔''

''پھر تم ہی بتاؤ!'' نعمان قریب پڑی کرسی پر گرتا ہوا بولا۔ ''میرے لئے اس کے سوا چارہ کیا ہے؟ میں اس بات کا معترف ہوں کہ تم نے دو ایک بار مجھ پر احسان کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے عبدالرحمٰن کے اصلی قاتل نے تمہارے باعث اپنے جرم کا اقرار کیا ہو لیکن اس احسان کی اتنی بڑی قیمت میں کیسے ادا کر سکتا ہوں ٹھیک ہے کہ تم نے میری جان بچائی۔ میرے گلے سے پھانسی کا پھندا نکال ڈالا..... اس کی قیمت یہی ہے کہ تم میری جان لے لو اور مجھے اس عذاب سے نجات دلا دو۔''

''آپ کس قدر سنگ دل ہیں!'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''بات کرتے ہیں تو ایسی کہ دل ہی چر جائے۔ اگرچہ یہ سب کچھ اپنی جگہ درست ہے کہ میں نے آپ کی جان بچانے میں جو کچھ بن پڑا کر ڈالا تو یہ کوئی احسان نہیں تھا یہ میری بقا کی جنگ تھی۔ میری طویل آزمائش کے لئے یہ سب ضروری تھا کہ میں آپ کی جان کی حفاظت کروں اگر یہ سب میں نے کیا تو محض آپ کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے کیا ہے۔ میں نے جس منزل کی تلاش میں دربدر ٹھوکریں کھائیں اسے اپنے سامنے پا کر منہ موڑ لینا میرے بس میں نہیں تھا۔ آپ کا کیا یہ احسان میرے لئے کم ہے کہ آپ میرے لئے زندہ ہیں۔ میں آپ کو دیکھ سکتی ہوں، محسوس کر سکتی ہوں، چھو سکتی ہوں۔''

''میں اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں!'' نعمان نے تنک کر کہا۔ ''یہ قطعی سچ نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کون کس کے لئے زندہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم جو خواب اب دیکھ رہی ہو اس کی تعبیر ہی تمہارے اندازے سے کہیں مختلف نکلے اور جسے تم اپنی منزل سمجھ رہی ہو وہ ایک چھوٹا سا پڑاؤ ہو۔ تمہارا سفر ابھی باقی ہو۔''

''نن..... نن..... نہیں نہیں!'' اس کی آنکھوں میں خوف نمودار ہو گیا۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا میرے خواب ادھورے رہ سکتے ہیں مگر یہ بالکل ہی غلط نکلیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ میں اب سمجھ چکی ہوں کہ آپ میرے معاملے میں انتہائی ضدی واقع ہوئے ہیں آپ مجھے تڑپا کر خوش ہونا چاہتے ہیں۔''

''نہ میں ضدی ہوں اور نہ ہی خودسر..... میں بالکل سادہ سا انسان ہوں۔ پیچ دار تم ہو، اسرار کے دبیز پردوں میں تمہاری ذات لپٹی ہوئی ہے۔ میں تم سے جب دریافت کرتا ہوں تو تم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کسی نہ کسی بہانے ٹال جاتی ہو۔'' نعمان جیسے ادھار کھائے بیٹھا تھا۔

وہ خاموش کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں تذبذب سا موجود تھا۔

''ٹھیک ہے اگر بضد ہیں تو میں اس راز سے بھی پردہ اُٹھا دوں گی۔ میں اپنی ذات کا خول توڑ دوں گی۔ میری حقیقت آپ پر آشکارا ہو جائے گی لیکن میرے محبوب! پوشیدہ حقیقت کا اظہار میرے لئے بے حد گراں ثابت ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد میں آپ کو کھو بیٹھوں گی۔ میں یہ نہیں جانتی کہ اس کا اثر آپ کی ذات پر کیا پڑے گا لیکن آپ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ وقت بیتنے کے ساتھ ساتھ آپ کو اس پر پشیمانی اُٹھانا پڑے گی۔ آپ افسوس سے ہاتھ ملیں گے۔ پچھتاوے ہی پچھتاوے آپ کا مقدر بن جائیں گے لیکن غروب آفتاب کے بعد حرارت بخش روشنی کی تمنا..... نہ پوری ہونے والی تمنا ہی ہو سکتی ہے۔''

اس نے حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر چہرہ اُٹھا کر بولی۔

''اے رب کائنات! تو میرا گواہ ہے کہ میں بار ہا دفعہ مجبور کی جا چکی ہوں..... مجبور..... مجھے اپنی محبت کی ضد پوری کرنے کے لئے اگر ایک بار پھر تیرے حکم سے روگردانی کرنا پڑے تو میں شاید گریز نہ کر سکوں۔ آج پھر حقیقت کے اظہار کی ضرورت آن پڑی ہے اب میں کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے وہ سب کرنا پڑے گا جس کی تو نے مجھے اجازت نہیں دی۔''

وہ دروازے کی جانب بڑھنے لگی تو نعمان کا چہرہ کھنچ گیا تو کیا آج پھر وہ اسے کچھ بتائے بغیر چلی جائے گی؟ اس کے دل میں اس سوال نے سر اُٹھایا۔

''میں اب جا رہی ہوں پھر آؤں گی مگر روشنی میں..... میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ خبیث بالکل قریب پہنچ چکا ہے اس لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں ہے۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ سب حقیقتیں آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح بکھیر دوں گی۔'' اس نے تیزی سے کہا اور دوسرے ہی لمحے وہ دروازے سے باہر نکل کر اندھیروں میں کھو گئی۔

نعمان کی آنکھیں شب بیداری کے سبب سرخ ہونے لگیں۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا چکی تھی۔ نعمان کرسی پر نڈھال پڑا ٹکٹکی باندھے ابھی تک دروازے کی جانب گھور رہا تھا۔ کمرے میں اس کے وجود کی بھینی بھینی خوشبو مہک رہی تھی۔ اس کا ذہن ایک طرف بوڑھے مصری طارنوش منوف کا منتظر تھا اور دوسری جانب اس روح نما لڑکی کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ وہ پھر آئے گی مگر کیا وہ اپنی اصلیت پر سے پردہ اُٹھا دے گی اور تصویر کے

دوسری طرف پوشیدہ حقیقت دکھا پائے گی؟ اس بارے میں وہ جز بز سا ہو رہا تھا۔

اچانک دروازے پر کسی نے دستک دی تو اس کے خیالوں کا تانا بانا ٹوٹ گیا۔ اس نے دروازے کی جانب چونک کر دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا مگر اس کے دونوں پٹ بھڑے ہوئے تھے۔ اس نے چاہا کہ وہ اُٹھ کر دیکھے کہ دروازے کا ایک پٹ کھلتا چلا گیا۔ دروازے کے عقب سے ایک چہرے نے اندر جھانکا تو نعمان پہلو بدل کر رہ گیا۔

وہ بے شک..... طارنوش منوف ہی تھا۔ اس نے نعمان کو بیدار دیکھ کر ہمت کی اور دروازے کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ اس وقت نعمان کو ہیبت ناک سا لگا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' نعمان کی قوت سماعت نے اس کا سوال سنا۔

''ظاہر ہے تم دروازے کے بیچ میں کھڑے ہو اگر اندر آ جاؤ گے تو ٹھیک ہی ہوگا۔'' نعمان نے اس کی جانب دیکھ کر بے زاری کا مظاہرہ کیا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اس کی آمد پر خوش نہیں ہوا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی ناک سکوڑی اور فضا میں پھیلی ہوئی خوشبو محسوس کی۔ نعمان نے اسے کرسی پیش کی جس پر وہ جم گیا۔ وہ نعمان کے بالکل سامنے آ بیٹھا۔ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ طارنوش کے چہرے پر بردباری کے علاوہ گہری تمکنت بھی چھائی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ اور مطمئن تھا۔

''بتاؤ کیسے آنا ہوا؟'' نعمان نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیوں آیا ہوں۔'' طارنوش منوف مسکرایا۔

''ابھی میں نے کوئی ایسی قوت حاصل نہیں کی کہ آنے والے کے دل کے حال سے پہلے ہی واقف ہو سکوں۔'' نعمان نے لفظ چبا کر کہا۔

''وہ ابھی ابھی گئی ہے..... کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟'' طارنوش منوف نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی نگاہیں کمرے کے در و دیوار کا جائزہ لینے لگیں۔

''تم اپنے مطلب کی بات کرو..... وہ کب گئی یا وہ کیا کر رہی ہے، ان باتوں سے تم بخوبی آگاہ ہو۔ میں اب سونا چاہتا ہوں لہٰذا صرف یہ چاہوں گا کہ تم اپنے مطلب کی بات کرو۔'' نعمان نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو!'' طارنوش گمبھیر لہجے میں بولا۔ وہ یکدم بے حد سنجیدہ ہو گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مسکراہٹ اس کے چہرے پر غائب ہو کر تفکر کی شکنوں میں ڈھل گئی۔

''میں تمہیں حقیقت بتانا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس تمام معاملے میں قصوروار نہیں ہو بلکہ تمہیں جان بوجھ کر گھسیٹا جا رہا ہے۔ وہ اس وقت گمراہی و لاعلمی میں مبتلا ہے۔ وہ یہ تک نہیں جانتی کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط ہے؟..... وہ تمہیں آہستہ آہستہ ایک ایسے عذاب کی طرف دھکیل رہی ہے جس کی اذیت کا تمہیں قطعی اندازہ نہیں ہے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ امانت کو امانت ہی رہنے دو..... یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ممکن ہے کہ تمہیں میری یہ بات دھمکی لگی ہو مگر درحقیقت یہ دھمکی نہیں ایک صلاح تھی جو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تمہیں میری باتوں پر یقین نہ بھی ہو تو مجھے کوئی غم نہیں کیونکہ میں اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔ اگر تم میری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وقت سے پہلے سنبھل جاؤ گے تو شاید تم آنے والے اُس شدید عذاب سے بچ جاؤ..... اگر تم اپنی ضد پر قائم رہے تو میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ آج تم سے کیا وعدہ کر کے گئی ہے کہ وہ جلد ہی تم پر اپنی حقیقت آشکار کر دے گی۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم اس کی بات مت سنو..... بلکہ میں یہ کہنے آیا ہوں کہ تم پہلے میری بات سنو تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں کون ہوں اور کیا چاہتا ہوں اور اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟''

''میں تمہاری باتوں پر کیونکر یقین کر لوں گا کہ واقعی تم میرے سامنے حقیقت ہی بیان کرو گے اور اس میں تھوڑی سی بھی بددیانتی نہیں ہوگی۔'' نعمان تنک کر بولا۔

''برخوردار!'' طارنوش منوف اس کے لہجے کو نظرانداز کرتا ہوا بولا۔ ''اگر میں چاہوں تو تمہیں اپنے ہاتھوں اس ہولناک گڑھے میں دھکیل ڈالوں جس میں تم گرنے کے لئے بے تاب ہوئے جا رہے ہو۔ مگر میں ہر حال میں تمہارا بھلا چاہتا ہوں کہ تم بے قصور ہو اور محض غلط فہمی میں مبتلا ہو چکے ہو۔ جو کچھ میں بیان کرنے والا ہوں تم اسے میری صفائی خیال کرو یا کچھ اور، مجھے اس سے قطعاً کوئی غرض نہیں ہے..... وہ لوگ آج بھی میری طرح زندہ ہیں جو یہ سب کر رہے ہیں۔ میں صرف تمہیں گھناؤنے عذاب سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں..... یہ بھی سچ ہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں آج بھی صدیوں قبل کے مذہب پر قائم ہوں میں عظیم خوفو کا ایک وفادار اور بے خوف پجاری ہوں..... سرزمین مصر میرا وطن ہے جہاں میں ہزاروں سالوں سے مقیم ہوں اور یہ حق صرف اسی زمین کو حاصل ہے کہ وہ مجھ سے قربانی طلب کرے تو میں اس پر

قربان ہو جاؤں۔ وطن عزیز کی حرمت میرے لئے نہایت ضروری اور اولین درجہ رکھتی ہے اور اسی احترام و وقار کو میں اپنی زندگی کا حاصل خیال کرتا ہوں۔ وہ لڑکی جسے تم اپنے خیالوں کی شہزادی سمجھتے ہو اور دل و جان سے فدا ہو چکے ہو..... وہ کوئی اور نہیں میرے وطن کی ایک عظیم امانت ہے۔ اس لڑکی سے میرے وطن کا وقار وابستہ ہے۔ میں اس وقار کی حفاظت کر رہا ہوں۔ یہ کوئی معمولی سا وقار نہیں ہے بلکہ ایک عظیم ترین ہستی کا وقار ہے..... اگر یہ لڑکی ڈگمگا جائے یا کسی بھی لغزش کا شکار ہو جائے یا کسی بھی معمولی سی غلطی کی مرتکب ہو جائے تو یہ میری سب سے بڑی شکست ہوگی۔ میں اپنے اس وقار کے سامنے اور اس وعدے کے سامنے جو میں نے اپنی سرزمین سے کر رکھا ہے، شرمندہ ہو جاؤں گا۔''

وہ نعمان کی جانب دیکھ کر قدرے مسکرایا اور توقف سے کام لیتے ہوئے پھر گویا ہوا۔ نعمان اس کا سپاٹ چہرہ دیکھ رہا تھا جس پر اس کی گفتگو کا ذرا بھر اثر موجود نہیں تھا۔ اس کا لہجہ اس کی دلی کیفیت سے میل نہیں کھا رہا تھا۔ دوسرا نعمان کو ابھی تک اس کی بات کی کوئی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔

''تم جاننا چاہو گے کہ میں کون ہوں؟'' طارنوش منوف نے بھنویں سکیڑیں۔

''ظاہر ہے.....!!!'' نعمان نے نتھنے پھیلائے۔

''میں بھی ایک قسم کی روح ہوں.....''

طارنوش منوف پراسرار لہجے میں سرگوشی سے بولا۔ اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ نعمان کو خوف کی لہر اپنی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ایک ایسی روح جس کے پاس مکمل جسم ہے، میں بھی اسی لڑکی کی طرح چار ہزار سال سے زندہ ہوں۔ میں اپنے خدا کی بقاء کے لئے ایک پوشیدہ جنگ لڑ رہا ہوں۔ تم یہ باتیں نہیں سمجھ سکو گے۔ خیر میں بتا رہا تھا کہ مجھے اس لڑکی کی حفاظت کا کام چار ہزار سال پہلے سونپا گیا تھا میں ایک مخصوص وقت تک اسے زمانے کی دسترس سے بچائے رکھوں۔ میں اس کام کی تکمیل کے لئے چار ہزار سال سے چاق و چوبند سپاہی کی طرح مامور ہوں۔

یہ عظیم ہستی میری پوتی کی ایک معمولی سی غلطی سے اپنی سرزمین سے جدا ہو کر یہاں پہنچ گئی۔ اسے یہاں لانے والا ایک معمولی چور تھا اس نے میری آنکھوں میں دھول جھونکی اور اسے خاموشی سے یہاں لے آیا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے اس وکیل سے ایک پرانا فریم مانگا تھا جو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ ایک عرصہ سے میری ملکیت تھا۔ یہ روح اس میں بطور تصویر بند تھی مگر اسے روشنی کی بدولت باہر نکلنے کا موقعہ مل گیا اور وہ باہر نکل کر اس نئی دنیا میں گھومنے لگی جس سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ بالکل نادان ہے اور یہ بھی نہیں جانتی ہے کہ اسے فریم میں رہتے ہوئے اب چار ہزار سال بیت گئے ہیں خود اس کا اپنا جسم اور اس کے محبوب کا جسم سب کچھ مٹی میں مل کر کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اس نے تمہیں دیکھا اور تمہیں ہی اپنا محبوب سمجھ بیٹھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تم میں اس کے محبوب کی ہلکی سی شباہت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم وہ نہیں ہو اسی لئے میں اسے اس گمراہی کی دلدل میں گرنے سے بچانا چاہتا ہوں۔ وہ جس کی امانت ہے اسی کی ہو کر رہے۔ یہی میرا اصل مقصد ہے۔ مجھے اپنے فرض کے لئے اپنی پھول سی پوتی کو بھی اپنے ہاتھوں ہلاک کرنا پڑا جسے میں بے حد چاہتا تھا کیونکہ وہ میرے خاندان کا آخری چشم و چراغ تھی۔ میری سب اولادیں وقت کے ہاتھوں ختم ہو چکی ہیں۔ چار ہزار سال سے میں جس خاندان کو بچائے ہوئے تھا۔ وقت کے استبدادی قدموں نے ایک ایک کر کے ان سب کو روند ڈالا اور اب مورتیب ہی بچی تھی جو میرا اپنا خون تھی۔'' طارنوش کی آواز رندھ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اس نے جبے کے کنارے سے اپنی آنکھیں خشک کیں اور اپنی بات مکمل کرنے لگا۔

''مگر جب میرے وطن کی عظمت کی بات میرے پیش نظر ہوئی تو مورتیب میری پوتی قصور وار نکلی اور میں نے اپنے لرزتے ہاتھوں سے اسے قتل کر کے اس کی لاش یہاں پھنکوادی۔ میرا بھی دل چاہتا تھا میں اسے حنوط کر کے اپنے پاس رکھ لیتا تاکہ وہ مجھے جب یاد آتی تو میں اسے دیکھ لیتا مگر میں اس احمق چور کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ مجھے اپنے ملک کی آن پر اولاد بھی پیاری نہیں ہے۔ میں جب یہاں سے جاؤں گا تو اس کی لاش ساتھ لے جاؤں گا تاکہ اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر سکوں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے کتنا عرصہ ابھی اور جینا ہے اور کتنے امتحانوں سے گذرنا ہے۔ تم شاید تصور بھی نہ کر سکو کہ ایک باپ کے لئے اپنی اولاد کو قتل کرنا کتنا بھیانک عذاب ہوتا ہے۔ میرے کانوں میں آج بھی اس کی دلخراش چیخیں گونج رہی ہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے ابھی تک وہ منظر گھوم رہا جب ایک بدنصیب باپ اپنے ہی ہاتھوں اپنی اولاد کو خون میں غسل دے کر موت کی بھیانک گود میں ڈال رہا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ اس معصوم کے ساتھ میں نے ظلم کیا ہے..... بلکہ میں نے اپنے ساتھ ظلم کیا ہے، خود کو دھوکا دیا ہے۔ میں اس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے بے تاب ہوں۔ اپنے گناہوں کے جرم کے بوجھ تلے دبا

ہوا ہوں۔ اپنی ناکامی پر پیچ و تاب کھا رہا ہوں کہ میری ذرا سی غفلت نے مجھے کتنے بڑے نقصان سے دوچار کر ڈالا جس کی تلافی اب کسی بھی طرح ممکن نہیں..... میں اگر اسے اپنی زمین پر واپس لے جاؤں تو بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکے گی جو کچھ میرے ساتھ بیت چکا ہے۔ جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا اسے بہر حال میں پورا کر کے ہی دم لوں گا۔ میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ ادھورا چھوڑ کر مروں۔''

طارنوش منوف خاموش ہو گیا۔ نعمان اس کی جانب مسلسل تکے جا رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایسا سوز و گداز تھا جو نعمان کے دل پر اثر کرنے لگا۔ نعمان اب اسے مظلوم خیال کر رہا تھا۔

''تمہیں ابھی اولاد سے کوئی واسطہ نہیں..... اس لئے شاید میری کیفیت نہ سمجھ سکو!''

طارنوش منوف کی آواز فرط جذبات سے کانپتی معلوم ہو رہی تھی۔

''اس لڑکی کا کسی اور سے محبت کرنا ہی درحقیقت سب سے بڑی لغزش اور بھول ہے۔ میں اسے سہارا دے کر صحیح راستے پر ڈالنے کا فیصلہ کر چکا ہوں لیکن وہ مجھے اپنی غلط محبت کی راہ میں حائل پا کر یہ خیال کر بیٹھی ہے کہ میں اس کا سب سے بڑا دشمن ہوں حالانکہ یہ سچ نہیں ہے۔ میں تو اس کا سب سے بڑا محسن ہوں۔ اسی لئے میں تمہیں بار بار متنبہ کرتا رہا ہوں کہ تم گمراہی کی دلدل میں گرنے کے بجائے حقیقی زندگی کی صاف اور شفاف راہوں پر گامزن رہو..... اسی میں تمہاری فلاح ہے۔ عہد قدیم میں خدائے آمن رع نے اس کی حفاظت کا کام میرے سپرد کیا تھا اور میں نے سات روحوں کی قسم کھا کر اسے انجام دینے کا اقرار بھی کیا تھا..... میں نہیں چاہتا کہ اس عہد کی دھجیاں اُڑ جائیں۔ ہاں، اگر کوئی میری راہ میں مزاحم ہوا تو میں اس سے نبٹ لوں گا۔ تمہیں اس راہ سے ہٹ جانا چاہئے۔ میں تمہارے قدموں میں ڈگمگاہٹ سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اسی لئے بار بار خود آ کر تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ تم اس سے گریز کرو..... ایسا نہ ہو کہ اس کی لغزش تمہیں بھی لے ڈوبے۔ میں اپنے وطن کے وقار اور عظمت کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا۔ میں تمہیں ایک بار پھر باور کرائے دے رہا ہوں کہ میرے کام کے عقب میں ایک طاقتور ذات ہے جسے میں خدائے آمن رع کہتا ہوں۔ وہ خود میرے کاموں میں میری مددگار ثابت ہوتی ہے اور مجھے غیب کی خبریں پہنچاتی ہے۔ جو بھی شخص اس کے عظیم میں رکاوٹ ڈالے گا یا مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا وہ وقت کے بے رحم ہاتھوں کا شکار ہو جائے گا۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے دل میں وہ خوشی پیدا ہوئی کہ چہرہ تک منور ہوگیا۔ بوڑھا باپ اس کے چہرے پر پھیلی شگفتگی دیکھ کر اکثر کانپ جاتا کہ کہیں اس کے سہانے خواب چکنا چور نہ ہو جائیں۔ نائلہ خوشیوں میں کھوئی کھوئی رہتی۔ اس کا دل اب کسی جگہ بھی نہ لگ پاتا، اس کے دل و دماغ میں نعمان کی خیالی تصویر منقش ہو چکی تھی..... وہ کب اور کیسے وجود میں آ گئی، اس بارے میں اکثر نائلہ خود کو بھی کوئی جواب نہیں دے پاتی۔

ایک رات وہ اپنے گھریلو کاموں سے جلد ہی فارغ ہوگئی۔ اس کے کاموں میں اپنے بوڑھے باپ کو کھانا دینا اور اس کی ٹانگیں دبانا ہی آخری کام تھا۔ بوڑھے باپ نے اسے سونے کی اجازت دی تو وہ لپک کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یوں تو یہ گھر خاصا بڑا بھی نہیں تھا مگر چار بڑے کمروں پر مشتمل اس گھر کو چھوٹا بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ جب اس کے بھائی ساتھ رہتے تھے تو یہ کمرے ان کے پاس ہوا کرتے تھے۔ مگر اب ان کمروں میں صرف دو ہی زیر استعمال تھے۔ ایک میں وہ خود رہتی اور دوسرا اس کے بوڑھے باپ کے مصرف میں تھا۔

نائلہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازے کی کنڈی لگائی اور لپک کر اپنے بستر پر جا پڑی۔ دوسرے ہی لمحے اس کے خوبصورت حنائی ہاتھوں میں ایک اخبار کی تراشی ہوئی تصویر موجود تھی جو کہ اس کے ہونے والے مجازی خدا کی تھی۔ اس نے چاہت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر جب اس نے ساکت و جامد تصویر کو اپنی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھا تو اس کی زبان سے بے ساختہ جملہ نکلا۔

''بے شرم کہیں کے.....''

خود ہی شرم سے دوہری ہونے لگی۔ چہرے پر حیا کی سرخی کے رنگ کھلنے لگے۔ وہ جانے کتنی دیر تک اپنے ان حسین خوابوں میں کھوئی رہی اسے کوئی اندازہ نہیں رہا۔ اچانک کسی آہٹ نے اسے رنگین خوابوں کی دنیا سے نکال کر حقیقت میں لا پھینکا۔ اس نے بستر پر پڑے ہی اپنا سر گھما کر اس جانب دیکھا۔ جہاں اسے چند لمحے قبل کسی آہٹ نے چونکا ڈالا۔ اس کا چہرہ شدت استعجاب سے مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس دل دھک دھک کرنے لگا۔ جو وہ دیکھ رہی تھی کہ عجوبے سے کم نہیں تھا۔ ایک نہایت خوبصورت لڑکی اس کے کمرے میں موجود تھی۔ جس کا لباس بھی اسے نا آشنا سا لگا۔ سیاہ زلفیں اس کے کندھوں پر بکھری تھیں۔ موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جنہیں دیکھ کر اسے اپنی خوبصورتی ماند پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ سرخ و سپید رنگت جس میں ذرا

داغ بھی نہ دکھائی دیتا۔ وہ نائلہ کو مسلسل گھورے جا رہی تھی۔ پھر اچانک اسے اس خیال نے خوفزدہ سا کر دیا کہ وہ اندر کیسے آ گئی جبکہ کنڈی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی۔ متجسس نگاہیں جب دروازے پر چڑھی کنڈی سے ٹکرائیں تو خوف کی جڑیں مضبوط ہوگئیں۔ چہرے پر دہشت کی زردی صاف دکھائی دینے لگی۔ ہونٹوں پر خشکی چھا گئی۔ حلق میں کانٹے سے چبھتے محسوس ہونے لگے۔ آواز گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ بے شک وہ پڑھی لکھی لڑکی تھی مگر ایسے حیرت انگیز منظر کو دیکھ کر بڑے مضبوط اعصاب کا مالک بھی ایک بار ضرور دہل جاتا ہے۔ نوادر لڑکی کی آنکھوں میں غصے کے آثار بھی دکھائی دیتے تھے۔ چند لمحے اسی کشمکش میں نکل گئے کہ یہ سب کیا ہے؟ بالآخر نائلہ نے اپنے خوف پر قابو پایا اور اپنے بے قابو دل کی دھڑکنوں کو سمیٹا۔

''تت..... تت..... تم کون..... ہو..... اور اندر کیسے..... آ گئی..... ہو؟'' نائلہ نے زبان خشک ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پوچھا۔

''ڈر گئی ہو کیا.....؟'' اجنبی لڑکی دبی ہنسی میں مسکراتی ہوئی بولی۔

نائلہ کا سر غیر شعوری طور پر اثبات میں ہلنے لگا جس پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''میرا نام راب شامخ ہے تم مجھے نہیں جانتی مگر میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''رر..... راب شامخ! مگر یہ کیسا نام ہوا؟'' نائلہ کی آواز میں ابھی تک ارتعاش باقی تھا۔

''میرا نام ایسا ہی ہے..... میں تم سے خاص بات کرنے آئی ہوں؟'' وہ بولی۔

''مم..... مگ..... مگر تم اندر کیسے آئی؟ دروازہ تو بند ہے۔'' نائلہ نے کانپتے لہجے میں پوچھا۔

''میں در و دیوار کی قید سے مستثنیٰ ہوں۔ میں جہاں جانا چاہوں بآسانی جا سکتی ہوں اور جو کرنا چاہوں بآسانی کر سکتی ہوں..... کیونکہ میں ایک رُوح ہوں۔'' وہ اٹھلاتی ہوئی بولی۔

''رر..... رر..... رُوح.....؟'' نائلہ اس کے انکشاف سے لرز کر رہ گئی۔

''ہاں ایک رُوح!'' وہ اس کی دہشت سے شاید لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ''میں چاہوں تو تمہیں بھی اسی وقت اپنی ہی طرح روح بنا ڈالوں، ایک بے جسم والی روح!'' اس کی آواز میں زہر بھرا ہوا تھا۔ نائلہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہریں اترتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

''مگ..... مگ مگر میں نے تمہارا کیا برا کیا ہے؟'' نائلہ لرزتی ہوئی بولی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''تم میری خوشیوں کی قاتل ہو، تم ایک سنگدل اور خودغرض لڑکی ہو؟'' وہ پھنکاری۔

''مگر میں نے کیا کیا ہے؟'' نائلہ کی آواز میں شکوہ نمایاں تھا۔

''تم سمجھتی ہو کہ میری محبت کی بنیاد پر اپنا تاج محل تعمیر کرلوگی..... یاد رکھو میرے ہوتے ہوئے ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ میں اپنی محبت کی راہ میں آنے والے ہر طوفان کا رُخ موڑ دوں گی۔''

اس کے لہجے کی استقامت سے واضح تھا کہ وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ نائلہ کے سینے میں اس کی بات تیر کی طرح لگی۔ اسے اپنے اندر کچھ ٹوٹنے کا چھنا کا سنائی دیا شاید خوابوں میں بسے محبوب کی تصویر کا آئینہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ چند لمحے قبل خوفزدہ ہو رہی تھی مگر اس کا خوف جانے کیسے کافور ہوگیا اسے احساس نہیں ہوا۔ وہ ان دیکھی محبت میں اتنی سرشار تھی کہ صحیح و غلط کی تمیز سے محروم ہو چکی تھی..... اس کی نازک پلکوں پر دو موٹے موٹے آنسو ڈھلک آئے۔

''تم نعمان کی بات کر رہی ہو؟'' نائلہ کا لہجہ بجھ سا گیا۔

''خبردار!'' وہ غرائی۔ ''تمہاری زبان سے میرے محبوب کا نام نکلا۔ وہ میرے لئے ہی بنا ہے اور میرے ہی حصے میں رہے گا۔ میں نے اس کے لئے بڑا طویل انتظار کیا ہے، جبر و کشت کی منزلیں طے کی ہیں۔ وہ کل بھی میرا تھا، آج بھی میرا ہے اور ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔''

''مگر تم تو روح ہو اور وہ انسان!!!'' نائلہ نے اپنا دفاع کرنا چاہا۔

''تو کیا ہوا سچی محبت کے لئے جسم و روح کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔'' وہ خونخوار انداز میں مسکرائی نائلہ کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا ایک ایک جملہ نائلہ کی روح میں آگ کا گولا بن کر اترنے لگا۔

''مگر یہ اس دنیا کی ریت نہیں.....!'' نائلہ مختصراً بولی۔

''میں اس دنیا کی ریت، ورواج کو کچھ نہیں جانتی۔ مجھے صرف تم سے یہ کہنا ہے کہ تم خاموشی سے اس کی دنیا سے باہر نکل جاؤ..... کہیں یہ نہ ہو کہ تمہیں ہلاک کرنا میری مجبوری بن جائے۔'' اس کے لہجے میں بلا کی کڑک تھی۔

''تو کیا یہ سب نعمان جانتا ہے؟'' نائلہ دھیرے سے بولی۔

''محبوبہ کی چاہت محبوب نہ جانے..... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس کے چہرے پر استہزائیہ ہنسی نمودار ہوئی۔ نائلہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

''تو پھر..... اس نے میرے گھر رشتہ کیوں بھیجا؟ کیا ہم لوگ پہلے کم دکھوں کے مارے ہیں کہ اس نے ہماری آن پر ہاتھ ڈال دیا۔'' نائلہ کے سب خواب چور چور ہو چکے تھے۔ اس کے دل میں پنپنے والی محبت دم توڑنے لگی۔ جسے وہ اپنا سب کچھ سمجھ چکی تھی وہ کسی اور کی زلف کا اسیر نکلے گا یہ تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

''یہ سب اس کا کیا دھرا نہیں ہے!'' وہ ادائے دلفریبی سے گویا ہوئی۔ ''یہ سب اس وکیل کی کارستانی ہے جو اس تعلق سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی یہ کوشش کر رہا ہے کہ وہ اپنی محبت میں ناکام رہ جائے اور کوئی دوسری لڑکی اس کی شریک حیات بن جائے مگر میں ایسا کسی بھی صورت میں نہیں ہونے دوں گی۔ میں نعمان کی محبت میں کہاں تک جاسکتی ہوں اس کا اسے شاید اندازہ نہیں۔''

''اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' نائلہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب؟'' وہ اس کی بات پر بھونچکا رہ گئی۔

''مطلب صاف ہے کہ تم ایک روح ہو۔ میں اس بارے میں نہیں جانتی تھی مگر یہ بات تم نے خود ابھی چند لمحے قبل بتائی۔ نعمان جو تمہارا محبوب ہے وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے۔ کسی بھی روح کے ساتھ اسے گذارا کرنا پڑے، یہ ناممکن سی بات ہے۔ کھانا پکانا تو وہ ایک وقت میں کسی ملازمہ سے کرالے گا۔ کپڑے وہ کسی ڈرائی کلینر سے بھی دھلوا لے گا۔ اسی طرح بہت سارے کام وہ کسی نہ کسی طرح کروالے گا مگر ایک خاص چیز جو اسے بار بار احساس دلائے گی وہ اسے کہاں سے ملے گی..... تم تو اک روح ہو۔'' نائلہ کا لہجہ کڑوا ہو چکا تھا۔

''کیا مطلب؟..... تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' اس کی آواز میں تفکر عیاں تھا۔

''کیا تم اسے اس دنیا میں ایک وارث دے سکو گی؟'' نائلہ نے تیز لہجے میں کہا۔ ''کیا تم اس کی نفسانی خواہشات پر پورا اتر سکو گی؟ کیا تمہارے پاس وہ سب کچھ ہے جو ایک مکمل عورت کے پاس ہوتا ہے؟''

نائلہ کے سوالات نے راب شامخ کا پورا وجود ہلا کر رکھ ڈالا۔ وہ پھٹی پھٹی سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ روح کا جسم سے ملاپ کرنا کوئی فطری عمل نہیں۔ اس کے پاس جسم تو تھا مگر وہ ان رنگوں کا محتاج تھا جو اس تصویر کے خالق نے اسے دیئے تھے۔ وہ کوئی نیا لباس نہیں پہن سکتی تھی۔ کوئی نیا انداز نہیں اپنا نہیں سکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نعمان کو وارث نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دے سکتی تھی۔ کوئی بھی شخص خواہ کسی سے کتنی ہی محبت کیوں نہ کرتا ہو۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اس کی محبت پر اولاد کی کمی رخنہ انداز ضرور ہوتی ہے۔

''اب بولو خاموش کیوں کھڑی ہو؟'' نائلہ چبھتے انداز میں بولی۔ چند لمحے پہلے جو خوف اس کے دل و دماغ پر چھا گیا تھا اب اس کا دور دور تک نشان باقی نہیں دکھائی دیتا تھا۔

''مگر وہ مجھے بے حد چاہتا ہے وہ ان سب باتوں سے قطع نظر میرا ہی بن کر رہے گا۔'' اس کی آواز میں کھوکھلا پن جھلکنے لگا۔

''ٹھیک ہے!'' نائلہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ ''اگر میرے رب نے میری قسمت میں صبر و شکر ہی لکھ رکھا ہے تو ایسے ہی سہی۔ میں تمہیں ایک موقعہ دیتی ہوں، جاؤ اسے اپنا بنالو، اس کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اگر تم اس میں کامران ہوگئی تو یہ باعث خوشی ہوگا اور اگر تم ناکام ہوگئی تو میں تمہاری جگہ ضرور لے لوں گی بلکہ اگر تمہیں اس سے واقعی سچی محبت ہے تو اس پر پہلے یہ حقیقت منکشف کرو کہ تم اسے وہ سب نہیں فراہم کرسکو گی۔ جس کی اسے اس دنیا میں ضرورت ہے۔ پھر اگر وہ تمہیں قبول کرلے تو میں اس کی عظمت کو سلام کروں گی اور خود کو بدنصیب جانوں گی کہ ایسا محبوب میرے حصے میں کیوں نہیں آیا۔''

''تم مجھے گمراہ کرنا چاہتی ہو کہ میں اتنی جہد و جہد کے بعد جس مقام پر پہنچ گئی ہوں اسے ایک بار پھر اپنے ہاتھوں سے کھودوں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں وقت آنے پر تم پر ظاہر کردوں گی کہ دنیاوی ضرورتوں سے کہیں زیادہ مخلص محبت ہی ہم دونوں میں ایک اٹوٹ بندھن ثابت ہوگی۔'' اس کی آواز فرط جذبات سے لرزنے لگی۔

''میں انتظار کروں گی.....!!!'' نائلہ نے اپنے کندھے اچکائے۔

ملکہ راب شامخ وہاں سے اسی طرح غائب ہوگئی جیسے وہ وہاں وارد ہوئی تھی۔ نائلہ کی بے خوف نگاہوں نے وہ منظر دیکھا جسے دیکھ کر بڑوں بڑوں کے اوسان خطا ہوجاتے۔ اس کے جانے کے بعد نائلہ کے چہرے پر اداسی سی چھانے لگی۔ وہ تڑپ کر رہ گئی کہ تقدیر نے اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلا تھا۔ جب خوشی کے پھولوں نے اس کے آنگن کو سجانا چاہا تو دکھوں کے کانٹوں سے اس کی اپنی روح ہی تارتار ہوگئی۔ جانے کیوں اس کے دل میں یہ یقین تھا کہ نعمان اسی کا ہی ہوکر رہے گا۔ وہ روح اس حقیقی دنیا کے تقاضوں میں اس کی کوئی مدد نہیں کرسکے گی اور پھر نعمان یکسانیت سے اکتا جائے گا..... مگر یہ کب تلک ہوگا؟ وہ اس بارے میں خود بھی

لاعلم تھی۔

حسن مراد نعمان کی جانب سے بالکل مطمئن ہوچکا تھا۔ اس کا رشتہ طے تھا۔ تین دن بعد اس کی بارات تھی۔ سب کام خوش اسلوبی سے طے پاچکے تھے۔ حسن مراد نے شیخ رضی الدین کی کسمپرسی کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی سادہ طریقے سے نکاح کی فرمائش کی تھی۔ جس پر نعمان بھی متفق ہوگیا اور شیخ رضی الدین بھی۔ چند باراتیوں کے ساتھ رخصتی ہونا طے پایا۔ حسن مراد نے اس رشتے کو نعمان کی خوش نصیبی قرار دیا۔ وہ اس شادی میں بذات خود بہت زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔

شام کو دفتر میں بیٹھا وہ اپنے کام نمٹا رہا تھا کہ فون پر اسے شیخ رضی الدین نے اپنی بیٹی کے انکار سے آگاہ کیا اور اس شادی سے معذرت کی۔ جس پر حسن مراد طیش میں آگیا اس نے اس عجیب رویئے پر اسے خوب کھری سنائیں۔ اس کے بعد فون تو پٹخ دیا مگر طبیعت میں چھائی عجب سی بے کلی نے اس کے قدموں کا رُخ شیخ رضی الدین کے گھر کی طرف کردیا۔ وہ جب وہاں پہنچا تو شیخ رضی الدین صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اس کا رسمی سا خیر مقدم کیا۔ حسن مراد نے بیٹھتے ہی اس شادی سے انکار کی وجہ دریافت کی۔

''شیخ صاحب!'' حسن مراد بولا۔ ''آپ سمجھدار انسان ہیں بھلا مجھے بتائیں کہ جب وقت تھا انکار کرنے کا۔ اس وقت تو ایسی کوئی بات نہیں ظاہر ہوئی اور اب جب شادی سر پر آکھڑی ہے تو آپ نے کورا جواب دے دیا..... یہ بھلا کہاں کی انسانیت ہے؟ میں نعمان اور اس کے احباب کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ جن لوگوں کو شادی کے بارے میں پتہ چل چکا ہے انہیں کیسے مطمئن کروں گا؟''

''وکیل صاحب!'' بوڑھا کمزور باپ نقاہت بھرے لہجے میں بولا۔ ''میں اپنی بیٹی کی خوشیوں اور سکھ کے لئے یہ شادی کرنا چاہتا ہوں اگر اسے سکھ و خوشی کے بجائے غموں کا آنگن ملنے کا اندیشہ نہیں بلکہ یقین ہوجائے تو ایسی آگ میں کونسا باپ اپنی بیٹی جھونک سکتا ہے؟''

''کیا مطلب؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' حسن مراد کے چہرے پر غصے کی جگہ حیرت نے لے لی۔

''لڑکی والوں کو اپنی بچی کے عیب چھپانا پڑتے ہیں کہ کہیں اچھا رشتہ ان کے ہاتھ سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہ نکل جائے۔ مگر لڑکے والوں کو بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس کا تجربہ زندگی میں مجھے پہلی بار ہوا ہے۔'' شیخ رضی الدین کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

''شیخ صاحب! سیدھی بات کریں مجھے پہیلیاں بوجھنے کی عادت نہیں ہے۔'' حسن مراد نے تیز لہجے میں کہا اس کا چہرہ اس کی باتوں پر ٹھنک سا گیا تھا۔ نعمان کا قتل کیس میں ملوث ہونے کا اندیشہ اس کے ذہن میں سر اُٹھانے لگا۔

''تم نے کہا کہ نعمان ایک سیدھا سادا اور ہونہار لڑکا ہے۔ میں نے مان لیا شرافت کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ تم نے کہا کہ وہ اس دنیا میں اکیلا رہ گیا ہے اس کے سب رشتہ دار اب اس دنیا میں نہیں رہے جن لوگوں پر اسے بھروسہ تھا تقدیر نے انہیں بھی اس سے چھین لیا۔ میں نے یہ حقیقت بھی تسلیم کر لی کہ یہ دنیا ہے اس میں ایسا ہونا کوئی غیر فطری بات نہیں۔ بہت سارے لوگ اسی طرح تنہا رہ جاتے ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ امیر ہے اچھا خاصا بزنس کرتا ہے، روپیہ پیسہ کی ذرا سی بھی تنگی نہیں۔ میں نے تسلیم کر لیا کہ اللہ جب نوازتا ہے تو ایسوں کو پہلے ترجیح دیتا ہے جن کا دنیا میں کچھ باقی نہ رہ گیا ہو۔ تم نے کہا کہ اس نے آج تک کسی لڑکی کی جانب میلی نگاہ سے نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ کسی سے منسوب رہا۔ میں نے تمہاری یہ بات بھی تسلیم کر لی..... مگر میرے دل میں یہ خدشہ ایک مرتبہ ضرور پیدا ہوا کہ ایسے شخص کو اپنی سوسائٹی میں کوئی اچھی لڑکی کیوں نہیں ملی جو اس نے اس غریب کے گھر کا رُخ کیا۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں سے یہ آواز نکلی کہ شاید میری بیٹی کا مقدر جاگ گیا ہے اور میرے اللہ کو میری حالت پر ترس آ گیا ہے مگر بات یہ نہیں نکلی..... بات کچھ اور ہی نکلی، تمہارا نامزد کیا ہوا لڑکا کسی اور کے عشق میں مبتلا تھا اور تم محض اسے کسی بڑے نقصان سے بچانے کے لئے مجبور کر رہے تھے کہ وہ میری بیٹی سے شادی کر لے..... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجبوری میں کی گئی شادی خوشگوار ثابت ہوگی۔''

''میرا خیال ہے کسی نے آپ کے کان بھر دیئے ہیں اور آپ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ دیکھئے جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ نہ کیجئے۔'' حسن مراد اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''کان بھر دیئے..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تمہارے خیال میں، میں نے اپنے بال دھوپ میں سفید کئے ہیں۔ میں ایک بیٹی اور دو ناخلف بیٹوں کا باپ ہوں، میں نے زندگی کے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں۔ لوگ اپنی پاگل بیٹیاں ایسے بیاہتے ہیں جیسے تم اپنے دوست کو بیاہ رہے

ہو۔'' شیخ رضی الدین کے لہجے میں تلخی ابھر آئی۔

''مجھے بتایئے کیا خرابی ہے نعمان میں..... آپ کو اس کی ذات میں کونسا ایسا عیب دکھائی دیا کہ آپ اتنا بڑا اقدم اُٹھانے پر مجبور ہیں۔'' حسن مراد ناگواری سے بولا۔

''کیا یہ عیب کم ہے کہ اس پر نامعلوم لڑکی کی روح کا قبضہ ہے!!!'' وہ حقارت سے بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' حسن مراد کو ایک لمحے کے لئے یوں لگا کہ جیسے کوئی زلزلہ آ گیا ہو۔ اس کے لہجے کی تیزی معدوم ہو کر رہ گئی۔

''برخوردار!'' شیخ رضی الدین اس کے شانے تھپکتا ہوا بولا۔ ''بننے کی کوشش مت کرو، تمہارا چہرہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جو میں نے ابھی کہا ہے وہ سچ ہے۔''

''مگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے پہلے پوچھ تو لیں کہ حقیقت کیا ہے؟'' حسن مراد نے صفائی پیش کرنا چاہی مگر شیخ رضی الدین کا اُٹھا ہوا ہاتھ دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''برخوردار! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ روحوں کے چکر میں پھنسے ہوئے نوجوان راستے سے اکثر بھٹک جاتے ہیں۔ ان کے لئے گلے میں لٹکائی ہوئی بیویاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ پھر کیا تم مجھے اس بات کی ضمانت دو گے کہ وہ روح میری بیٹی کے حقوق میں کوئی دخل اندازی نہیں کرے گی یا پھر وہ نوجوان میری بیٹی کو اس کے کہنے پر کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

''دیکھئے! وہ خود اس پراسرار چکر سے نجات پانا چاہتا ہے اسی لئے اس نے یہ شادی کرنے کی ہامی بھری ہے۔ کسی کو کوئی شوق نہیں ہوتا کہ وہ روحوں سے ملاقاتیں کرے اور ان کی محبت میں گرفتار ہو جائے اگر کوئی روح کسی نوجوان پر کسی وقت عاشق ہو جائے تو اس میں اس کا قصور نہیں ہوگا۔ میں نے یہ بات صرف اسی نکتہ نظر سے پوشیدہ رکھی تھی کہ وقت آنے پر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور وہ دوست بھی اس پراسرار چکر سے باہر نکل کر ایک عمدہ اور بہتر زندگی گذارنے کے قابل ہو جائے گا۔'' حسن مراد نے سر جھکا کر کہا۔

''ٹھیک ہے میں اس شادی پر تیار ہوں مگر میری شرط یہی ہے کہ تم اس کا علاج کراؤ، اس روح سے اس کا پیچھا چھڑا دو۔ اس کے بعد جب مرضی چاہے بارات لے کر آ جانا۔'' شیخ رضی الدین نے دوٹوک انداز میں کہا۔ حسن مراد نے اسے بے حد قائل کرنا چاہا مگر اس نے کسی بھی قیمت پر اس شادی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ شیخ رضی الدین اس موقف پر اڑا رہا کہ کل کلاں وہ روح اس کی بیٹی کو نقصان پہنچا دے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

حسن مراد اس کی باتیں سن کر بجھا بجھا سا واپس ہولیا۔ اس کے جانے کے بعد نائلہ اوٹ سے نکل کر اپنے شفیق باپ کے سامنے آبیٹھی۔ شیخ رضی الدین کی آنکھوں میں تقدیر کے یوں مذاق اُڑانے پر آنسو بھر آئے تھے مگر نائلہ کی شکل دیکھتے ہی وہ ان آنسوؤں کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پی گیا۔

''ابا جی!'' نائلہ آہستگی سے بولی۔ ''یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ حالانکہ میں نے تو ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔''

''جوان بیٹیوں کے باپ غفلت کی نیند نہیں سویا کرتے۔ تمہارے کمرے میں ہونے والی آہٹ نے مجھے تمہارے دروازے پر آنے پر مجبور کر دیا اور پھر اس روح نے جو کچھ تم سے کہا میرے کانوں نے وہ بڑے تحمل سے سنا۔ میں نے رات ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی بیٹی کو شعلوں میں ہرگز نہیں جھونکوں گا..... ایک نعمان نہیں اس دنیا میں بہت سارے نعمان موجود ہیں۔ تیرا رشتہ اگر اس نعمان سے طے ہونا ہوتا تو ہو جاتا۔''

بوڑھا شیخ رضی الدین اپنے اندر برپا شور گریہ کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا مگر بیٹی کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے سیلاب کے سامنے وہ بھی اپنے تلاطم پر قابو نہ رکھ سکا۔

نعمان کو حسن مراد کی زبانی نائلہ کے والد کے انکار کا پتہ چلا۔ جب اسے حسن مراد نے وجہ بتائی تو اس نے سمجھ لیا کہ ملکہ راب شامخ نے نائلہ کے سامنے فریاد کی ہوگی جس پر نائلہ ایک عورت ہونے کے ناطے پگھل گئی اور خود بخود اس کی راہ سے ہٹ گئی۔ نعمان کو اس شادی کے منسوخ ہونے پر کوئی صدمہ نہیں محسوس ہوا۔ وہ تو پہلے ہی اس شادی پر رضامند نہیں تھا۔ اس کی کوشش یہی تھی کہ حسن مراد اپنی ضد چھوڑ دے مگر حسن مراد کی ذات سے اسے قلبی لگاؤ تھا۔ اسی لئے وہ اس کی ضد کے سامنے خاموش ہوگیا۔ ان دیکھی نائلہ کسی بھی طرح سے اس کی آئیڈیل نہیں تھی۔ وہ اپنے جیون ساتھی میں ان خصوصیات کو دیکھنا چاہتا تھا جس کی اسے بچپن سے تلاش تھی..... اور ان سب خصوصیات کی حامل صرف وہ پراسرار لڑکی ہی تھی جس کے بارے میں پراسرار روح ہونے کی گواہی نے اس کے دل کو چیر کر رکھ دیا۔ وہ اس کے تصور کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کا خیال تک دل میں لانے کو تیار نہیں تھا۔ بے شک حسن مراد نے اس کے مستقبل کی تابناکی کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹھیک تجویز دی تھی مگر اس کا دل اس پر مطمئن نہیں تھا۔ وہ ہر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قیمت پر اسے ہی پانا چاہتا تھا مگر کوئی راہ اسے سجھائی بھی نہیں دیتی تھی۔ وہ کئی دن سے اس کا منتظر تھا۔ بوڑھے طارنوش منوف کی باتیں اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ اس نے انہیں اپنے ذہن کے دریچوں سے جھٹک ڈالا۔

ایک رات وہ اپنی خواب گاہ میں لیٹا ہوا تھا۔ سردی کی شدت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔ وقت کے ساتھ موسم بھی بدل جاتے ہیں۔ اس رات کچھ ایسا سماں تھا کہ لگتا تھا کوئی خوفناک طوفان آنے والا ہے۔ سرشام ہی بادلوں کے جھرمٹوں نے آسمان ڈھک دیا۔ کب دن رات میں ڈھل گیا کسی کو کچھ اندازہ نہ ہوسکا۔ جب رات کی تاریکی چھائی تو بادلوں کی نکھری رنگت سے آسمان چمک اُٹھا۔ چاند جانے کس آنگن میں جا چھپا۔ لوگ سردی کے خوف سے سرشام ہی اپنے اپنے بستروں میں جا دبکے۔ ہر سو بھیانک سناٹا پھیل گیا۔ پوش علاقوں میں تو ایسی راتیں بے حد سنسنی خیز معلوم ہوتی ہیں۔ سڑکوں پر چہل پہل مفقود ہو کر رہ گئی۔

پرہول رات کے اس ہولناک سناٹے میں نعمان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے گذشتہ حیرت انگیز حالات و واقعات کی سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ وہ ان حالات کو صرف اپنے ہی ساتھ پیش آنے پر بے حد حیران تھا کہ ہوا کے تیز جھونکے نے اس کے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے اپنے خیالوں کو جھٹک کر اس جانب نگاہ اُٹھائی۔ وہاں اسی ہوشربا اور قاتل ادا حسینہ کو دیکھتے ہی اس کے پرتفکر چہرے پر بشاشیت چھا گئی۔ دل اس کی آمد پر مسکرا اُٹھا مگر اسی لمحے ہی دماغ نے اسے احساس دلانا شروع کر دیا کہ وہ اس کی جانب نہ بڑھے۔ پھر کیا تھا؟..... دل و دماغ میں تصادم سا شروع ہوگیا۔ دونوں ایک دوسرے کو قائل کرنے کے لئے عجب دلیلیں پیش کرنے لگے۔ نعمان اسی کشمکش میں بستر میں ہی دبکا رہا۔ وہ حسینہ دلربا اس کی جانب دیکھ کر اک ادا سے مسکرائی تو نعمان کا دل باغ باغ ہوگیا مگر عقل نے اس کی مسکراہٹ کو فوراً سنہرے جال سے تعبیر کیا۔ سفید لباس میں ملبوس وہ پروقار انداز میں اندر داخل ہوئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے پاس آکر رک گئی۔ نعمان نے غیر ارادی طور پر اسے بیڈ کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس اشارے کے مفہوم کو سمجھ کر دھیرے سے مسکرا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کرسی پر بیٹھ گئی۔

''تم آج پھر آگئی ہو.....؟'' اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

''میرے محبوب! میں آپ سے دور ہی کب ہوں؟'' وہ مسکرا کر بولی۔

"کیا تم میرے سوال کا جواب دینے آئی ہو؟"

"اُف میرے خدا! آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔" وہ پہلو بدل کر تلملائی۔ "یہ میری انتہائی بدنصیبی ہے کہ میں اپنی بے پناہ اور بے غرض محبت کے باوجود بھی آپ کو اپنے رنگ میں نہیں ڈھال سکی۔ جانے کیوں آپ میرے وجود سے خوفزدہ ہیں؟ حالانکہ میں نے کبھی آپ کے بارے میں برا نہیں سوچا۔ ہمیشہ آپ کے فائدے میں ہی سرگرداں رہی۔"

"میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں بس سردی کے باعث کچھ طبیعت میں گرانی محسوس ہو رہی ہے۔ بہرحال تم میرے سوال کا جواب دو۔" نعمان نے بہانہ تراشا۔

وہ دھیرے سے بولی۔ "میرے محبوب! خواہ میری ہستی کا اک اک ذرہ فنا کی آغوش میں کیوں نہ پہنچ جائے میں آج اس گہرے راز سے پردہ اُٹھا کر ہی رہوں گی اگر آج میں نے خود اپنے اندر لچک پیدا نہ کی اور آپ کو ان حقیقتوں سے آگاہ نہ کیا تو شاید میں آپ کے سامنے کبھی سرخرو نہ ہو سکوں گی۔ فاصلوں کی یہ سنگلاخ چٹانیں ہمارے بیچ میں بلند ہوتی جائیں گی اور شاید میں واپس انہی تاریکیوں میں دھکیل دی جاؤں جہاں سے نکلنے میں مجھے کئی صدیاں بیت گئیں۔

میری جانب دیکھئے! اپنی آنکھیں مجھ سے مت چرایئے! شاید ان آنکھوں میں کھو کر آپ وہ سب دیکھ سکیں جو میرے اور آپ کے بیچ میں کبھی باقی تھا۔ میں وہ سب بتاؤں گی جس سے آپ کو دوبارہ پا سکوں۔ عہد ماضی کی وہ دلخراش داستان جس کے گہرے زخم لئے میں کب سے دربدر بھٹک رہی ہوں۔ میں آج یہ بیان کروں گی کہ میں آپ کی الفت میں کتنی ثابت قدم رہی۔ میرا حال تو آپ کے سامنے ہے مگر ماضی...... سلگتا ہوا ماضی بھی کچھ ہی دیر میں آپ کو یاد آجائے گا لیکن پھر کیا ہوگا میں نہیں جانتی صرف میرا رب کائنات ہی ان رازوں سے آگاہ ہے۔ کیا وہ آج میری منزل مجھے لوٹا دے گا یا پھر مجھ سے کوئی اور امتحان طلب کرے گا۔

میرے لئے راز محبت ہی سب کچھ ہے۔ اسی کو میں اپنے سینے میں چھپائے انتظار کی صبر آزما گھڑیوں کو بیتاتی رہی لیکن آج میری محبت کو شک کی نگاہ سے دیکھ کر آپ نے میرے ارمانوں کی توہین کی ہے۔ آج آپ کے اصرار نے مجھے مجبور کر ڈالا ہے کہ میں اپنی سچائی کو سامنے لاؤں۔

محبت کی بھینی بھینی...... وہ خوشبو جو ہزاروں برسوں سے میرے غنچہ دل میں پوشیدہ اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

محفوظ چلی آ رہی تھی۔ کائنات کے ہر گوشے میں پھیل جائے گی۔ میں نے صرف آپ کے لئے انگاروں پر تڑپنا منظور کیا۔

وہ بول رہی تھی مگر نعمان اس کی باتوں سے اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ وہ کس عذاب کے مسلط ہونے کا ذکر کر رہی تھی؟ اس سے نعمان قطعی بے خبر تھا۔ اس کا ذہن دوبارہ جنم کے ہندی فلسفے آواگون پر الجھ گیا۔ کیا واقعی اس کائنات میں جسم انسانی دوبارہ جنم لے سکتا ہے؟...... لیکن اس کے بارے میں تو اس کا دین سختی سے مخالفت کرتا ہے اور اس عقیدے پر یقین کرنا یقیناً کفر کے زمرے میں آئے گا۔ تو کیا پھر وہ اس کی باتوں پر یقین کر لے؟ اک سوال اس کے دماغ میں اُٹھا۔ جس کی بھرپور مخالفت اس کے شعور نے کی۔ اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو لگاتار اپنی تعریف اور اس کی یادداشت کے دکھڑے سنا رہی تھی۔

"سُنیئے میرے محبوب! میں اب اپنے اور آپ کے ماضی کی جانب لوٹ رہی ہوں...... آپ کو جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ ہم کب پہلی بار ملے تھے؟

میرا نام راب شانخ ہے۔ میں ایک ایسی بدنصیب لڑکی ہوں جس نے آج سے چار ہزار سال پہلے تہذیب و تمدن کے اولین گہوارے مصر میں جنم لیا۔ بچپن بیتا تو جوانی نے دل کے دروازے پر دستک دی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ میرے دل میں قدرت ہی کی جانب سے محبت کی دھڑکن کے ساز بجنے لگے ہیں۔ گو کہ میرا بچپن بے فکری سے گذر گیا۔ مگر اس نئی امنگ نے میرے اندر عجب سی کشمکش رونما کر دی۔ دریائے نیل کے کنارے میرے اجداد کاشتکار تھے۔ میں اکثر دریا کے کنارے بیٹھی رہتی اور مرغابیوں کا شکار کیا کرتی۔ دریا کا کنارہ ہی میرے احساسات کا واحد گواہ تھا۔ مصر کے مشہور بادشاہ عظیم خوفو فرعون کا دور تھا۔ بڑے اہرام کی تعمیر بڑے زور شور سے جاری تھی۔ لاکھوں مزدور روزانہ پتھر تراشتے اور اسے اُٹھا کر اہرام کی بالائی منزلوں تک لے جاتے۔ دریا کے دوسری جانب تھوڑی ہی دور بڑے بڑے اہرام کے دامن میں خوب صورت محل اور شاہی عمارتیں مجھے صاف دکھائی دیتیں۔ میں اکثر یہ سوچتی کہ ان میں کیسے لوگ رہتے ہوں گے؟ میری جوانی پر جب پورا شباب چھایا تو دیکھنے والوں کی زبانی پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ میں غیر معمولی طور پر حسین ہوں۔ کئی لوگ میرے باپ کو یہ مشورہ دیتے کہ وہ اپنے ساتھ لے کر کہیں دور چلا جائے۔ کہیں عظیم خوفو کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو وہ اسے تم سے چھین لے گا۔ مگر میرا باپ نہ مانا۔ ہم لوگ وہیں مقیم رہے۔ دن بدن میری جوانی پر نکھار آنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لگا۔

ایک شام جب نیل کا پانی بے حد پرسکون تھا اور موسم میں بڑی دلکشی تھی تو میں اس موسم سے لطف اندوز ہونے کے لئے دریا کے کنارے آبیٹھی۔ میری دیکھا دیکھی کچھ دوسری لڑکیاں بھی میرے قریب آگئیں۔ موسم کی اٹھکیلیوں نے ہمیں مست کرڈالا۔ میں بے خودی ان کے درمیان مچلنے لگی۔ پھر یکایک میں نے ایک شاہی کشتی دریا کے دوسرے کنارے کے ساتھ چلتی دیکھی۔ شاہی کشتی کو دیکھتے ہی میری سہیلیاں مجھے تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ میرے دل میں گہرے تجسس نے انگڑائی لی کہ وہ لوگ کیسے ہیں جو اس جانب رہتے ہیں اور ہمارے حاکم کہلاتے ہیں میں نے وہیں ٹھہر کر اسے دیکھنا شروع کردیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد مجھے وہ لوگ دکھائی دینے لگے۔ وہ بلاشبہ عظیم خوفو تھا۔ جو پورے مصر کا سب سے بڑا حکمران اور فرعون تھا۔ وہ اپنے عہد کا اتنا بڑا بارُعب بادشاہ تھا کہ کوئی اس کی جانب آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھتا تو وہ اس کی آنکھیں نکلوا دیتا۔ اس کے ساتھ اس کی ملکہ اور نوجوان شہزادہ بھی موجود تھا۔ عظیم خوفو کا دھیان دوسری طرف تھا۔ اس لئے میں اسے دکھائی نہ دی۔ وہ اپنی ملکہ سے باتوں میں اتنا محو تھا کہ اسے گرد وپیش کی خبر بھی نہیں تھی۔ شہزادہ کشتی میں ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ شاید اسے بھی کسی ساتھی کی ضرورت تھی مگر وہ تنہا اس صورتحال میں بے زاری محسوس کررہا تھا۔

میری نگاہیں جب اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے جاٹکرائیں تو میرے دل پر ایسا دھچکا لگا کہ میں بے خود ہوکررہ گئی اور جانے کب دریا کی بے رحم لہروں میں تڑپنے لگی۔ وہ یہ سب دیکھ رہا تھا۔ میری ڈوبتی چیخوں سے عظیم خوفو بھی میری جانب متوجہ ہوگیا۔ اب عالم کچھ یوں تھا کہ کنارے پر موجود میرے قبیلے کے لوگ تو کھڑے تھے مگر کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ دریا میں کود کر میری جان بچا سکے۔ ان کی گردنیں خم تھیں اور وہ اپنے آقا کے حضور کھڑے تھے۔ جس کے اشارے پر ہی وہ میری جان کے محافظ بن سکتے تھے۔ دوسری جانب عظیم خوفو کشمکش کا شکار دکھائی دیتا تھا۔ میں اس کی تنہائی میں دخل اندازی کا موجب بنی تھی۔ وہ میری جان بچانے کی اجازت نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں اتنے عرصے سے اس کنارے پر بیٹھتی رہی مگر مجھے کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا کہ دریا میں اتر کر تیراکی بھی سیکھنی چاہیے۔

اب کیا ہوسکتا تھا؟

میں دریا کے پانی کے رحم وکرم پر تھی۔ عظیم خوفو کا جوان بیٹا مجھے اس نازک حالت میں

کر بے چین سا ہوگیا۔ اس نے تیزی سے کشتی ران کو حکم دیا کہ کشتی کو میرے نزدیک لایا جائے۔ کشتی ران اپنے آقا کا حکم تیزی سے بجالایا۔ عظیم خوفو نے اس معاملے میں کوئی رخنہ نہ ڈالا۔ جونہی کشتی میرے نزدیک پہنچی تو اس نے مجھے ہاتھ بڑھا کر پکڑلیا اور تیزی سے اوپر کھینچ کر کشتی میں گرالیا۔ میری غیر معمولی خوبصورتی، قیامت خیز جوانی اور پانی سے بھیگا بدن کسی کی بھی نگاہ خیرہ کردینے کے لئے کافی تھا۔ عظیم خوفو نے جب مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی مگر جانے کیوں دوسرے ہی لمحے وہ معدوم ہوگئی۔ فرعونی شہزادے کی نگاہیں تو جیسے میرے بدن سے چپک ہی گئیں۔ میں نے تیزی سے خود کو سنبھالا اور گیلے بدن کو بانہوں کے حلقے میں سمیٹ لیا۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میں اب ان کی داسی بن چکی ہوں۔ فرعونی قوانین کے مطابق کوئی خوبصورت لڑکی جب کسی شاہی فرد کے ہاتھ لگتی تو وہ اسی کی تسلیم کی جاتی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عظیم خوفو مجھے شہزادے کے ہاتھوں میں دیکھ کر بجھ سا گیا تھا۔ اسے مجھے نہ پانے کا گہرا رنج تھا۔ میں اب شہزادے کی ملکیت تھی۔ وہ میرے ساتھ جیسا چاہتا سلوک کرتا۔ شہزادے کے دل میں جانے کیا آیا اس نے مجھے کنارے پر بحفاظت اتار دیا۔ سب لوگ قوانین میں اس نئی تبدیلی پر دنگ رہ گئے۔ شہزادے نے جاتے ہوئے ایک بار پھر مجھے دیکھا تو میرا رواں رواں سرشاری کے عالم میں کانپ اُٹھا۔ پھر وہ واپس چلا گیا مگر جاتے جاتے وہ میرا سب کچھ ساتھ لے گیا تھا۔ یہ تھی میری عظیم محبت کی لازوال ابتداء......!

آپ جانتے ہو کہ وہ شہزادہ کون تھا؟......وہ آپ ہی تھے۔ جب ہم پہلی بار ملے تھے۔"

نعمان جو اس کی داستان سننے میں منہمک تھا اس کے انکشاف سے بری طرح اچھل پڑا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں چار ہزار سال پہلے فرعون مصر کے گھر میں پیدا ہوا؟"

"میرے محبوب!" وہ تلخی سے ہنسی۔ "کیا اس کا جیتا جاگتا ثبوت میں آپ کے سامنے نہیں ہوں۔ پہلے میری داستان سن لیجئے پھر کوئی سوال کیجئے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جب آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں تنہا رہ گئی تو میرے لئے دن رات صدیوں برابر ہوگئے۔ میرا چین سکون آپ ہی کے ساتھ رخصت ہوگیا۔ میرے جذبہ محبت کے عروج نے مجھے تیراکی سے آشنا کردیا اور پھر میں ایک دن دریا نیل کی لہروں کو چیرتی ہوئی شاہی محل کے سامنے جا پہنچی۔ میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جانتی تھی کہ اگر کسی نے مجھے وہاں دیکھ لیا تو میں سدا اس کی باندی بن کر رہ جاؤں گی۔ اس لئے میں نے اپنا حلیہ نک بدل ڈالا۔ میں نے جلد ہی معلوم کر لیا کہ آپ کا محل کس جانب ہے اور اس طرف کی روشن چوکی کے سامنے ڈیرہ جما لیا۔ میں گھنٹوں اس امید پر کڑی دوپہر میں وہاں کھڑی رہی کہ آپ کے رُخ رخشاں کا دیدار مل جائے مگر آپ کی زیارت نہ پا کر میں شام کو وہاں سے ناکام لوٹ آئی۔ دل میں جس ٹھنڈک وسکون کا ارمان تھا وہ دل میں ہی رہ گیا۔ اس روز کی ناکامی نے میرے جذبہ محبت میں ہمت واستقلال کی نئی روح پھونک ڈالی۔ میں نے اگلے ہی روز پھر رخت سفر باندھا اور اسی مقام پر جا کھڑی ہوئی۔ انتظار وصل میں تمام وقت جھلتی رہی۔ اس روز بھی کامرانی نے میرے دامن کو نہ چھوا۔ ناکامی کی تاریکی نے تیسرے روز بھی میری امیدوں کی شمع کو روشنی نہیں بخشی۔ میں اس روز بھی واپس لوٹ آئی۔ بار بار یہی خیال دامن گیر ہوتا کہ کاش اس دن مجھے تنہا چھوڑ کر جانے کے بجائے آپ مجھے اپنی داسی بنا کر لے جاتے تو کم از کم فراق کی آگ میں آج یوں جل نہ رہی ہوتی۔

پھر کئی دن کے بعد میرے رب کو مجھ غریب پر ترس آ گیا اور مجھے دیدار محبوب نصیب ہو گیا۔ میری کوششیں بار آور ہو گئیں۔ پھر جب آپ نے مجھے دیکھا تو میں نے اپنے رُخ سے پردہ ہٹا ڈالا۔ میرے حسن کی خیرگی سے آپ کا دل بچ نہ سکا۔ آپ اسی وقت اس روشن جھروکے سے نکل کر میرے مقابل آ کھڑے ہوئے۔ جانے کتنی دیر تک آپ کی آنکھوں میں میری آنکھیں ڈوبی رہیں۔ کیف کی مستی سے سارا عالم مدہوش ہو گیا۔ آپ نے مجھے سمجھا اور میں نے آپ کو سمجھا۔

رومان پرور ملاقاتوں کا آغاز ہو گیا۔ میں روزانہ دریا کے پار آیا کرتی اور آپ دریا کے کنارے میرے منتظر ہوتے۔ اب مجھے اپنے بدن کے بھیگنے کا احساس بھی باقی نہیں رہا۔ شرم وحجاب کے سب پردے ہمارے لئے بے معنی ہو گئے۔ پھر ایک دن آپ نے وہ عہد میرے ساتھ کیا جس کا نشہ آج بھی میری روح کو سرشار کئے ہے۔ ہماری ملاقاتوں کی تعداد کیا رہی ہو گی، مجھے کچھ یاد نہیں۔ جلد ہی میرے قبیلے والوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں دریا کے اس پار آپ سے ملنے جاتی ہوں۔ آپ کا دبدبہ اور رعب ہی کچھ ایسا تھا کہ ان میں اتنی سی جرأت بھی پیدا نہ ہو سکی کہ وہ میرا راستہ روکتے یا پھر آپ سے کوئی بات کرنے کی ہمت کرتے۔ انہیں اپنی جانیں پیاری تھیں۔ وہ عظیم خوفو کے دردناک عذاب سے برگشتہ بخت تھے۔

ہماری محبت پروان چڑھتی رہی یہاں تک آپ نے کھلے لفظوں مجھے اپنی ملکہ بنانے کا عہد کر دیا۔ میں اس زعم میں ایسی ڈوبی کہ خیالوں نے مجھے ایسی کیف بھری دنیا میں پہنچا دیا کہ میں مدہوش ہو کر آپ کے سوا ہر چیز کو بھول گئی۔ خود فراموشی کا عالم یہ ہے کہ آج ہزاروں برس بیت جانے کے بعد بھی میں اس کیف سے آزاد نہیں ہو پائی۔

ایک رات نیل کے کنارے جہاں دھان کے کھیت تھے۔ ہم دونوں سبزے پر لیٹے اپنے دلوں کو تسکین بخش رہے تھے۔ چودھویں کا چاند اپنے ہم سفر ستاروں کے جلو میں وادی نیل میں اپنی چاندنی کے عکس میں گھرا ہوا تھا۔ آپ نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے عہد کی ایک بار پھر تجدید کی۔ آپ کو یاد ہے وہ لفظ کیا تھے؟..... شاید نہیں!!!

میں آپ کو دوبارہ یاد لاتی ہوں وہ الفاظ ہمیشہ کے لئے میرے دل میں نقش ہو چکے ہیں۔ آپ کہہ رہے تھے۔ ''راب شامخ..... راب شامخ! وہ وقت قریب آ چکا ہے کہ جب میں اپنے عظیم باپ کی گدی پر براجمان ہوں گا۔ عظیم دیوتاؤں کا چہیتا بظافومپ..... عظیم خوفو کا اکلوتا فرزند بظافومپ اور پھر میرا نام بھی اپنے باپ کی طرح اس سرزمین پر پوری آب وتاب سے چمکے گا۔ جس روز میں تخت نشین ہوں گا..... راب شامخ تم میرے پہلو میں موجود ہو گی۔ خدام شاہی فرعون مصر کی طرح اس کی حسین وخوباں ملکہ کی خدمت میں ہر وقت دست بدست موجود ہوں گے اور اس کی ہر خواہش کو ایسے بجا لائیں گے کہ وقت بھی شرما جائے گا۔''

یاد ہے آپ کو کہ میرا سر آپ کے دامن میں ڈھلک گیا اور میں اس روز اتنی مسرت پا کر روئی تھی کہ آپ تصویر استعجاب بن کر رہ گئے۔ میں نے اس وقت بھی آپ سے کہا تھا کہ مجھے ملکہ نہیں لونڈی بنا لیجئے مگر آپ نے ملکہ ہی بنانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ میں آپ کے جذبوں کو غلط نہیں کہہ سکتی۔ مگر میری نگاہیں محل کی اندرونی شورشوں سے بھی آگاہ ہونے لگی تھیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے آپ کسی مشکل کا شکار ہو جائیں۔ مگر آپ کی ضد کے سامنے میں ہار گئی۔

مجھے اب خلائے عظیم کے کسی گوشے پر شہنائی بجتی محسوس ہوتی اور کبھی چاند اپنے لئے خوشیوں کی کرنیں بکھیرتا معلوم ہوتا۔ دنیا کی ہر شے اس وقت مستی اور بے خودی میں محو رقص دکھائی دیتی۔ پھر ایک دن آپ نے کہا۔

''راب شامخ! تم چاند سے زیادہ خوبصورت ہو، شفق سے زیادہ دلکش اور شاہی تاج کے ہیروں کی چمک سے زیادہ میرے لئے قیمتی ہو۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ کا یہ انعام پا کر میں خوشی سے پھولے نہ سمائی اور میں نے آپ سے کہا۔

"میرا پیار ہی آپ کا سب کچھ ہے۔ آپ دیکھ لیجئے گا کہ میرا پیار ہی رہتی دنیا تک باقی رہنے والا ثابت ہوگا اور میرا ایثار گراں قدر ہوگا۔ دنیا ہم دونوں کے نام پر رشک کرے گی۔"

ہماری رومان پرور زندگی کے شب و روز یونہی بیتتے گئے۔ میں آپ کی ہمراہی میں امید وانتظار...... کے سہارے اپنی نامعلوم منزل کی جانب بڑھتی رہی۔ پھر ایک دن سب کچھ اپنی جگہ سے ہل گیا ہم دونوں کی زندگی میں تلاطم سا مچ گیا۔ عظیم خوفو نے آپ کی شادی شاہی خاندان میں ہی کرنے کا حکم دے ڈالا۔ شاہی شہزادی طونیلوفیہ سے عقد کی تیاری شروع کر دی گئی۔ میں یہ خبر پا کر بستر پر جا گری مگر آپ نے اپنے عہد کو نبھانے کے لئے اپنے بارعب باپ کا سامنا کرنا گوارا کیا۔ میری محبت کے دیئے آپ کے دل میں روشن تھے۔ شاہی شہزادی طونیلوفیہ آپ کو حاصل کرنے میں ناکام ہوگئی اور پھر ایک دن آپ کے اصرار اور ضد کے سامنے عظیم خوفو کو بالآخر جھکنا پڑا۔ ابھی کوئی فیصلہ طے ہو پاتا کہ عظیم خوفو اس دنیا سے گذر گیا۔ اس کی لاش حنوط کرنے کے لئے مندر کے پجاریوں کے سپرد کر دی گئی۔ مجھے اب کچھ حوصلہ ہوا کہ ہماری محبت کا پودا اب درخت بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد میری شاہی محل میں آمد ہونے لگی۔ میں آپ کے ساتھ گھنٹوں گذارتی۔ جس پر شاہی شہزادی طونیلوفیہ جل بھن کر رہ جاتی۔ دیکھنے والی حریص نگاہوں نے جب ہماری محبت کا حال جانا تو انہیں ہمارے قرب سے شاہی وقار پر کاری ضرب لگتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ دل میں اندیشوں نے اپنا سر اُٹھایا لیکن وہ ہماری خوش فہمی کے آگے زیادہ دیر ٹھہر نہ پائے۔ پھر جب عظیم خوفو کی لاش کو حنوط کیا جا چکا تو اسے اہرام شاہی میں اس کے قیمتی جواہرات کے ساتھ کمرہ خاص میں لٹا دیا گیا تا کہ وہ چار ہزار سال بعد جب اس تنویمی نیند سے بیدار ہو تو اپنے آپ کو خالی ہاتھ نہ پائے۔ پایہ تخت خالی تھا۔ وارث موجود مگر اسے کئی رسوم سے گذرنا ابھی باقی تھا۔ پھر باپ کی جگہ اس کے اکلوتے بیٹے یعنی آپ کو تخت شاہی پر جلوہ افروز کیا گیا۔ میں اس دن کس قدر خوش تھی یہ آپ کو بیان نہیں کر سکتی۔ میری نگاہوں کے سامنے آپ کیا سے کیا بن چکے تھے؟

بطانوفمپ جو کہ تھمسں اوّل کے نام سے سرزمین مصر کا خود مختار اور مطلق العنان بادشاہ تھا۔ آپ نئے فرعون کی حیثیت سے سیاہ و سپید کے مالک تھے اور میں آپ کی ملکہ۔ شہزادی طونیلوفیہ حسد کی آگ میں جلتی رہی۔ میں سب لوگوں سے بے پرواہ اپنی ہی مستی میں گم رہی۔

ہماری مسرت و شادمانی کا یہ دور کتنا مختصر ثابت ہوا...... آہ کس قدر مختصر؟"

راب شانخ کے جوش رقت کا تحمل ٹوٹ گیا۔ پلکوں کے دامن میں ضبط کیئے ہوئے آنسو بہہ نکلے اور نرم و ملائم رخساروں کو اپنی نمی بخشتے ہوئے اس کی گود میں جا گرے۔ وہ خاموش سی ہوگئی۔ اس وقت کی سنگینی کا تصور اس کے لئے ابتلائے ناگہانی سے کم نہیں دکھائی دیتا تھا۔ چہرے پر زردی سی پھیل گئی۔ اس کے اعصاب ناتواں و مضمحل سے دکھائی دینے لگے۔

"پھر کیا ہوا؟" اس کے تغیرات سے نعمان بے قرار سا ہو گیا۔

"پھر!!!" وہ تلخی سے ہنسی۔ "صرف چھ ماہ گذرے تھے کہ سرزمین مصر سے ایک سیاہ آندھی اُٹھی جس کی شدت ہماری ذات پر کسی عذاب سے کم نہیں تھی۔ مصر کے ہر باشندے کے منہ پر ایک ہی مطالبہ تھا کہ ایک کسان کی بیٹی ہماری ملکہ نہیں بن سکتی۔ دیوتاؤں کو یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔ دیوتاؤں کی ملکہ صرف کوئی دیوی ہی بن سکتی ہے۔ لوگوں کے منہ سے میرے نام کی مخالفت ہر سو اب علی الاعلانیہ ہونے لگی۔ یہ شور سنتے ہی میرے وجود میں خون کا آخری قطرہ تک خشک محسوس ہونے لگا۔ میں ہر وقت ان دیکھے خطروں کو محسوس کر کے لرزنے لگی۔ شاہی اعلان کے خلاف اس شور کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ آپ نے مجھے بار بار یقین دلایا کہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ وقت کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بحیثیت فرعون مصر اور میں ملکہ راب شانخ وادی نیل کی فرعونہ بن کر دیوتاؤں کی اس سرزمین کے مالک بن چکے تھے۔ مگر شاہی محل کے کسی کونے میں کینہ پرور عداوت کے نتیجے میں ایک شرمناک سازش تیار کی جا رہی تھی جس کے بارے میں، میں اور آپ دونوں لاعلم تھے۔ ہماری پرسکون زندگی کو تباہ کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔

تعصب کی چنگاریوں کو ہوا دینے والا ایک سنگدل پجاری تھا......

طارنوش منوف!......

ہاں وہی مصری بوڑھا جو آج پھر ہماری زندگی میں زہر گھولنا چاہ رہا ہے۔ وہ آج بھی نہیں چاہتا کہ محبت پھر یکجان ہو جائے۔ جیسے وہ آج سنگدل اور ستمگر ہے ویسا ہی ان دنوں میں ہوا کرتا تھا۔ اس نے درپردہ شہزادی طونیلوفیہ سے مل کر سازش کا تانا بانا تیار کیا اور پورے ملک میں بغاوت کے شعلے بھڑکا دیئے۔ وہ بڑا درباری پروہت تھا۔ اس کا بڑا احترام تھا۔ لوگ اسے پوجا کیا کرتے۔ اس نے اپنے اختیار کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ دبی ہوئی مخالفت کو زبان مل گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگ اپنے حق میں طارنوش منوف کا ساتھ پا کر دیوانہ وار مچل اُٹھے۔ یاد کیجئے اس وقت آپ اور میں کتنے پریشان تھے! آپ چاہتے تھے کہ لوگوں کو مال و زر سے مطمئن کر دیا جائے مگر شاہی مصاحب اس پر رضامند نہیں تھے صرف اسی وجہ سے کہ وہ اپنے آقا سے غداری کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ وہ اس کا تختہ الٹ کر نئے اقتدار کے خواب دیکھ رہے تھے۔

پھر ایک دن میں نے آپ کے حضور حاضری دی اور التجا کی کہ ان شورشوں کا باعث صرف میں بنی ہوں۔ زمین پر ہنگامے برپا ہونے لگے ہیں۔ مجھے اس امر کی اجازت سے سرفراز کیا جائے کہ دریائے نیل کی گہرائیوں میں اتر جاؤں اور اپنا آپ قربان کر ڈالوں لیکن آپ نے میری درخواست کو سختی سے رد کر ڈالا اور حکم دیا کہ میں کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھاؤں گی......اگر میں نے ایسا کچھ کیا تو آپ مجھے ہرگز معاف نہیں کریں گے اور میں دونوں عالموں کے درمیان بھٹک جاؤں گی۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ میں اپنے مقدس عہد کے باعث تمہیں اس بات سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ میری تھامی ہوئی گرفت کبھی نرم نہیں پڑے گی۔ جب تک میں اس زمینی دنیا سے کنارہ کش ہو کر بلند و بالا آسمانوں کا رُخ نہ کر لوں۔

آپ کے پختہ عہد نے......آپ کی ضد نے......اور میری والہانہ محبت نے جدائی کے اس ہولناک عذاب اور عظیم طوفان کو روکے رکھا۔ خدائے آمن رع کے مندر کا سب سے بڑا پجاری طارنوش منوف پھر کھل کر سامنے آ گیا۔ اس کی قوت میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ شاہی سپہ سالار اس سے جا ملے۔ پجاریوں کے گروہ نے پورے ملک میں مخالفت کی ایسی آگ روشن کر دی کہ اب کسی نہ کسی کو تو اس میں جلنا ہی تھا۔ نفرت و شرارت کے شرارے بکھرنے لگے۔ ہر سمت سے آوازیں بلند ہونے لگیں کہ کسان کی بیٹی کو محل سے نکال دو......حقیر لڑکی کے خون میں دیوتاؤں کے خون کی آمیزش مت کرو......ہمارا دیوتا بھٹک چکا ہے۔ اسے اس ساحرہ کے طلسم سے نکالنا اب خدائے آمن رع کے بس کا بھی روگ نہیں ہے لہٰذا ہمیں یہ فرعون نہیں چاہئے۔ نام نہاد ملکہ و بادشاہ کو شاہی محل کے ستونوں سے باندھ کر ان کے ناپاک جسموں کو تیروں سے چھلنی کر دینا چاہئے۔ ان میں موجود بد روحوں کو نکال باہر کرو......!

ہر طرف عجیب طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ بغاوت کو فرو کرنے کی بے شمار کوششیں کی گئیں مگر وہ کم ہونے کے بجائے بڑھنے لگیں۔ آپ اس دور ابتلاء میں بھی اپنے ارادے پر ڈٹے رہے۔ آپ کا استقلال متزلزل نہ ہو سکا۔ طارنوش منوف کی ریشہ دوانیوں سے آپ کے قدموں

کی خاک تک نہ اُڑ سکی۔ کاش اس وقت آپ اپنی جلالی قوت کا استعمال کر لیتے مگر آپ کی رحم دلی آپ کے لئے بے حد نقصان دہ ثابت ہوئی۔ طارنوش منوف نے اس موقعے سے شہ پا کر خونی انقلاب برپا کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے کھلے عام اپنے تیار ہونے والے لشکر میں یہ کہا کہ دیوتاؤں کے وقار کو جو دھچکا اس حرکت سے پہنچا ہے اس کا ذمہ دار بظافومپ ہے جو تھمس اوّل کہلاتا ہے۔ وہ نیم دیوتا بن چکا ہے ایک عام لڑکی نے اس کا تشخص ختم کر ڈالا ہے اب وہ دیوتا نہیں رہا۔

اے میرے وطن کے جوشیلو! خدائے آمن رع کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں حورث دیوتا اور اس کا مقتول باپ اوسیرس دیوتا تمہاری پشت پر موجود ہے۔ وہ تم سے اپنا حق طلب کر رہے ہیں۔ تم سب لوگ دیکھ لینا کہ بظافومپ پر جلد ہی آئی سس دیوی کا عذاب نازل ہوگا اور وہ زمین کی سات تہوں میں دھنس جائے گا۔ المناک تاریکیوں سے اسے پالا پڑے گا۔

اے لوگو! اگر تم اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کی خاطر اس انقلاب عظیم میں حصہ لو گے اور نیم دیوتا فرعون کو اس مقام سے ہٹا دو گے تو تم نیل کی بپھرتی لہروں سے ہمیشہ محفوظ رہو گے۔ نیل کی طغیانی تمہارے لئے بے معنی بن جائے گی۔ اگر تم نے اس وقت دیوتاؤں کی خوشنودی میں کوئی حصہ نہ لیا تو یاد رکھو کہ تم اس دریا سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ تمہاری فصلیں سوکھ جائیں گی۔ تمہاری زمین کے سینے پر آبلے پڑ جائیں گے۔ تمہارے گھروں میں قحط قبضہ کر لے گا۔ تم اور تمہارے بچے بھوک و پیاس کی اذیت کا شکار ہو جائیں گے۔ بے وقت موتیں ہوں گی۔ یاد رکھو عدل کا دیوتا انوبیس بھی اس وقت تمہارے فرعون سے ناراض ہے۔ کیا تم چاہو گے کہ اس کی خوشنودی کے لئے اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دو۔ اگر تم لوگ اپنی ہلاکت نہیں چاہتے تو آگے بڑھو اور انہیں قتل کر ڈالو۔ فراعنہ مصر کا غیض و غضب برق آتش بن کر ان کے ناپاک جسموں کو جلا کر خاکستر کر دے گا۔''

جوں جوں بغاوت کو دبانے کی کوششیں کی گئیں۔ آگ اور بھی بھڑکتی گئی۔ یہاں تک کہ منحوس پجاری طارنوش منوف نے ایک رات شاہی محل کا محاصرہ کر لیا۔ ہمارے وفادار محافظوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ طارنوش منوف اپنے ہم خیال باغیوں کی مختصر سی جماعت کے ساتھ محل کے اندر گھس آیا۔ ایک ایک کر کے ہمارے سب حامی لوگ قتل ہوتے گئے۔

پھر ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ میں اور آپ بالکل تنہا رہ گئے اور ہمارے چاروں طرف باغی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھیرا ڈالے تھے۔ میں اور آپ اس وقت بے بس اور بے یارومددگار تھے۔ خدائے آمن رع بھی خاموش تھا تو آپ فرط جوش میں گویا ہوئے۔

''طارنوش منوف! تم ہمیں قتل کر سکتے ہو مگر ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔''

''تم جھوٹے نام نہاد فرعون ہو!'' طارنوش منوف غصے سے بولا۔ ''ہم فراعنہ مصر کی اس پاک زمین کو جو تم نے ناپاک کر ڈالی ہے، تمہارے خون سے دھو ڈالیں گے یہ پہلے بھی پاک ہی تھی اور اب بھی پاک ہی رہے گی۔ یار کھو دیوتاؤں کا قہر و غضب بھرا عذاب تمہیں کبھی بھی سکون سے نہیں رہنے دے گا۔''

پھر کالے چغوں میں ملبوس پجاریوں نے آپ کو بازو سے پکڑ لیا اور طارنوش منوف کا نوکیلا نیزہ آپ کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ میں اس وقت چیخ رہی تھی۔ خدائے آمن رع کو پکار رہی تھی مگر میری آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنا خون بھی بہانا چاہا مگر طارنوش منوف نے مجھے دھکا دے کر آپ سے جدا کر دیا۔ آپ کا جسم زمین پر گر کر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ آپ کی چھاتی سے خون جاری تھا۔ میں آپ سے دور پجاریوں کی گرفت میں تھی۔ میں تڑپ رہی تھی، مچل رہی تھی کہ کسی طرح آپ کا سر اپنی گود میں لے لوں مگر وقت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میری نگاہیں بین کر رہی تھیں کہ آپ کی نقاہت بھری آواز مجھے سنائی دی۔

''میں جا رہا ہوں..... راب شامخ..... میں جا رہا ہوں۔ میں ایک بار پھر آؤں گا تم میرا انتظار کرنا۔ میری روح چار ہزار برس بعد ایک بار پھر آسمانوں سے نیچے اتر آئے گی اور پھر میں تمہیں تلاش کروں گا تم مجھے مل جانا..... کہیں کھو نہ جانا..... ضرور مل جانا..... مجھے ضرور مل جانا۔''

میں چیخ رہی تھی۔ آہ و پکار کر رہی تھی اور پھر میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں انتظار کروں گی ضرور انتظار کروں..... بس آپ ایک بار لوٹ کر ضرور آنا۔ پھر میری نگاہوں کے سامنے آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ میں اس رقت انگیز منظر کو برداشت نہ کر سکی اور بے ہوش ہو کر ان پجاریوں کی بانہوں میں جھول گئی۔ جب میری آنکھیں دوبارہ کھلیں تو آپ کی خون میں لتھڑی لاش میرے سامنے تھی اور اسے حنوط کیا جا رہا تھا۔ شاہی خواب گاہ میں آپ کے خون کے چھینٹے ہر طرف دکھائی دیتے تھے۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو مجھے غش

پڑنے لگے میں بے قابو سی ہو کر آپ کی میت کی جانب لپکی۔ اسی لمحے کسی نے میرے سر پر کچھ دے مارا اور میں ایک بار پھر تاریکیوں میں ڈوب گئی۔''

راب شامخ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں وہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی نعمان اس وقت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کی اپنی آنکھیں اس کی داستان سننے کے بعد نم آلود ہو چکی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر اپنی جھکی گردن اُٹھائی۔ اس کی بھیگی آنکھیں نعمان سے ٹکرائیں تو ان میں سکون سا پیدا ہو گیا۔ وہ پیاس بجھتی محسوس ہونے لگی جو صدیوں سے اس کی آنکھوں میں رچ گئی تھی۔

''میرے محبوب!'' وہ قدرے توقف سے بولی۔ ''مجھے جب ہوش آیا تو طارنوش منوف میرے سر پر کھڑا تھا اور میں زمین پر پڑی تھی۔ میرے سامنے آپ کی حنوط کی ہوئی لاش پڑی تھی۔ میں نے بے بسی سے آپ کی جانب دیکھا اور آہ لے کر بولی کہ میں آپ کا انتظار کروں گی..... جب بھی آپ اس دنیا میں اتریں گے تو مجھے اپنا منتظر پائیں گے۔'' میرے پہلو میں کھڑے خبیث طارنوش منوف نے طنزیہ انداز میں قہقہہ لگایا اور غراتے ہوئے بولا۔

''فراعنہ مصر پر حق جتانے والی حقیر لڑکی..... تو انتظار کرے گی۔ تو خود فراعنہ مصر کے چمکتے روشن سورج کی پیشانی پر ایک بدنما کلنک ہے۔ تو شاہی وقار کے مجروح ہونے کا سبب ہے تیری بے مثال خوبصورتی ایک ایسا ناگ ہے جس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ دیوتاؤں کے قدم تیری اسی قیامت خیز جوانی کے سبب ڈول گئے۔ بظاہر موت کے بعد تجھے بھی زندہ رکھنا خطرے سے کم نہیں ہے۔ میں تمہیں قبل از وقت قتل کروں گا اور تیرے جسم کو جلا کر ہمیشہ کے لئے راکھ بنا ڈالوں گا تاکہ تجھے چار ہزار سال بعد کوئی جسم نہ مل سکے۔ میں تیری روح کو ایسے عبرت ناک اندھیروں میں دھکیل دوں گا جہاں تاریکیاں ہی تیرا مقدر بن جائیں گی۔ تو نہ زمین میں رہے گی اور نہ ہی آسمان پر جا سکے گی۔ تیرا ہر اک دن ایک نئے انتظار کی خبر لے کر آئے گا۔''

طارنوش نے مجھے ہلاک کرنے کے لئے جب خنجر بلند کیا تو کسی کی آواز نے اسے روک دیا۔ اس نے جب مڑ کر دیکھا تو ایک باریش شخص سامنے کھڑا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کون تھا کہاں سے آیا تھا؟ اس نے سبز رنگ کا لمبا سا چغہ پہن رکھا تھا اور سبز رنگ کی ہی دستار اس کے سر پر بندھی تھی۔ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ وہ ممفس کا پروہت تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر طارنوش رک گیا اور خونخوار لہجے میں بولا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ممفس کے ڈھونگی! تم کون ہوتے ہو میرے کام میں دخل اندازی کرنے والے؟''

''میں رب کائنات کا ادنیٰ سا بندہ ہوں تجھے آگاہ کرنے آیا ہوں کہ تو جو کر رہا ہے یا کر چکا ہے اس پر خدائے کائنات آمن رع ناخوش ہے۔ اس نے تجھے وہ اختیار نہیں دیا تھا جو تو نے استعمال کرلیا۔ اب بھی باز آجا ورنہ تو نہ مر سکے گا اور نہ ہی جی سکے گا، تیری نسل ختم کردی جائے گی۔''

''میں پوچھتا ہوں کہ جب میں خود خدائے کائنات سے بات چیت کر سکنے پر قادر ہوں تو اسے تمہیں بھیجنے کی ضرورت کیونکر پیش آئی۔ بہر کیف میں نے جو کیا ہے مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں اور جو کرنے جا رہا ہوں اس پر بھی کسی قسم کا غم نہیں۔ میں اس قاتل حسن کو ایک ایسی تصویر میں بند کردوں گا کہ یہ رہتی دنیا تک اس میں سے باہر نہ نکل سکے گی۔''

''ابھی بھی وقت ہے۔ رک جا! خدائے آمن رع سے بغاوت نہ کر۔'' وہ چلا کر بولا۔

''اس سے پہلے کہ میرے ہاتھ تیرے خون سے رنگے جائیں میں تجھے موقع دیتا ہوں تو یہاں سے بھاگ جا!'' طارنوش منوف نے غرا کر اسے دھمکی دی۔

''خبیث! تو باز نہیں آرہا تو سن کہ خدائے کائنات نے کچھ حدود تم پر لگا دی ہیں تم ان سے تجاوز نہیں کرسکو گے میں بخوبی جانتا ہوں کہ شیطانی قوتیں تمہارے پاس ہیں اور کیا کچھ تم کر سکتے ہو اور کن چیزوں پر تمہیں عبور حاصل ہے؟ اگر تم نے اس معصوم لڑکی کو تصویر میں بند کرنے کی کوشش کی تو تم پر آگ موت بنا دی جائے گی۔ تم جل کر مرو گے شعلے تمہیں جلا کر خاکستر کردیں گے اور یہ لڑکی جب بھی اجالے میں آجائے گی تم اس پر قابو نہیں رکھ پاؤ گے۔'' ممفس کے سبز پوش پجاری نے اسے گویا تنبیہ کی۔

''میں جانتا ہوں کہ اسے اندھیروں میں کیسے رکھا جا سکتا ہے اور میں یہ بات ثابت کر دوں گا یہ کبھی اجالے میں نہیں آسکے گی۔ میں اس کی حفاظت جان سے بھی زیادہ کروں گا۔ اسے ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھوں گا۔ جہاں تک آگ کا سوال رہا میں کبھی آگ کے پاس بھی نہیں جاؤں گا۔ پھر مجھے موت کیسے آسکے گی؟'' طارنوش کے چہرے پر شیطانی ہنسی رقص کر رہی تھی۔

''بہر حال تم نے یہ اچھا نہیں کیا بظاہر فومپ بالآخر شاہی نسل سے تھا اور نیم دیوتا کا حق کسی بھی طرح اس سے چھینا نہیں جا سکتا..... میری بات غور سے سنو ملکہ راب شامخ چونکہ

فرعون کی بیوی بن چکی تھی اس لئے وہ بھی شاہی خاندان میں شامل ہو چکی ہے۔ اس کا احترام ہم سب پر واجب ہے۔ فرعون کے وقار کو کسی بھی طریقے سے ختم نہیں کیا جا سکتا اگر تم نے ایسا کیا تو ایک خوفناک عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ دونوں کی لاشیں شاہی اعزاز کے مطابق حنوط کر کے اہرام شاہی کے کمروں میں رکھوائی جائیں۔ ملکہ راب شامخ کے چوبی تابوت پر یہ نقش کر دیا جائے کہ اسے غیر شاہی خاندان کی لڑکی سے فراعنہ مصر کا اعزاز حاصل ہوا لہٰذا اس سے یہ اعزاز مذہبی رواج اور مصری اصول کے سبب چھینا نہیں جا سکتا..... میں ایک بار پھر تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اس لڑکی کو قتل نہ کر۔''

''تم جا سکتے ہو میں جو کروں گا وہ عظیم مصر کی روایات کے مطابق کروں گا کیونکہ میں تم سے بہتر اپنی روایات جانتا ہوں۔'' طارنوش منوف نے اسے کہا جس پر ممفس کا سبز پوش پجاری مجھے اس درندے کی بانہوں میں گھرا چھوڑ کر ایک طرف جانے لگا جاتے جاتے وہ ٹھہرا اور بولا۔

''لڑکی جو تیرے مقدر میں لکھا ہے میں اسے ٹال نہیں سکتا میری ایک بات یاد رکھنا کہ جب تم آسمان کی جانب جانا چاہو گی تو اپنے ماضی کی داستان کسی سے بیان کر دینا اس طرح تم اس دنیا میں نہیں ٹھہر سکو گی تمہیں ہر حال میں آسمان پر لوٹنا پڑے گا اس موقعے پر یہ خبیث پجاری بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔''

میں ہراساں نگاہوں سے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ خود ہی خدا بنے میری قسمت کا فیصلہ کر رہے تھے۔ میں ابھی زندہ تھی اور مجھے ہلاک کر کے میری لاش کو حنوط کرنے اور تابوت میں بند کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا تھا۔ پھر طارنوش کے ہاتھ حرکت میں آئے اور میری روح میرے جسم سے الگ ہوگئی۔ مجھے پہلی بار روح کی صورت میں طارنوش منوف کی حقیقت سے آگاہی ہوئی کہ وہ بے پناہ شیطانی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ اس نے اپنی شیطانی قوت سے میری تصویر بنائی اور مجھے اس فریم میں بند کر کے ایک ایسی جگہ بند کر ڈالا جہاں کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ اسی اثناء میری لاش بھی حنوط کر کے ایک کمرے میں سجا دی گئی۔ چند سال گذرنے کے بعد اس خبیث نے میری لاش وہاں سے چرائی اور اسے جلا کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر ڈالا۔ میں اس کی طاقت کے سامنے دم بھی نہیں مار سکی۔ اب میں اگر واپس دنیا میں جاتی تو میرے پاس کوئی جسم نہیں تھا۔ میں نے اپنے خدا پر بھروسہ رکھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے معلوم ہوا کہ اس کی شیطانی قوتوں میں اضافہ ہو گیا ہے اور وہ اب ناقابل تسخیر ہستی بن چکا ہے اسے موت سے بالکل آزاد کر دیا گیا ہے۔ میں اس خبر کو پا کر بے چین ہو گئی۔ ابھی میں پوری طرح نہیں سنبھلی تھی کہ مجھے پتہ لگا کہ اس کے شیطانی آقا نے اس کا ایک ہمزاد بھی اسے عطا کر دیا ہے جو کہ میری حفاظت کرتا رہے گا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی شیطانی قوتوں کے اسرار مجھ پر کھلتے گئے میں اب تصویر تھی..... دیکھنے والا مجھے تصویر ہی سمجھتا۔

میں اس دوران محبوب کی تلاش اپنے گرد پھیلی ہوئی تاریکیوں میں کرتی رہی۔ میں جب اپنی تاریکیوں میں بلند ہوئی تو خلائے عظیم کی وسعتیں میرے سامنے تھیں اور آپ کی روح دور ..... بہت دور انتہائی مشرق میں ایک ستارے کی طرح ٹمٹماتی ہوئی صرف ایک ہی بار مجھے دکھائی دے پائی۔ میں نے اس کی جانب سفر کرنے کی کوشش کی تو ایک زبردست طوفان برپا ہو گیا۔ ایتھر کی ہزاروں میل بلند موجیں میرے راستے میں دیوار بن گئیں۔ ان کے ہیبت ناک شور سے میں سہم گئی۔ موجوں کی گرج دار گونج نے عالم کائنات کے ہر ذرے کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ پھر میرے گرد اندھیروں کے پہاڑوں کی بلند چوٹیاں نمودار ہونے لگیں اور میں ان میں مقید ہو کر رہ گئی۔ اندھیرے کے پہاڑ قطار در قطار ہزاروں میل تک پھیلتے چلے گئے اور میں ان کے سامنے بے بسی کی تصویر بنی رہی۔ ایک معصوم روح ہزاروں برس تک اس عالم عجیب میں اسی طرح بھٹکتی رہی جیسے کوئی کسی جنگل میں باہر کے راستے کی تلاش میں ہمیشہ محوری انداز میں گھومتا رہے۔ میں نے آپ کو بارہا پکارا مگر میری آواز خلائے عظیم میں ہی گھٹ کر دم توڑ دیا کرتی۔ میں روئی تلملائی مگر کچھ بھی نہ ہو سکا پھر ایک بار میں خلائے عظیم سے نیچے اتر آئی اور اہرام کے دریچوں میں سے باہر نکلنے کے راستے تلاش کرنے لگی مگر طارنوش منوف نے میری اُڑان پر قبضہ کر لیا اور مجھے صرف اسی فریم تک محدود کر دیا۔ میں فریم میں سے دیکھ سکتی تھی اس میں سے باہر نکلنا میرے لئے دشوار تھا۔ طارنوش منوف نے میرے آس پاس اس قدر اندھیرا کر ڈالا کہ میں اپنے وجود کو بھی ٹٹول نہ سکی۔ اہرام کا یہ روشن کمرہ جہاں میں ایک تصویر بنی بیٹھی تھی اک دن تاریک ہو گیا۔ ایک نہ ختم ہونے والی بھیانک سیاہی کا دور شروع ہو گیا۔ ہزاروں برس بیتتے چلے گئے۔ نہ طارنوش منوف میرے سامنے آیا اور نہ ہی میں نے کسی شخص کو دیکھا۔ میری آنکھوں میں آپ کا عکس ہمیشہ زندہ رہا۔ کرب و اذیت کا یہ ابتلائی دور میں نے کیسے گذارا..... آپ اس کے بارے میں کیا جانیں؟ آپ تو بس یہ کہہ کر فرار ہو گئے کہ میں پھر آؤں گا مگر میرے دل میں

محبت کی لو جل رہی تھی اس کی روشنی تک کو آپ فراموش کر گئے۔

آپ میرے صبر آزما انتظار کا ہی اندازہ لگائیں اور پھر ذرا غور کریں کہ میں نے آپ کے حصول کے لئے کیا کچھ نہیں کیا؟ کیا کیا قربانیاں نہیں دیں؟ میں نے چار ہزار برس تک آپ کے انتظار میں ایک ایک پل تڑپ تڑپ کر گذارا۔

.....اور آج جب آپ میری نگاہوں کے سامنے ہیں اور میں آپ کو پا چکی ہوں تو آپ نے مجھے ہی فراموش کر دیا۔ مجھے بھول گئے۔ میں آپ کی جان جاں راب شامخ ہوں ..... پس اب میں اور آپ افسوس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ اب یہیں رہیں گے مگر میں اب خلاؤں سے پرے ایک دوسرے جہاں میں پہنچا دی جاؤں گی کیونکہ ممفس کے مہا پجاری نے مجھے یہی کہا تھا کہ میں تمہاری تقدیر نہیں بدل سکتا مگر یہ بتا دوں کہ تم جب اپنا ماضی کسی کے سامنے منکشف کر دو گی تو پھر یہ زمین تمہارے لئے اجنبی بن جائے گی اس پر تم ٹھہر نہیں سکو گی۔ اب میں صبح ہونے سے قبل ہی آپ کے اس جہاں کو چھوڑ جاؤں گی..... اب آپ کو میرا انتظار کرنا ہو گا۔"

ملکہ راب شامخ کے لہجے میں گہری تلخی تھی۔

نعمان اس کے سامنے گم صم بیٹھا تھا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اسے اس کی دردناک کہانی کا کوئی غم نہیں تھا۔ اسے اب یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کی خیالی تصویر اب اسے دوبارہ نہیں دکھائی نہیں دے گی۔ خوابوں کا عکس جو اس کی زندگی کے صفحہ قرطاس پر حقیقت بن کر پھیل چکا ہے۔ مٹ کر ہمیشہ کے لئے ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو جائے گا اور پھر وہ کسی بھی قیمت پر اسے اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ نہیں سکے گا۔

"مگر تم ان تاریکیوں سے آزاد کیونکر ہوئی؟" نعمان کھویا کھویا بولا۔

"وقت بھاگا جا رہا ہے اور اب بھی آپ میری کہانی ہی سننا چاہتے ہیں!"

راب شامخ نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"..... میں سوچ رہی تھی کہ آپ میری محرومیوں کو ختم کرنے کی سعی کریں گے اور ان آخری لمحات میں الوداع کہنے سے پہلے میرے تشنہ ہونٹوں پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر کے مجھے محبت کی انتہا تک لے جائیں گے۔ طلوع آفتاب سے پہلے تک میری تشنہ اور ماضی کے زخموں سے چور روح کو سیراب کر دیں گے۔ مگر آپ کو میری نہیں میری داستان سے دلچسپی ہے۔ یاد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رکھئے جس طرح آپ کی بے رُخی سے مجھے صدمہ پہنچا ہے اسی طرح ایک دن آپ بھی میری تلاش میں بھٹکتے پھریں گے۔"

راب شامخ کے لبوں پر حسرت دل مچل رہی تھی مگر نعمان اسے پورا کرنے سے قاصر دکھائی دیا۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لئے کوئی محبت نہیں تھی۔ خالی اور سپاٹ آنکھیں اس کے قلبی جذبات کی واضح عکاسی کر رہی تھیں۔

"سن لیجئے پھر کیا ہوا؟" راب شامخ کے لہجے میں مایوسی اور بے بسی کی جھلک دکھائی دی۔

"پھر ایک دن اہرام کے تاریک کمرے میں کہیں سے روشنی کی ایک چھوٹی سی کرن پھوٹی۔ مجھے اجالوں سے آشنائی نہیں رہی تھی۔ میں اسے دیکھ کر خوف سے سمٹ سی گئی۔ پھر رفتہ رفتہ میرے دل میں چھایا ہوا خوف کم ہونے لگا۔ مجھے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس کمرے کو کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں بے چینی سے سارے کمرے میں دوڑتی پھری کہ میری آزادی کا فرمان شاید آچکا ہے۔ مجھے پجاری طارنوش منوف کو دیکھے ہوئے کئی صدیاں بیت گئی تھیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مر چکا ہے اس لئے اس نے کمرے کے کھولنے والوں سے مزاحمت نہیں کی۔ مگر اسی رات جب اس خبیث کی شکل دوبارہ میری آنکھوں کے سامنے نمودار ہوئی تو مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ مجھے حقیقت معلوم ہوئی کہ زمانے بدل گئے ہیں۔ نئے دور کے لوگ ہمارے محلات کو آثار قدیمہ میں شامل کر کے انہیں کھول کر نئی تحقیق میں مشغول ہیں۔ طارنوش منوف نے اسی لئے ان کے راستے نہیں روکے کہ وہ بھی نئی تہذیب کا حصہ بن چکا تھا۔ اس نے مجھے رات کی تاریکی میں اہرام سے باہر نکالا اور اپنے گھر لے آیا۔ میں نے صدیوں کے بعد جب اپنی سرزمین دیکھی تو اس کا نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ میں اب اس کے گھر نما دکان میں مقید کر دی گئی۔ میں نے خدائے آمن رع سے گڑگڑا کر رحم کی التجا کی۔ اسی دوران مجھے خود محسوس ہوا کہ میرے اندر کچھ تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ میں اپنے اندر کچھ نئی قوتوں کو پا کر بے حد مسرور ہوئی مگر جب میں نے طارنوش منوف کا مقابلہ کرنا چاہا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس کے مقابلے میں، میں ابھی کمزور ہوں اور اپنی طاقت کے لئے مجھے اجالا چاہیے۔ وہاں مجھے ایسی جگہ پر رکھا گیا جہاں روشنی کی کرن تک نہیں آتی تھی۔ پھر میری زندگی میں ایک ایسا موڑ آیا کہ اس دکان میں ایک نوجوان داخل ہوا اس کے آنے کے بعد کئی نئی باتیں دیکھنے کو ملیں۔ میں نے

ں طارنوش منوف کی نسل کی لڑکی دیکھی تو حیران رہ گئی جس کے بارے میں میری قوتوں نے یا کہ اس کی رگوں میں طارنوش منوف کا اصلی خون دوڑ رہا ہے۔ میں نے اسے مارنے کی ٹھانی اس نوجوان نے اسے بچالیا۔ پھر ایک دن اس نوجوان نے گھر میں نیا رنگ و روغن کر ڈالا تو ھے اندھیروں سے نجات مل گئی ہر طرف اجلی روشنی سے میری روح کا ہر ذرہ مسکرا اُٹھا۔ میرے جود میں قوتوں نے نیا جنم لیا اور میں اس کے مقابلے میں بڑھنے لگی۔ پھر جب وہ نوجوان نے لگا تو میں نے اسے اپنی قوت سے سحور کر دیا اور اس نے میری تصویر کو اس خبیث سے آزادی دلا دی۔ اس طرح میں اس کے ساتھ یہاں آپہنچی۔ میں نے یہاں ہر طرف سیر کی کہ آپ پر نظر پڑی جب آپ جیل کی سلاخوں میں بند تھے۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرا دل پہلے کی طرح دھڑکنے لگا۔ میری نگاہوں نے آپ کے خوبصورت چہرے پر کئی بوسے لئے۔ میں کچھ دیر کے لئے سب کچھ فراموش کر گئی۔ تاریکیوں کا غم کہیں کھو گیا۔ آپ کو دیکھنے میں روز اسی جگہ آتی..... آپ بالکل اسی طرح تھے۔ وہی جوانی جب آپ کو مجھ سے چھینا گیا..... وہی بانکپن اور وہی رنگت..... لہجہ اور انداز گفتار بھی وہی..... اگرچہ آپ کسی اور زبان میں بات کرتے تھے مگر میرے لئے زبان کی قید کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ میرے انگ انگ میں سے مسرت پھوٹنے لگی۔ میرے محبوب! آپ نے جس مقام پر آنا تھا، وہاں آپ تو نہ آئے مگر وقت نے مجھے اسی جگہ پہنچا دیا جہاں آپ موجود تھے۔ روح اور تصویر میں تعلق پیدا ہو گیا بالکل اسی طرح جیسے جسم و روح میں تعلق ہوتا ہے۔ میں نے نئے عزم کے ساتھ آپ کی مدد کرنا شروع کی۔ میری قوتوں نے جب یہ بتایا کہ آپ کو اب ماضی کے بارے میں اب کچھ بھی یاد نہیں تو دل پر گہری چوٹ لگی۔ میں نے آپ کے سامنے آنا شروع کر دیا اور آپ کے سامنے اسی طرح کے جلوے، اشارے اور کنایے کئے کہ شاید آپ ماضی میں جھانک کر مجھے، اپنی راب شامخ کو پالیں مگر افسوس میں نے آپ کو تو پالیا مگر آپ مجھے نہ پا سکے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر زردی پھیلنے لگی۔ مایوسی و یاس کے سائے گہرے ہونے لگے۔ وقت بیت رہا تھا مگر نعمان کو ابھی تک کچھ یاد نہ آیا تھا۔ وہ اسے اپنی ناکامی سمجھ رہی تھی۔ راب شامخ ایک ٹک نعمان کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ شاید اپنے محبوب کا جی بھر کر آخری دیدار کر لینا چاہتی تھی۔ نعمان سنگی مجسمے کی طرح بے حس و ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اس کا دل اور دماغ آپس میں دست و گریبان تھے۔ نعمان اس لمحات میں کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پایا۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے چہرے کی الجھن صاف عیاں تھی۔

''راب شانخ!'' نعمان کے منہ سے یہ نام پہلی بار نکلا۔ جسے سنتے ہی وہ مسرت سے بیخود سی ہوگئی۔ ''تم ایک فرعون کی ملکہ ہو۔ تمہارا محبوب فرعون بطافومپ ہی تھا...... میں نہیں...... تم نے محض میرے چہرے کی مشابہت سے دھوکا کھایا ہے اور تم نے ہر امید مجھ پر باندھ لی۔ تم نے مجھے اپنا محبوب سمجھ کر اپنے حقیقی محبوب کی روح کو اذیت دی ہے۔''

''خدا کے لئے ایک لفظ بھی اور منہ سے نہ نکالئے میں نے جو سمجھا، ہی ٹھیک تھا۔ اب جبکہ میں آپ سے رخصت ہونے والی ہوں میری روح کو مزید زخمی مت کیجئے۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''اب تم خاموش رہو اور میری بات دھیان سے سنو!'' نعمان کے چہرے پر چھایا تذبذب دور ہو چکا تھا یوں لگتا تھا کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا ہے۔

''تم غلط فہمی کا شکار ہو اور یونہی اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔ میں تمہارا کچھ بھی نہیں ہوں...... اور یہ بات بھی جان لو کہ تم اندھیروں میں رہ کر اپنے خدا کی ذات کو بھی نہیں پہچان پائی۔ تم ابھی تک نوم غفلت میں ہو۔ عہد قدیم کا وہ مصری عقیدہ کسی بھی حال میں درست نہیں ہے کہ روح چار ہزار برس بعد زمین پر واپس لوٹ آتی ہے اور اپنے حنوط شدہ جسم میں دوبارہ داخل ہو جاتی ہے۔''

''میرے سنگدل محبوب!'' راب شانخ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ ''کیا میں اسی طرح بار بار ٹھکرائی جاتی رہوں گی۔ کیا میری بے پناہ محبت کے عوض مجھے کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔ صرف محبت کا حق بھی آپ نہیں دے سکتے...... میں صرف اور صرف محبت چاہتی ہوں۔ آپ اپنے ہاتھوں سے انہی تاریکیوں کو میرا مقدر بنا دینا چاہتے ہیں تو کوئی بات نہیں مجھے محبت نہیں مل سکی تو کیا ہوا، آپ کی نفرت میرے خالی دامن میں بھر گئی ہے۔ میں اسی کے سہارے باقی عمر گذار لوں گی مگر آپ کو جب بھی میری یاد ستائے گی تو آپ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ میں اس وقت اتنی مجبور ہونگی کہ آپ کو دلاسا بھی نہیں دے سکوں گی۔ میں چاہتی تھی کہ آپ کے سنگ انہی روشنیوں میں رہوں۔ میری امیدوں کی شمع اور تمناؤں کے آفتاب...... میرا صبر و قرار محض آپ ہی سے وابستہ ہے۔''

''بس کرو!'' نعمان قریباً چیختا ہوا بولا۔ ''میں تمہیں روشنی میں لانا چاہتا ہوں مگر تم ہو کہ

اندھیروں میں بھٹکنا چاہتی ہو۔ میں تمہیں یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور تمہارے عقیدے سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ مگر ایک تم ہو کہ مجھے اسی عقیدے کی جانب کھینچ کر میرے ایمان کو داغدار کرنا چاہتی ہو۔ میں تمہیں یہ کس طرح سمجھاؤں کہ ایک جسم اور ایک روح کی محبت کس طرح پروان چڑھ سکتی ہے؟''

''میرے محبوب!'' راب شانخ یاس بھرے لہجے میں بولی۔ ''فنا بقائے دوام ہے اور بقا محض سراب! اس کے سوا اور کچھ حقیقت نہیں۔''

''میں شاید پاگل ہو جاؤں گا......''

نعمان نے دونوں ہاتھوں سے سر پیٹا۔ راب شانخ شاید کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دروازہ پیٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ نعمان نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ راب شانخ کے چہرے پر بھی ایک رنگ لرز گیا۔ نعمان نے اسے اسی حالت میں چھوڑا اور خود تیزی سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ کھلتے ہی تازہ مگر سرد ہوا کے جھونکے کے تھپیڑے نعمان کے چہرے سے ٹکرائے۔ اس نے باہر گردن نکال کر دیکھا مگر وہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ اس نے بلند آواز میں دروازہ کھٹکھٹانے والے کو آواز دی مگر وہاں کوئی ہوتا تو سامنے آتا۔ بالآخر وہ دروازہ بند کر کے بڑبڑاتا ہوا اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا۔ خوابگاہ میں نظر پڑتے ہی وہ بھونچکا رہ گیا۔ جس مقام پر راب شانخ موجود تھی۔ وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا محض پھولوں کی چند پنکھڑیاں اور اس کی آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں کی نمی باقی تھی۔ نعمان نے اپنی خوابگاہ کو چھان مارا مگر وہ نہ مل سکی۔ نعمان نے تھک ہار کر اپنے بستر کی راہ لی۔ باہر بادل گھرے ہو چکے تھے۔ اس نے خوابگاہ میں لگے ٹائم کلاک کی جانب دیکھا رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ وہ کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہتا تھا۔

رات ختم ہونے میں چار پانچ گھنٹے ابھی باقی تھے۔ چند منچلوں کے سوا تمام شہر بے خبری کے عالم میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ موسم کی خنکی میں شاید ہی کسی کا دل باہر نکلنے کو کیا ہو۔

نعمان اپنے بستر میں دبکا پڑا تھا۔ وہ اپنے ذہن پر گہرا بار محسوس کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بظاہر بند تھیں مگر وہ جاگ رہا تھا۔ وہ اسی عالم میں مدہوش سا ہو رہا تھا کہ اسے محسوس ہوا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ کوئی اس کے بالوں میں خلال کر رہا ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کا مدہوش ذہن بیدار ہو گیا۔ نیند کا طلسم جو آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا اب ٹوٹنے لگا۔ اسے نیم خوابی حالت میں محسوس ہوا کہ کوئی اس کے بالوں کو حقیقت میں چھیڑ رہا ہے لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی کیونکہ اس کے رخسار پر گرم گرم پانی کے قطروں نے اسے پوری طرح ہوشیار کر ڈالا۔ اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ راب شامخ اس کے سرہانے بیٹھی تھی۔ اسے محسوس ہونے والے گرم پانی کے قطرے دراصل اس کی آنکھوں سے گرنے والے آنسو تھے۔ ایسی حالت میں نعمان کا بستر میں یونہی پڑا رہنا دشوار ہو گیا۔ اس نے پہلے نیم وا آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور پھر فوراً ہی اُٹھ بیٹھا۔ راب شامخ نے اسے بیدار دیکھا تو وہ دھیرے سے مسکرادی۔ وہ سراپا غم بنی بیٹھی تھی۔ اس پر حزن و الم کا عالم طاری تھا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں آنسو سے لبریز تھیں۔ ہونٹوں پر نامعلوم سی لرزش محسوس ہوتی تھی۔ وہ تصویر رنج و ملال بنی خاموش بیٹھی رہی۔ نعمان نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو قریب سے سنا تو اس کے دل کی حرکت میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا۔ پیشانی پر عالم سردی میں بھی پسینہ نمودار ہونے لگا۔

''میرے محبوب!'' راب شامخ نے خود ہی سلسلہ گفتگو چھیڑ دیا۔ ''آپ مجھ سے اتنا گھبراتے کیوں ہیں؟ میں آپ کی وہی محبوبہ ہوں جس کے لئے آپ نے سب سے دشمنی مول لی اور موت کو ہنسی خوشی گلے لگالیا۔''

''راب شامخ!'' نعمان دھیرے سے بولا۔ اس کی سانسیں بے قابو ہو رہی تھی۔ ''تم اس کا جواب تو خود اپنے ضمیر سے بھی دریافت کر سکتی ہو..... کیا تم میرے لئے کسی معمے سے کم نہیں ہو؟ ..... کیا تم دوسری لڑکیوں کی نسبت مافوق الفطرت نہیں ہو؟..... تمہاری پراسرار شخصیت میرے لئے جانے کیا کیا نئی پریشانیوں کا باعث بنے؟''

''اس کی اب نوبت نہیں آئے گی.....!'' وہ حزین لہجے میں بولی۔ ''میرے محبوب! میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میرے دامن میں آپ کے لئے کسی قسم کے کانٹے نہیں بلکہ حسین و دلکش پھول ہیں۔ جنہیں عالم فانی گل محبت کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ میری آنکھوں میں شراب عشق کی وہ مستی ہے جسے آپ کبھی فراموش نہیں کر پائیں گے۔ میرے دل میں آپ کے لئے وہ پیار ہے جس نے میرے خون کے ہر ایک ذرے میں محبت کی جھلسا دینے والی آگ بھڑکا رکھی ہے..... بظاہر مومپ! میرے ہونٹوں پر آپ کے لئے صرف دعائیں ہیں۔ میں نے

آپ سے سچی محبت کی ہے میں آپ کا کسی بھی حال میں برا نہیں چاہتی۔ پیار کرنے والے لوگ اپنی جان تک محبوب پر نچھاور کر دیا کرتے ہیں..... آپ نے میری والہانہ محبت کا مفہوم شاید ابھی تک نہیں جانا۔

میرے محبوب! مجھ پر جور و جفا کے دروازے کھل چکے ہیں۔ جدائی کا طوفان مجھے اپنی قہر آلود موجوں میں لپیٹ کر بہا لے جانے کو بے تاب ہے۔ خبیث پجاری مجھے ماضی کے اندھیروں میں دھکیلنے کا خواہش مند ہے..... ایسے عالم میں آپ ذرا سوچئے کہ میں کس قدر بے کس ہوں۔ میں کس قدر بدنصیب اور الم آشنا ہوں۔ اتنی بڑی دنیا میں صرف ایک آپ ہی میرے ہم راز ہیں۔ میرے اپنے ہیں لیکن پھر بھی آپ نے اجنبیت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔

مجھے اب تو سہارا دے دیجئے۔ میں اب زمانے سے لڑلڑ کر تھک چکی ہوں میرے قدموں میں لڑکھڑاہٹ برپا ہو رہی ہے۔ میں کسی بھی پل گر پڑوں گی۔ اگر آپ ایسے میں چاہیں تو میری کشتی اس بھیانک منجدھار سے نکال کر ساحل تک پہنچا سکتے ہیں۔''

''راب شامخ!'' نعمان الجھی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ ''مجھے تم سے بے حد ہمدردی ہے مگر تم ہی مجھے بتاؤ کہ آخر میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟''

''ہمدردی.....'' تلخ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ ''ٹھیک ہے یونہی سہی۔ آپ مجھے بھکارن سمجھ کر ہی میرے خالی دامن میں محبت کے چند پھول ڈال دیں۔ میں ان پھولوں کی خوشبو سے ہی بے خود ہو کر آپ کے اس احسان عظیم کے گیت سدا گاتی رہوں گی۔ یہی میری آخری تمنا ہے اور یہی میرا آخری ارمان ہے۔ میں اپنے دل بے قرار کی تشفی کے لئے اپنی محبت کا صرف حق طلب کر رہی ہوں۔ رب کائنات کو حاضر و ناظر جان کر صرف اتنا ہی رحم کریں کہ ایک چھوٹا سا فقرہ مجھے بخش ڈالیں جس سے مجھے میرے سفر طویل کا حاصل مل جائے..... کہ آپ کو بھی مجھ سے بے حد محبت ہے۔ آپ کا یہ رس بھرا جملہ جو صرف ایک بار میرے دل کی گہرائیوں میں جا چھپے گا تو میں اسے ہرگز باہر نہیں نکلنے دوں گی۔ میں اسے اپنا ماحاصل سمجھ کر ہی رگ دل کے ہر ریشے سے چمٹا لوں گی۔ صرف ایک بار یہ کہہ ڈالئے کہ آپ بھی میرے منتظر تھے۔ آپ میری محبت کے منتظر تھے۔ صرف اس لئے کہ آپ مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔''

راب شامخ کا چہرہ تصویر حسرت بن کر رہ گیا۔

''دیکھو! راب شامخ تمہیں.....!'' نعمان نے کچھ بولنا چاہا کہ وہ تیزی سے بول پڑی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''میرے محبوب! اس کے سوا کچھ نہ کہئے کہ آپ کو بھی مجھ سے محبت ہے۔ میں صرف محبت کی طلبگار ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس سے کیا کچھ مجھے حاصل ہو جائے گا۔ میری تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔ میری روح کو تاحشر قرار مل جائے گا۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ مجھے سب کچھ اسی جملے میں مل سکتا ہے۔ محبت کی میم، مجھے مستی سے لبریز ساغر مہیا کر دے گی۔ محبت کی ح میرے حظ کو تسکین بخش دے گی۔ محبت کی بے میرے گلشن چمن میں بہار ہی بہار کھلا دے گی۔ محبت کی ت کا تاج میرے سر پر ہمیشہ چمکتا دمکتا رہے گا۔ کیا میں اتنی دولت پانے کی بھی حقدار نہیں ہوں؟''

''تم شاید اپنے آپ میں نہیں ہو!'' نعمان کے چہرے پر بیزاری چھا گئی۔ ''یہ سچ ہے کہ میں نے تمہیں اپنے خیالوں میں پایا اور میں نے تمہارے تصور سے بے حد محبت کی مگر تمہارا سراپا میرے لئے اتنا پراسرار ہوگا، اس بارے میں، میں نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔ اب تم مجھ سے یہ مطالبہ کر رہی ہو کہ میں تمہاری محبت کا اقرار کرلوں تو تمہارا دل رکھنے کے لئے یہ ضرور کہہ دوں گا کہ مجھے اب بھی تم سے محبت ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے میں اب اپنے تخیل سے گھبرا گیا ہوں۔ میری خیالی تصویر اتنی عجیب ہوگی اس بارے میں، میں نے کبھی تصور تک نہیں کیا تھا۔ حقیقت جان کر میرے ذہن میں بنا ہوا تمہارا تخیل ٹوٹ چکا ہے۔ مجھے واقعی اب تم سے محبت نہیں ہے۔''

''آپ بڑے سنگدل ہو میرے محبوب!'' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ ''آپ نے تو میرا دل بھی نہیں رکھا۔ افسوس ہے مجھے خود پر کہ میں کس قدر بدنصیب ہوں۔ جب پہلی بار آپ کے قریب ہوئی تو آپ کی جان گئی اور مجھے طویل ترین قید سے گزرنا پڑا۔ اب آپ کے نزدیک ہو کر بھی بے حد دور ہوں۔ میں نے آپ کو کیا نقصان پہنچایا؟ میں نے آپ کے لئے کیا برا کیا؟ کہ میرا تخیل کا طلسم ہی آپ کے ذہن میں ٹوٹ گیا۔''

نعمان اس کی گریہ وزاری سے بکھرنے لگا۔ اس کے دل میں وسوسوں کے ساتھ ساتھ پشیمانی کا احساس اجاگر ہونے لگا کہ اگر وہ اسے جھوٹی تسلی دے دیتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔

''مجھے سوچنے کا موقع دو..... راب شانخ!'' نعمان دھیرے سے بولا۔

''کیا سوچنا چاہتے ہیں؟'' راب شانخ بپھر گئی۔ ''محبت اندھی ہوتی ہے۔ اندھی محبت کے لئے کچھ نہیں سوچا جاتا۔ محبت میں انسان کے ہوش حواس کھو جاتے ہیں وہ کچھ سوچنے کے

ل ہی نہیں رہ جاتا۔ آپ کیا سوچنا چاہتے ہیں؟ سوچ کر صرف جھوٹ ہی بولا جا سکتا ہے۔ ت نہیں کی جا سکتی۔''

''راب شانخ..... تم میری توہین کر رہی ہو۔'' نعمان درشت لہجے میں بولا۔

''توہین میں نہیں آپ میری کر رہے ہیں۔ میری محبت کی کر رہے ہیں..... مجھے آپ ے سچی محبت ہے۔ وہ کون ہے؟ جو مجھے اس راہ سے باز رکھ سکتا ہے۔ میرا جنون میرا ہمراہی ہے۔ میری وحشت میری رہنمائی کرتی ہے۔ میری بے قراری آتش برق بن کر اپنے رقیبوں پر رتی ہے۔ میری بے چینی دشمنوں کو بسمل کی طرح تڑپانے سے گریز نہیں کرتی..... اگر میرا جنون د سے گذر جائے تو میں اس کائنات کے ہر اک ذرے سے ٹکرا جاؤں گی۔ مگر آپ کیا ہیں؟ رے مقابلے میں آپ کی محبت کس طرح کی ہے؟..... وہ وقت دور نہیں رہ گیا۔ جب آپ ی دہلیز پر مجھے رخصت ہوتا دیکھیں گے۔ میرے ارمانوں کا جنازہ جب اُٹھے گا تو آپ کی ح تک کانپ جائے گی..... لیکن اس وقت بھی میرے محبوب! میرے ہونٹوں پر آپ کے ے دعا ہی ہوگی۔ صرف دعا۔ یہ میری محبت ہے..... یہ میری محبت ہے۔''

راب شانخ کے لہجے میں بلا کا درد عود آیا جس کی تڑپ سے نعمان اپنی جگہ پہلو بدلنے

''بس کرو..... راب شانخ!''

نعمان کی آنکھیں بھر آئیں۔

''خدا کے لئے بس کرو۔ اب تک تو میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں تم اپنی راہ سے ک نہ گئی ہو مگر مجھے اب خدشہ ہونے لگا کہ کہیں تمہارے ساتھ میں بھی اپنی منزل سے بھٹک نہ اں۔ میرے بھٹکنے کے بعد تمہیں اپنی منزل تک پہنچنا دشوار نہ ہو جائے۔''

''میرے محبوب! میں آپ کے لئے سنگلاخ پہاڑوں سے بھی ٹکرا جاؤں گی۔''

نعمان نے اس کی بات سن کر خود کو ایک بار پھر ٹٹولا۔ اس نے بے خودی میں سر بیڈ کے ہانے کے ساتھ ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا۔ اس کے دل میں ایک ہلچل سی مچی ی تھی۔ وہ اسے اپنانا چاہتا تھا مگر زمانہ اس کے راستے میں پتھر بنا کھڑا تھا۔ ایک طرف حسن تھا تو دوسری طرف مصری بوڑھا طارنوش منوف۔ اس نے کافی دیر کے بعد آنکھیں کھول کر ا تو وہ جا چکی تھی۔ نعمان تیزی سے بستر سے باہر نکلا اور اسے ایک بار پھر اپنے ہی گھر میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تلاش کرنے لگا۔

وہ اسے نہ مل سکی۔ وہ مایوس سا ہو کر دوبارہ اپنے بستر پر آ گرا۔ اس کا ذہن شش و پنج میں مبتلا تھا۔ آج پہلی بار اس نے اپنے دل میں اس کے لئے گہرا درد محسوس کیا۔ اسے یوں لگا کہ وہ جاتے ہوئے اس کا سکون و قرار بھی ساتھ لے گئی ہو۔

دماغ کو دل کے مقابلے میں شکست ہو گئی تھی۔ دل تمام احساسات پر چھا گیا۔ راب شامخ کا کھلا شاداب چہرہ اس کی قلبی نگاہوں کے سامنے لہرانے لگا۔ جذبات کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتا ہوا نعمان اس قدر تیزی سے بہنے لگا کہ کچھ ہی لمحوں میں اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے چھانے لگے۔ اسے اب اپنی ضد پر افسوس ہونے لگا۔ نمود سحر میں ابھی بھی دو گھنٹے باقی تھے۔ اس کی نگاہیں راب شامخ کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس کا دل کہہ رہا تھا۔

وہ صرف مجھ سے محبت کرنا چاہتی ہے۔ صرف محبت..... خواہ میں اس سے محبت نہ کروں! لیکن کیوں؟ اقرار محبت کے لئے اس کا اتنا اصرار..... نہیں نہیں میں اس بے سہارا روح سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ اچانک دماغ نے مدافعت کرنا چاہی مگر دل نے دماغ کی مدافعت و مزاحمت کو فوراً کچل ڈالا۔ اس کے اعصاب پر راب شامخ اس قدر سوار ہوئی کہ وہ تیزی سے بستر سے اٹھا اور باہر نکل آیا بالکونی میں کھڑے ہو کر اس نے چیخ کر کہا۔

''راب شامخ..... راب شامخ! تم کہاں ہو؟ ..... خدا کے لئے واپس آ جاؤ اور مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارا دل دکھایا ہے میں اس کے لئے تم سے شرمندہ ہوں۔ میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ واقعی مجھے تم سے محبت ہے..... میں تمہارا ہی دیوانہ ہوں تم واپس لوٹ آؤ۔''

وہ وہاں کہاں تھی؟ آخر نعمان تھک ہار کر واپس بستر پر آ گرا۔ وہ جا چکی تھی کہاں.....؟ یہ نعمان بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ بستر پر گرا بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''میرا اقرار محبت؟..... بعد از مرگ واویلا سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ کاش تم آ جاتی اور اپنے کانوں سے سن لیتی کہ میں اپنے کیے پر نادم ہوں۔ اپنی سرد مہری پر پشیمان ہوں۔ کاش تم لوٹ آتی۔ مجھے تم سے حقیقت میں محبت ہے..... میں کبھی تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ کچھ لوگوں کا بہکاوا تھا جس میں آ کر میں نے تمہیں رلا ڈالا۔ تمہارا دل دکھایا..... کاش تم واپس

آ جاؤ۔''

یہ حقیقت تھی کہ نعمان کے منہ سے یہی جملے سننے کے لئے راب شامخ ایک طویل عرصے سے تڑپ رہی تھی۔ ان جملوں کو ادا کرنے کا وقت تو اب گذر چکا تھا۔ اگر وہ یہ لفظ سن لیتی تو اس کی حزین آنکھیں خوشیوں سے جگمگا اٹھتیں۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگتا۔ اس کے سرخ لبوں پر دلکش مسکراہٹ بکھرنے لگتی۔ وہ شکر گذاری کے لئے نعمان کے سامنے جھکتی تو وہ اس کے مرمریں بازوؤں کو تھام کر محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی۔ وہ مسکراتی اور نعمان اسے عالم بے خودی میں سینے سے لپٹا کر اس کے پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دیتا۔

نمود سحر میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ نعمان کی نگاہیں ابھی تک راب شامخ کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا کہ اسے اندر آنے میں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ ہو حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اسے در و دیوار روک نہیں سکتے۔ ذرا سی بھی آہٹ ہوتی تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے۔ وہ دروازے کو بے تابی سے دیکھتا کہ شاید راب شامخ واپس آ گئی ہے مگر وہ اسے نہ پا کر ایک بار پھر مایوسیوں کے اندھیروں میں بھٹکنے لگتا۔ اسی کشمکش میں وقت گذرتا جا رہا تھا۔ اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے وجود نے شب فرقت کے درد و غم کو محسوس کیا تھا۔ آتش عشق دماغ کے تمام دریچوں پر مشتعل ہو چکی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک بار پھر جنبش ہوئی۔

''اب تو لوٹ آؤ..... راب شامخ! میں اب تمہیں پکار رہا ہوں..... تم مجھ سے کیونکر روٹھ گئی ہو..... آج میں محبت کی سرشاری سے آشنا ہوا ہوں۔ محبت نے میری زندگی کا رُخ ہی بدل ڈالا ہے۔ میں آتش عشق میں جھلس رہا ہوں مجھے تمہارے لبوں کے مرہم کی ضرورت ہے۔''

جوں جوں وقت گذرتا جا رہا تھا مایوسیوں کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ دل کی دھڑکنیں بے قابو ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ وہ تصور غم بنا اس کی یاد کو دل میں چھپائے بیٹھا رہا۔ تنہائی اور گہری خاموشی اس کے بھیانک تصور سے کم نہیں تھیں۔ وہ اب یہ سمجھنے پر مجبور تھا کہ راب شامخ واقعی اس سے روٹھ گئی ہے۔ اب وہ ہرگز واپس نہیں آئے گی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے اس کے دل کو دُکھایا ہے۔ سرد مہری سے کام لیا ہے۔ اس کی وفاؤں کو بار ہا بار ٹھوکریں ماریں۔ اس نے خوشامد کی تو وہ پسیجنے کے بجائے مغرور ہو گیا لیکن جب مایوسی کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اندھیرے سے گھبرا کر وہ جا چکی ہے تو اس کے دل میں تنہائیوں کا عذاب مسلط ہو گیا۔ آنکھوں میں رات کب کٹ گئی اسے کوئی اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ مؤذن کی صدا نے اسے آگاہ کیا کہ اب طلوع سحر دور نہیں۔ وہ بے چین سا ہو گیا۔ بستر اسے کانٹوں کی سیج لگا۔ وہ بستر سے نکل کر گھر میں ایک بار پھر اسے ڈھونڈنے لگا مگر وہ نہ ملی تو اس نے صدر دروازے کو کھول کر باہر دیکھا۔ گہری دھند ہر سو چھائی تھی۔ کہر کا تاریکی سے یہ ملاپ اسے بے حد بھیانک لگا اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے اپنے گھر کے ایک جانب چھوٹے سے پائیں باغ میں آنکلا۔ اچانک اس کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اسے پائیں باغ میں سفید لباس کا ایک ڈھیر وسط میں پڑا ہوا دکھائی دیا۔ نعمان کے قدم تیزی سے اس جانب بڑھے۔ وہ جب اس کے قریب پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ سفید کپڑوں کا ڈھیر کچھ اور نہیں خود راب شامخ ہی ہے جو باغ کے وسط میں سر جھکائے دوزانو بیٹھی تھی۔

''راب شا..... راب شامخ!'' نعمان بے تابی سے اس کی جانب لپکتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تم سے محبت ہے۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ مجھے گذشتہ چند لمحوں میں ہی معلوم ہوا کہ میرے دل میں صرف تم ہی بسی ہو۔ میں تمہارے بغیر ادھورا ہوں..... راب شامخ! تم لوٹ آؤ۔''

''محبت!'' راب شامخ نے اپنی گردن اُٹھائی۔ ''ہونہہ! آپ کس محبت کا دعویٰ کر رہے ہیں..... چند لمحوں کی دوری نے ہی آپ کو بے چین کر ڈالا۔ اس بے قراری کے ایک ہی پل کو محبت کا نام دے دیا..... بہت جلد ہی محسوس ہونے لگی اس آتش المرگ کی جلن۔ آپ نے میری محبت کو اتنا معمولی سمجھا کہ صدیوں کی پیاس کو بجھانے میں اتنا تاخر و تامل برتا اور اب اپنی پیاس بجھانے میں بے قراری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔''

''راب شامخ!'' نعمان اس کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا۔ ''میں اپنے رویئے پر نادم ہوں۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں دیر کر دی لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ میں تم سے ہی محبت کرتا ہوں۔ میرے لئے دوائے دل تم ہی ہو۔ تمہیں دیکھتے ہی میرے زخم جگر مسکرانے لگا ہے..... راب شامخ! سراپا دعا تو تم تھی ہی..... اب دوا بن کر میری زندگی میں آجاؤ اور وفاؤں کے مہکتے پھولوں سے میرے دل کا گلشن بھر دو۔''

''آپ نے کچھ لمحے پہلے کیا کہا؟ اور اب کیا کہہ رہے ہیں؟ میں کسے سچ جانوں؟''

''سچ پرکھنے کے لئے تمہیں میری آنکھوں میں اترنا ہوگا۔'' نعمان بولا۔

''ہونہہ!'' وہ حقارت سے ہنکاری۔ ''آپ نے چند لمحے پہلے کہا کہ میں راہ راست سے بھٹک گئی ہوں۔ شاید آپ نے میرے بارے میں صحیح کہا تھا..... میں واقعی بھٹک گئی تھی۔ ماضی کی محبت کے مزار پر بیٹھی خود کو ہی سزا دیتی رہی۔ میں نے جب آپ کو پایا تو مجھے چاہئے تھا کہ میں پہلے آپ کو اچھی طرح جان لیتی کہ کیا آپ واقعی وہی میرے محبوب ہیں یا نہیں۔ آپ میرے وہی محبوب ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اس وقت آپ میری اک ادا پر فدا تھے اور اب آپ کو میری ادائیں فریب دکھائی دیتی تھیں۔ میں نے آپ کو اپنا محبوب تصور کر کے اپنی ہی محبت کے گال پر طمانچہ مارا ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو راب شامخ؟'' نعمان اس کی بات پر ششدر رہ گیا۔

''میرے خرمن حیات میں محبت کی چنگاری پھینک کر شعلہ بنا دیا اور جب یہ جوالا مکھی کی مانند میرے دل میں بھڑک اُٹھی ہے تو تم اپنا دامن کھینچ لینا چاہتی ہو..... خدا کے لئے میری نومولود امیدوں کا خون مت کرو۔''

''اب وقت گذر چکا ہے۔'' راب شامخ کی آواز میں کرب و الم جھلکنے لگا۔ ''میں جانتی تھی کہ میرا ماضی ہی آپ کے دل میں محبت کے بجھے چراغ کو روشن کر سکتا ہے مگر میرا ماضی میرے حال کو نگل جائے گا مجھے اس بات کا علم تھا۔ میں نے آپ کے دل میں احساس پیدا کرنے کے لئے خود کو ایک بار پھر جلا ڈالا۔ میں نے جو گناہ کیا ہے اب مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ ممفس کے پجاری کے فرمان کے مطابق مجھے آسمانوں میں جانا ہے۔ اب میرے بس میں کچھ نہیں ہے۔ میرا انتظار اب ختم ہو چکا ہے۔''

''مگر تم کچھ تو کرو.....؟'' نعمان کے چہرے پر ابتلائے حال اُمڈ آیا۔

''بس کیجئے! اب خاموش ہو جایئے۔ صرف مجھے اپنے ہاتھوں سے الوداع کیجئے۔ میری آخری خواہش صرف یہی ہے۔'' ملکہ راب شامخ پژمردہ لہجے میں بولی۔

نعمان کے دل پر گہری چوٹ لگی۔ اس کی محبوبہ اس کی نگاہوں کے سامنے اس سے جدا ہونے والی تھی۔ وہ اس فانی جہاں سے دور کسی دوسرے جہاں میں جا رہی تھی۔ جہاں شاید اس کی رسائی کبھی ممکن نہیں تھی۔ راب شامخ نے حسرت سے آسمان کی جانب دیکھا اور اس کے لبوں سے کلمات جاری ہونے لگے۔

''اے رب کائنات! میں واقعی بھٹک گئی تھی۔ میں نے اپنی منزل گم کر دی۔ میں نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس شخص کی محبت میں خود کو تیرے سامنے جلا ڈالا۔ وہ وقت کے دھارے میں بہہ کر کچھ سے کچھ بن گیا۔ میں اسے ویسا نہ پا سکی جیسا اس نے عہد کیا تھا۔ اس کے اعتماد کا شیشہ میری لغزشوں سے چور ہو گیا۔ میں نے خود اپنی ذات کو ہولناک تاریکیوں میں بند کئے رکھا۔ میری محبت کے پھول کملا گئے اور اب میرا اپنا سر فرط ندامت سے تیرے حضور جھک گیا ہے۔ اب تو ہی میری خطا کو معاف کرنے والا ہے۔ تو ہی میری زندگی کو اجالوں میں بدل دے گا بے شک تو ہی قادر مطلق ہے۔''

راب شامخ گڑگڑا کر دعا کر رہی تھی اور نعمان کا دل درد جدائی سے شق ہوا جا رہا تھا۔ اسی لمحے نعمان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا جب آسمان سے راب شامخ پر پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ وہ ان پھولوں میں چھپ سی گئی۔ آسمان پر سرخی چھانے لگی تھی جو اعلان کر رہی تھی کہ سورج کی پہلی کرن کسی بھی لمحے اس کے آنگن میں پہنچ جائے گی۔ پھولوں میں ڈھکی ہوئی راب شامخ کے چہرے پر تشکر کی خوشی جھلملا رہی تھی۔ اس نے نگاہیں پھیر کر ایک بار پھر نعمان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی شوخی تھی۔ جو پہلی بار اسے دیکھنے پر نعمان نے محسوس کی تھی لیکن دل کے کسی گوشے میں اسے اپنے محبوب سے جدائی کا غم بھی تھا۔

اچانک دونوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ راب شامخ کچھ بھی نہ کر سکی۔ بوڑھا مصری طارنوش منوف جانے کس جانب سے وہاں آنکلا اور اس نے سیاہ بڑی سی چادر راب شامخ پر ڈال کر اسے ایک بار پھر اپنی تاریکیوں میں قید کر لیا۔ نعمان اس اچانک حملے پر مبہوت کھڑا رہ گیا۔ جونہی اسے کچھ ہوش آیا تو اس نے طارنوش کی جانب لپکنا چاہا مگر زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ اس نے بے حد زور لگایا کہ وہ قدم اُٹھا لینے میں کامیاب ہو جائے مگر وہ ناکام ہی رہا۔ طارنوش نے اپنی پراسرار قوت کے بل بوتے پر اس کے پاؤں زمین سے باندھ دیئے تھے۔

''بوڑھے خبیث! میں تمہیں آخری دم تک نہیں چھوڑوں گا۔'' نعمان بے بسی سے غرایا۔

''برخوردار! تم وہ نہیں ہو جو تم خود کو سمجھ بیٹھے ہو..... میں نے پہلے ہی تمہیں آگاہ کیا تھا کہ تم امانت کو امانت ہی رہنے دو تو تمہارے حق میں اچھا ہے۔ مگر تم نے امانت کو اپنی ملکیت بنانے کی کوشش کی ہے۔ تم ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہو۔ میں چاہوں تو تمہیں اس بے ایمانی پر خوفناک سزا دے سکتا ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ وہ دیا..... جو تمہارے دل میں جل چکا ہے۔

وہ خود ہی تمہاری سزا بن جائے گا..... میں اب واپس اپنے ملک جا رہا ہوں۔ میرے تعاقب میں آنے کی غلطی مت کرنا ورنہ کیا ہو سکتا ہے یہ وقت ہی بتائے گا.....!'' طارنوش منوف نے تیز لہجے میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے سیاہ چادر کو لپیٹ کر اپنی بغل میں دبا لیا اور تیزی سے نعمان کے گھر سے باہر نکل گیا۔ نعمان نے اس کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی مگر زمین نے اسے اس بات کی اجازت نہیں دی۔ ایک گھنٹے کی مسلسل جہد و جہد کے بعد ہی وہ زمین سے چپکے پاؤں چھڑا پایا۔ اس نے بے قراری کے عالم میں تیزی سے باہر نکل کر بوڑھے مصری کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر گیا وقت کب ہاتھ آتا ہے۔ وہ اس نئے حادثے سے بری طرح بوکھلا گیا تھا..... وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اسی جگہ لوٹ آیا جہاں راب شامخ کے جسم کو چھونے والے پھول بکھرے پڑے تھے۔ اس کا ضبط ٹوٹ گیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بلک بلک کر رونے لگا۔

حسن مراد جب صبح بیدار ہوا تو اسے یاد آیا کہ آج ایک نہایت اہم کیس زیر سماعت ہے۔ اس نے رات اس کی تیاری تو کی تھی مگر وہ اس کے خیال میں نامکمل رہ گئی تھی لہٰذا وہ تیزی سے اپنے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ وہیں ایک جانب اس نے ایک چھوٹی سی میز لگا رکھی تھی جو اس کا گھر میں دفتر کا کام دیتی تھی۔ اس نے عجلت میں منہ ہاتھ دھویا اور لباس وغیرہ تبدیل کر کے وہ چھوٹی سی میز سنبھال لی۔ کیس فائل اس کے سامنے کھلی پڑی تھی۔ اس نے کافی دیر تک اس کا مطالعہ کیا۔ جب اس کی نگاہ رسٹ واچ پر پڑی تو عدالت جانے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ اس نے فائل جلدی جلدی اپنے بریف کیس میں ٹھونسی اور باہر نکلنے کے لئے صدر دروازے کی جانب بڑھا۔ اچانک وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سامنے دیوار پر ملکہ راب شامخ کا مصری فریم موجود نہیں تھا۔ اس نے بریف کیس ایک جانب رکھا اور ادھر ادھر اس فریم کو ڈھونڈنے لگا مگر اسے ناکامی ہوئی تو اس نے اس معاملے کو مؤخر کرتے ہوئے عدالت کی راہ لی۔ تمام راستے مصری فریم اس کے دماغ پر چھایا رہا۔ عدالت میں کئی جگہ اس نے تاریخیں لے کر مقدمے آگے بڑھا دیئے اور کئی جگہ معمولی کارروائی کے بعد ہی طبیعت کی خرابی کا عذر پیش کیا۔ اس دن کا اہم کیس بھی اس کی بے چینی کا شکار ہو گیا۔ تمام وقت ایسے ہی گذر گیا۔ فریم کی گمشدگی اس کے دماغ سے جیسے چمٹ گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوپہر کے بعد اس نے اندرون شہر کی راہ لی اور سیدھا حکیم عبدالمجید ثمرقندی کے پاس جا پہنچا۔ حکیم عبدالمجید اپنے مطب پر موجود تھا۔ اس نے اس کی پریشان صورت دیکھی تو دھیرے سے مسکرا دیا۔ حسن مراد اپنی بے چینی کا سبب بیان کرنے کے لئے بے تاب ہوا جا رہا تھا کہ حکیم عبدالمجید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا عندیہ دیا۔ کچھ ہی لمحوں میں کھانا آ گیا۔ مطب میں موجود افراد نے کھانا کھایا۔ وہاں تیسرا فرد سیف اللہ خان تھا۔ کھانے کے بعد حکیم عبدالمجید اس کی جانب متوجہ ہوا۔ سیف اللہ خان بھی حسن مراد کی پریشان صورت دیکھ کر بے چین تھا۔

''تو پھر گم کر آئے وہ فریم .....!'' حکیم عبدالمجید نے مسکراتے ہوئے داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔

''میاں جی! اسی معاملے کی وجہ سے تو ادھر کھنچا چلا آیا ہوں یقین کیجئے کہ سارا دن اسی شش و پنج میں ہی گذر گیا کہ خبیث جانے کس وقت وہ فریم لے اُڑا۔'' حسن مراد نے حالات پر روشنی ڈالی۔

''خیر کوئی بات نہیں!'' عبدالمجید نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''سب کچھ اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے اب فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' حسن مراد کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل سی گئیں۔

''مطلب وہی ہے جو تمہارے ذہن میں وارد ہوا ہے!'' عبدالمجید گھمبیر لہجے میں بولا۔ ''اسے وہ روح پھر مل گئی اور اس نے اسے اسی فریم میں قید کر دیا مگر وہ اپنے انجام سے نہیں بچ پائے گا۔ اس کی تقدیر میں جو لکھا وہ تو پورا ہو کر ہی رہے گا۔''

''یعنی ہمارے سروں پر جو مصیبت کھڑی تھی وہ ٹل گئی۔'' سیف اللہ خان نے حیرت سے پوچھا۔ حسن مراد بھی اس سوال کا جواب جاننے کے لئے بے تاب تھا۔

''ہاں وہ منحوس چکر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے ختم ہو گیا ہے۔'' حکیم عبدالمجید ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کل رات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ وہ روح جب سورج کی پہلی کرن کے ساتھ عالم برزخ میں جانے کے لئے تیار ہوئی تو عین اسی وقت وہ شیطان وہاں پہنچ گیا اور اس نے اپنی قوت کے بل بوتے پر اسے ایک بار پھر اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسے حاصل کرنے کے بعد وہ فریم حاصل کرنا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی لہٰذا اس نے اپنی طاقت

سے اس فریم کو منگوایا اور اسے اس میں دوبارہ قید کر ڈالا مگر جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں منقش کر رکھا ہے اسے تو کوئی نہیں ٹال سکتا۔''

''میاں جی!'' سیف اللہ خان پر تفکر انداز میں بولا۔ ''طارنوش منوف اس معصوم روح کو یوں قید کر کے کیا عزائم پانا چاہتا ہے؟''

''اس کی حیات ہی اس روح سے جڑی ہوئی ہے اگر وہ مقید ہے تو وہ زندہ ہے اگر وہ عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے تو اس کے اس دنیا میں رہنے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے ذہن میں کئی سوال سر اُٹھا رہے ہیں۔ ذرا توقف کرو میں نماز ادا کر لوں اس کے بعد سب باتوں سے پردہ اُٹھاؤں گا۔'' عبدالمجید نے یہ کہہ کر اپنی ٹوپی سنبھالی اور مسجد کی راہ لی۔ اس کے جانے کے بعد حسن مراد پر سیف اللہ خان نے اپنے سوالات کی بوچھاڑ کر ڈالی۔ حسن مراد نے اپنی معلومات کے مطابق اس کے سوالوں کے جواب تو دیے مگر اسے سیراب نہ کر سکا۔ تشنگی تو دونوں میں ہی موجود تھی کہ اصل معاملہ کیا تھا؟

حکیم عبدالمجید کب نماز سے فارغ ہو کر واپس لوٹ آیا اس کا انہیں احساس ہی نہ ہو سکا کیونکہ وہ اپنی بحث میں اتنے محو تھے کہ وقت کے گذر جانے کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ جب ان کی نگاہ حکیم عبدالمجید پر پڑی تو وہ خاموش ہو گئے۔ حکیم عبدالمجید نے اپنی مخصوص نشست سنبھالی اور ایک بچے کے ہاتھ اندر زنان خانے میں پیغام بھجوایا کہ گرم گرم چائے بھجوا دی جائے۔

''نوجوانو!'' حکیم عبدالمجید ان کی جانب متوجہ ہوا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم اصل حقیقت جاننے کے لئے بے تاب ہو۔ میں اپنے اللہ کی مرضی سے یہ باتیں تمہیں بتا رہا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ تم انہیں اپنے سینے میں بند رکھو گے۔ یہ ان لوگوں کے لئے باعث عبرت ہیں جو راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔ وہ خبیث بھی اپنی راہ سے بھٹک گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کا تعلق دور فراعنہ سے تھا۔ وہ ہزاروں برس سے زندہ تھا۔ یہ زندگی اسے اس کے آقا ابلیس نے بخش رکھی تھی۔ جس فرعون کو اس نے قتل کیا اور اس کی معصوم بیوی کو اپنی قید میں رکھا۔ وہ بڑا رحمدل اور خدا پرست تھا۔ اس نے اپنی رعایا پر ماضی میں کیے گئے ظلم و ستم سے بچانے کا عہد کر رکھا تھا۔ فراعنہ کی جبری مشقت سے ہمیشہ کے لئے وہ اپنی رعایا کو دور لے جانا چاہتا تھا۔ ممفس کا پجاری بھی اس کا ہم خیال تھا۔ جب یہ سب باتیں طارنوش منوف کو معلوم ہوئیں تو اس نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انہیں فرعون کی غفلت سمجھا اور خود اقتدار سنبھالنے میں جت گیا۔ اس نے اس بڑے کام کے لئے اپنی عقل کو منفی طور پر استعمال کیا۔ اس نے ابلیس کو پکارا اور خدائے آمن رع کی مخالفت میں اپنی مدد پر رضامند کیا۔ ابلیس چونکہ پہلے ہی ایسی کوششوں میں رہتا ہے اس لئے اس نے اسے کچھ قوتیں دیں کہ وہ انہیں اس سرزمین پر استعمال کرسکتا ہے اس کا مدمقابل کوئی نہیں ہوگا۔ اس نے ابلیسی شہ پر اس رحم دل فرعون کو بے بنیاد الزام میں گھسیٹ لیا اور موقع پا کر اسے ہلاک کر ڈالا۔ اس کی خوبصورت بیوی پر اس کا اپنا دل آ گیا۔ وہ اس دور کی حقیقت میں ہی خوبصورت عورت تھی۔ اس نے اسے اپنانے کی خواہش فریاد بنا کر جب ابلیس کے حضور میں پیش کی تو اس نے اسے اس کی روح کو ہمیشہ کے لئے قید میں رکھنے کا مشورہ دیا اور اس کی مدد کرتے ہوئے ایک تصویر بنائی جس میں اسے ایک طویل عرصے تک بند رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے اس کام پر کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ اسے اللہ ہی نے خود کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ طارنوش منوف نے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کئی الٹے سیدھے کام کئے۔ پھر ایک لمحہ ایسا آیا کہ اس نے اپنے آقا سے ایک ایسا مطالبہ کیا جس پر ابلیس بھی حیران ہوگیا۔ اس نے دائمی زندگی اور اپنا ہمزاد طلب کیا۔ ابلیس زندگی کو طویل کرنے پر قادر ہے مگر دائمی زندگی اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ ابلیس نے اسے اپنا دست راست سمجھتے ہوئے لمبی زندگی تو دے دی مگر اس کی قوتوں کو سرزمین مصر میں ہی محدود کر ڈالا۔ یہی وجہ تھی وہ یہاں پر اپنی قوتوں کو پوری طرح استعمال نہیں کرسکا۔

زمانے بدلتے رہے۔ اس کی کالی کرتوتیں بھی ساتھ ساتھ جاری رہیں۔ ایک زمانہ ایسا آ گیا کہ دور نے نئی منزل ڈھونڈ لی۔ یہ جدید صدی شروع ہوگئی۔ لوگ ادھر ادھر پھیلنے لگے۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے بعد ان دونوں یعنی طارنوش منوف اور اس کے ہمزاد میں جھگڑا ہونے لگا۔ دونوں اب یہ چاہتے تھے کہ اس روح کو ایک نیا جسم دے کر زندہ کرلیں اور پھر اسے اپنی داشتہ بنا کر اس کے حسین و گداز جسم سے کھیلتے رہیں۔ طارنوش منوف اس دوشیزہ پر کسی اور کا حق نہیں برداشت کرسکتا تھا۔ لہٰذا ان دونوں میں اس بات پر تکرار ہونے لگی وہ دونوں ہی پراسرار قوتوں سے مالا مال تھے۔ کئی سال تک وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے رہے کوئی بھی ایک دوسرے پر فتح حاصل نہیں کرسکا۔ پھر ان دونوں کو ان کے آقا نے اکٹھا کیا اور انہیں آپس میں لڑنے سے روکا۔ دونوں میں یہ فیصلہ طے پایا کہ وہ اب ایک مقام پر نہیں رہیں گے۔

ان میں ایک وہ جگہ چھوڑ کر انگلینڈ چلا گیا۔ جانتے ہو کہ انگلینڈ کون گیا تھا؟..... طارنوش یا اس کا ہمزاد۔''

حکیم عبدالمجید نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ حسن مراد خاموش بیٹھا تھا جبکہ سیف اللہ خان کے چہرے پر تذبذب چھایا ہوا تھا اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''انگلینڈ طارنوش خود گیا اسی لئے اس کی قوتیں کم کردی گئیں۔ وہ انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگا اس نے اپنے معاش کی فکر میں رائل فورس میں جگہ بنائی۔ اس نے تمہیں جو کچھ بتایا وہ ملا جلا سچ تھا مگر جو چیز اس نے تمہیں دی تھی..... وہ کوئی خط نہیں اس کا اپنا دل تھا جسے اس نے اپنا سینہ چاک کر کے اپنے ہمزاد کو لوٹا دیا۔ وہ دل ہی ان قوتوں کا منبع تھا جو کہ ابلیس نے اسے دے رکھی تھیں۔ طارنوش نے جب جدید دنیا میں انسانی زندگی بسر کی تو اس کی سوچ میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اسے اچھے اور برے کا احساس ہونے لگا۔ اس کے اندر سویا ہوا ضمیر بیدار ہوگیا۔ ماضی کی ریشہ دوانیاں اس کے سامنے سانپ بن کر لوٹنے لگیں۔ تم نے جو آوازیں سنیں وہ اس کے ہاتھوں بے گناہ مارے جانے والے لوگوں کی تھیں جو اس کی پراسرار قوتوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

سیف اللہ..... تم اس کی موت کا باعث تھے۔ اسی لئے تمہیں طارنوش نے پہچان لیا۔ تمہاری صورت اس کے آقا ابلیس نے اسے صدیوں قبل دکھا دی تھی۔ طارنوش جانتا تھا کہ تم جب اس کی نگاہوں کے سامنے آجاؤ گے تو وہ مر جائے گا مگر اس حقیقت سے طارنوش کا ہمزاد واقف نہیں تھا۔ اسی لئے تم اسے عجیب سے تو ضرور لگے مگر اسے تمہارے متعلق اپنی موت کے قاصد ہونے کا بروقت پتہ نہیں چل سکا۔ جب تم وہاں سے اس کی تصویر لے اُڑے تو اسے احساس ہوگیا کہ اب وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا جس تصویر کے لئے اسے زندگی ملی تھی..... وہ ہی اس کے پاس نہیں رہی۔ جس رات تم اپنے ملک کے سفر کے لئے روانہ ہوئے اسی رات ابلیس نے اسے سخت جھاڑا اور ہر قیمت پر تصویر حاصل کرنے کا حکم دیا اس کے ساتھ ہی اس نے اس پر پابندی لگا دی کہ وہ کسی بھی ذریعہ کو استعمال نہیں کرسکتا۔ سیف اللہ خان تک پہنچنے کے لئے اسے پیدل سفر کرنا ہوگا۔ یہی بات تھی کہ وہ اتنے دن لیٹ ہوگیا۔ اس نے اپنی غلطی کو معاف کرانے کے لئے اپنی معصوم بچی کو ابلیس کے بھینٹ چڑھا دیا۔ تمہارے پاس وہ لڑکی شیطان کے ذریعے پہنچی تھی۔ اس کے جسم میں لگنے والا خنجر بے شک طارنوش کا ہی تھا مگر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مصر سے یہاں تک پہنچانے کا کام شیطان کا تھا۔

''اللہ اکبر! سیف اللہ تم اب آزاد ہو..... جاؤ اور اس کا بازو تھام لو۔'' حکیم عبدالمجید نے وجد میں آتے ہوئے کہا۔ اس کی دونوں آنکھیں بند تھیں جس پر دونوں چونک اُٹھے۔

''میاں جی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' سیف اللہ خان حیرت سے بولا۔

''برخوردار!'' عبدالمجید نے آنکھیں کھول کر کہا۔ ''ایک کو تو کھو چکے ہو اب کیا دوسری کو بھی کھونا چاہتے ہو؟ جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

''میاں جی! میں ابھی تک آپ کا مطلب نہیں سمجھا.....!'' سیف اللہ خان گڑگڑایا۔

''ارے گھامڑ! کیا تجھے اس لڑکی سے محبت نہیں تھی جو خنجر کھائے تجھے ملی۔''

''کہیں آپ کا اشارہ مورتیب کی طرف تو نہیں؟'' سیف اللہ خان چونکا۔

''تو اور کس کی بات کر رہا ہوں..... جادہ جو دوسری والی ہے اسے اپنا بنا لے۔''

''مگر میاں جی! وہ تو شاید عیسائی ہے.....!!!'' سیف اللہ خان چونک کر بولا۔

''تو کیا ہوا؟'' عبدالمجید نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''اسے مسلمان کر لے۔ وہ تجھے ڈھونڈتی ہوئی پہنچی ہے۔ وہ تیرے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ جا وقت ضائع نہ کر اپنے گناہوں کو بخشوا لے۔ اللہ نے تجھے موقع دیا ہے تو مستفید ہو جا اور خبردار وہ زندگی کبھی نہیں گذارنا جو کہ گذر گئی ہے۔''

سیف اللہ خان نے تیزی دکھائی۔ اس نے عجلت میں دونوں سے مصافحہ کیا اور وہاں سے نکل آیا۔ ایک آزاد زندگی کی کھلی فضا میں۔ جہاں ہر جانب اسے اب سب کچھ نیا نیا سا لگ رہا تھا۔ وہ اپنا ماضی کسی بھیانک خواب کی طرح بھول جانا چاہتا تھا۔ اسے صرف اس بات کی فکر کھائے جا رہی تھی کہ جینوفر یہاں کیسے پہنچ گئی؟ میاں جی کا اشارہ یقیناً جینوفر کی جانب تھا جو کہ اپنے بھائی سے لڑ جھگڑ کر ہمیشہ کے لئے اس کے پاس آ گئی تھی اور اس کے فلیٹ کے باہر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ گھر کے صدر دروازے پر لگے ہوئے تالے پر گرد کی تہیں جینوفر کے لئے بھی تشویش کا باعث تھیں۔

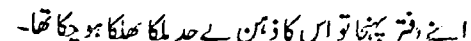

شام کے وقت حسن مراد جب اپنے دفتر پہنچا تو اس کا ذہن بے حد ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ اس نے ضروری کاموں سے فراغت کے بعد نعمان سے بالمشافہ ملنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا۔ اس

نے دفتر میں داخل ہو کر اپنا کوٹ اتارا اور اپنی کرسی سنبھالی۔ اس کے سامنے ملازم آج کی ڈاک رکھ کر واپس لوٹ گیا۔ حسن مراد نے اسے گرم گرم چائے لانے کے لئے کہا۔ حسن مراد کا یہ معمول تھا کہ وہ دوپہر کو موصول ہونے والی ڈاک کو پہلی ہی نظر میں دیکھتا تھا۔ اس نے حسب معمول ڈاک دیکھنا شروع کر دی۔ ان لفافوں کی پشت پر بھیجنے والوں کے نام تحریر تھے جس سے خط کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا تھا ایک سرخ رنگ کے لفافے کی پشت پر ایک چھوٹا سا جملہ تحریر تھا جس پر حسن مراد کے ماتھے پر تعجب کی شکنیں نمودار ہوئیں۔

''مہمان کی جانب سے!''

اس نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا مگر اسے کوئی اندازہ نہ ہو سکا کہ کس کا خط ہو سکتا ہے؟ لفافہ چاک ہونے کے بعد اس میں سے ایک گلابی رنگ کا خوشبودار کاغذ برآمد ہوا جس پر نیچے کی طرف اسے طارنوش منوف لکھا دکھائی دیا۔ حسن مراد اس نام کو دوبارہ اپنی میز پر دیکھ کر بے حد حیران ہوا۔ اس نے خط کا مضمون پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر ایڈووکیٹ!

میں تم پر سلامتی نہیں بھیجوں گا کیونکہ تم نے میری مدد کرنے کے بجائے ہر موڑ پر مجھے دھتکارا اور بھرپور مخالفت کی۔ یہ میرے آقا کا کرم ہے کہ میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کامیاب و کامران ہوا اور اپنی سرزمین کی امانت کو واپس لے جا رہا ہوں۔ ملکہ راب شامخ نے یہاں جن جن لوگوں کی زندگی میں حیرت انگیز واقعات بکھیر دیے میں ان پر نادم ہوں..... یہ سب میری چھوٹی سی نادانی کے باعث ہوا۔ تم نے میرا چور تو چھپا لیا ہے مگر تم اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہو گئے ہو کہ میں کوئی معمولی انسان نہیں ہوں۔ اپنے چور کو تو میں خاص وقت پر ہی سزا دوں گا۔ وہ میرے قہر و غضب سے ہرگز نہیں بچ پائے گا۔ میں جونہی قاہرہ پہنچوں گا تو اس کے عذاب کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ میں اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں کوئی ظالم و جابر انسان نہیں ہوں میرے دل میں رحم و شفقت کا عنصر ابھی باقی ہے۔ میں نے اتنی محنت صرف اسی لئے کی ہے کہ میں عظیم خوفو کے اہرام میں بیتائے گئے وقت کا بدلہ لوٹا دوں اور اس دنیا کو ایک روح کی جلوہ خیزی اور چیرہ دستی سے بچا لوں۔ مجھے اس نوجوان کی حالت پر بے حد افسوس ہے جو کہ خود کو وہ سمجھ بیٹھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے جو وہ نہیں ہے۔ خدائے آمن رع اس پر رحم کرے۔ میں صبح قاہرہ جانے والی فلائٹ کے ذریعے یہاں سے کوچ کر جاؤں گا جب یہ خط تمہیں ملے گا میں عظیم خوفو کے بڑے اہرام میں موجود ہوں گا۔ میں تمہیں معاف کئے جا رہا ہوں..... حالانکہ تم نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔

فقط تمہارا ایک مہمان

طارنوش منوف"

حسن مراد نے اس کا خط پڑھ کر گہری سانس لی۔ اس کی پراسرار شخصیت اس کے لئے کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ حکیم عبدالمجید نے اس کی ذات کو بے حد کھول کر بیان کر ڈالا تھا مگر ابھی بھی کئی سوال اس کے ذہن میں باقی تھے۔ اس نے خط کو تہہ کر کے واپس لفافے میں ڈالا اور ایک جانب رکھ دیا۔ اسی اثناء میں اس کی نگاہ دوپہر کے اخبار پر پڑی جس کی جلی سرخی چونکا دینے والی تھی۔ حسن مراد نے اخبار تیزی سے اُٹھایا اور پڑھنے لگا۔

"شہر کی رئیس اور قد آور کاروباری شخصیت پاگل خانے میں۔"

کروڑ پتی تاجر نعمان حیدر کسی نامعلوم ذہنی صدمے کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ انہیں شدید ترین صدمہ پہنچا ہے جس کے باعث ان کے دماغ کی کئی رگیں متاثر ہو چکی ہیں۔ قابل ماہرین کا کہنا ہے کہ ایسی حالت میں انسان زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکتا چوبیس گھنٹوں میں اس کی موت واقع ہو سکتی ہے..... اگر بالفرض وہ بچ بھی گیا تو اسے ایک مفلوج اور معذور زندگی گذارنا ہوگی جس میں وہ ہلنے جلنے کی طاقت سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔ مقتول عبدالرحمٰن کے خاندان سے منسلک یہ نوجوان تاجر گذشتہ دنوں شہرہ آفاق کیس میں بھی ملوث رہ چکا ہے۔ قرین قیاس ہے کہ قاتل دراصل یہی تھا جسے عبدالرحمٰن کے بیٹے نے اپنے سر لے کر اپنی بہن عنبر کے لئے قربانی پیش کی مگر ضمیر کے ہاتھوں کوئی نہیں بچ سکتا۔ نعمان اپنے ضمیر کے ہاتھوں سزا پانے والا شخص ہے۔ سچ کہتے ہیں کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔"

حسن مراد اس خبر کو پڑھ کر ایک بار پھر گہرے اضمحلال کا شکار ہو گیا۔ وہ فریم کی اگشدگی پر جس قدر پریشان ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ اسے نعمان کی حالت پڑھ کر دکھ ہوا۔ وہ اخبار کو

گھورے جا رہا تھا کہ ایک چھوٹی سی خبر نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

"مصر جانے والا جہاز جو کہ صبح لاہور ائیر پورٹ سے قاہرہ کے لئے روانہ ہوا تھا۔ ایران کے علاقے فاران میں آسمانی بجلی گرنے پر جل کر خاک ہو گیا۔ اس فلائٹ میں ایک سو سینتیس افراد سوار تھے۔ سب کے سب لوگ جاں بحق ہو گئے ان کے نام ذیل میں دیئے گئے ہیں....."

لمحہ بھر میں ناموں کی دی گئی فہرست میں اس نے طارنوش منوف کا نام ڈھونڈ نکالا تھا۔ حسن مراد نے اخبار ایک جانب اچھالی اور کرسی کی ٹیک سے کمر لگاتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کا چہرہ ابھی تک تصویر حیرت بنا ہوا تھا۔

.....طارنوش کیا ہمیشہ کے لئے مر گیا؟

.....ملکہ راب شامخ کی روح کا کیا ہوا؟

کئی سوال اس کے ذہن میں ابھرے۔

☆======ختم شد======☆